جلد 2

ایک عظیم علمی شاہکار

جدید موضوعات پر مشتمل علمی، فکری، اصلاحی خطبات کا نادر مجموعہ

خطباتِ شیخوپوری

افادات

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس پاکستان

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد

مکتبہ عمر فاروق

ایک عظیم علمی شاھکار

جدید موضوعات پر مشتمل علمی، فکری، اصلاحی خطبات کا نادر مجموعہ

خطباتِ شیخوپوری

جلد 2

افادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس پاکستان

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

جملہ حقوق بحق ناشر مکتبہ عمر فاروق محفوظ ہیں

نام کتاب .... خطباتِ شیخوپوری
ازافادات .... حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمہ اللہ
اشاعتِ اوّل .... نومبر 2015ء
تعداد 1100
طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
021-34594144 Cell: 0334-3432345
ای میل .... Mfarooq12317@yahoo.com
maktabaumarfarooq@gmail.com

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جا سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

مکتبہ معارف القرآن ۔ احاطہ دارالعلوم کورنگی کراچی 021-35031565
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی ---------- 021-32631834
سعدی اسلامی کتب خانہ گلشن اقبال نمبر 2 کراچی 0333-2305791
اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی -------- 021-34927159
مکتبہ لدھیانوی علامہ بنوری ٹاؤن کراچی -------- 021-34130020
قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ---------- 021-32212220
مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ ---------- 081-2662263
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد ---------- 041-2631204
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور ---------- 042-37224228
مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ -------- 092-3630594
مکتبہ عمر فاروق محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور
دارالاخلاص محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

بسم الله الرحمٰن الرحيم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

JAMIA FAROOQIA KARACHI

جامعہ فاروقیہ کراچی

باسمہ سبحانہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی سید الاولین والآخرین احمد المجتبیٰ ومحمد المصطفیٰ ومن والاہ۔

مولانا اشتیاق احمد امام وخطیب جامع مسجد بلال ناظم آباد نمبر ۲ نے حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درس قرآن مجید کے سلسلے کے کام کا اہتمام اور اشاعت کا نظم قائم کر لیا ہے۔

پہلے انہوں نے "آسان درس قرآن" کے نام سے مولانا شہید کے دروس قرآن کو شائع کیا جو حضرت شہید رح کی حیات ہی میں منظر عام پر آ گئے تھے۔

پھر دوسرا سلسلہ ~~شروع کیا~~ "درس کیوں اور کیسے" کو شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رح "القرآن کورس سینٹر" بہادر آباد میں ہر مہینے کے تیسرے اتوار کو درس دیا کرتے تھے جو جدید اور انتہائی فکری موضوعات پر مشتمل ہیں۔

ان دروس میں ۶۰ دروس کمپوز ہو چکے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مرحلہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رح بالکل معذور تھے چلنے پھرنے سے قاصر تھے لیکن وہ آیۃ من آیات اللہ تھے اللہ جل وعلا نے ان سے تفسیر قرآن کریم کی عظیم خدمت کے ساتھ مخلوق کی ہدایت کے لئے بہت کام لیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدمات کو صدقہ جاریہ بنا کر ان کے والدین اعزاء اقرباء اساتذہ اور معاونین ومحبین کو اجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

(وہ بہترین مدرس بھی تھے)

(مولانا مرحوم اس معذوری کے باوجود دینی، اصلاحی، تربیتی خدمات انجام دینے کے لئے دور دراز علاقوں کے اسفار پر جاتے رہتے تھے۔)

مولانا اشتیاق احمد انتہائی خوش نصیب اور قابل رشک ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولانا شہید رح کی قرآنی خدمات کو مرتب کرنے اور شائع کرنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے۔ ان کی ان مساعی کو اللہ پاک حسن قبول عطا فرمائیں۔ ان کے لئے، ان کے والدین، اعزاء، اساتذہ اور معاونین کے لئے بطور صدقہ جاریہ قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

[illegible]

سلیم اللہ خان خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۹ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ
۱۴ ستمبر ۲۰۱۵ء

تقریظ

استاذ المحدثین، یادگارِ اسلاف، مخدوم العلماء، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ادام اللہ ظلہم و فیوضہم

باسمہٖ تعالیٰ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی سید الاولین والآخرین احمد مجتبیٰ و محمد المصطفیٰ و من والاہ

مولانا اشفاق احمد امام خطیب جامع مسجد بلال ناظم آباد ۲ نے حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن مجید کے سلسلے پر کام کا اہتمام اور اشاعت کا نظم قائم کر رکھا ہے۔

پہلے انہوں نے ''آسان درسِ قرآن'' کے نام سے مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دروسِ قرآن کو شائع کیا جو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں منظر عام پر آگئے تھے۔ پھر دوسرا سلسلہ ''درسِ قرآن کیوں اور کیسے'' کو شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ ''القرآن کورسز سینٹر'' بہادر آباد میں ہر مہینے کے دوسرے اتوار کو درس دیا کرتے تھے جو جدید اور انتہائی فکری موضوعات پر مشتمل ہیں۔

ان دروس میں ٦٠ درس کمپوز ہو چکے ہیں ان کی اشاعت کا مرحلہ درپیش ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مرحلہ کو آسان فرما دیں۔ آمین

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ بالکل معذور تھے، چلنے پھرنے سے قاصر تھے، لیکن وہ آیۃ من آیات اللہ تھے اللہ جل وعلا نے اُن سے تفسیر قرآن کی عظیم خدمت کے ساتھ مخلوق کی ہدایت کے لئے بہت کام لیا، وہ بہترین مدرّس بھی تھے۔ مولانا مرحوم اس معذوری کے باوجود اپنی اصلاحی تربیتی خدمات انجام دینے کے لئے بیرونِ پاکستان مختلف دور دراز ملکوں کے سفر پر جاتے رہتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی خدمات کو صدقۂ جاریہ بنا کر اُن کو، اُن کے والدین کو، اعزاء، اقرباء، اساتذہ اور معاونین ومحبین کو ابدالآباد تک اجر وثواب عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا اشفاق احمد انتہائی خوش نصیب اور قابلِ رشک ہیں جن کو اللہ بزرگ وبرتر نے مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی خدمات کو مرتب کرنے اور نشر کرنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے ان کی مساعی کو اللہ پاک حُسنِ قبول عطا فرمائیں اُن کے لئے اُن کے والدین، اعزاء، اساتذہ اور معاونین کے لئے بطورِ صدقہ جاریہ قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سلیم اللہ خان

سلیم اللہ خان

خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

٢٩ ذی قعدہ ١٤٣٦ھ

١٢ ستمبر ٢٠١٥ء

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم

نائب مفتی واستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

محمد عبدالمنان
نائب مفتی واستاذ جامعہ دارالعلوم کراتشی
التاریخ ۲۸.۱۱.۱۴۳۶ھ

Muhammad Abdul Mannan
Naib Mufti & Ustad Jamia Darul-Uloom Karachi
Date:13.9.2015.

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین

امابعد!

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ العصر میں ایمان والوں کے اوصاف میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین کرتے ہیں، اور صبر کی تعلیم دیتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ (سورۃ العصر)

اسی طرح حدیثِ مُبارکہ ہے "الدین النصیحۃ" کہ دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے ایک اور حدیثِ مبارکہ ہے: "بلغوا عنی ولو آیۃ" "میری طرف سے اگر دین کی ایک بات بھی تمہیں معلوم ہو تو آگے دوسروں تک پہنچاؤ"۔

مندرجہ بالا ارشادات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دین کی نشر و اشاعت تمام مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری ہے، اور اسی ذمہ داری کے مختلف شعبے درس وتدریس، تصنیف تالف، وعظ اور تبلیغ وغیرہ کو مسلمانوں نے بحسن وخوبی سنبھالا ہے، اور

اپنی اس ذمہ داری سے توفیق اور اپنی استطاعت کے مطابق عہدہ برآ ہونے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

عوامی سطح پر سب سے زیادہ نافع ترین سلسلہ وعظ وتقریر، بیانات وخطبات کا ہے۔اور اصلاح معاشرہ میں یہ بیانات وخطبات ایک کلیدی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ عام مسلمان جو دینی مدارس میں داخلہ لے کر باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کرسکتے وہ زیادہ تر علماء کے بیانات ہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے مستند علماء کے خطبات ایک مؤثر ذریعہ تبلیغ ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''خطبات شیخوپوری'' ہے، جوکہ داعی قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سالہا سال کے خطبات کا قیمتی مجموعہ ہے جو مولانا موصوف کے علمی، فکری، اور اصلاحی کاوشوں کا بہترین نمونہ ہیں۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ بیک وقت مفسرِ قرآن، کہنہ مشق مدرس اور عوامی سطح کے بہترین خطیب بھی تھے، جن کے اصلاحی ،فکری بیانات اور درس قرآن سے بلاشبہ لاکھوں لوگوں نے استفادہ کیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (سورۃ الجمعہ)

مولانا اشفاق احمد صاحب حفظہ اللہ، فاضل جامعہ دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے انتھک کوششوں کے ذریعہ خطبات کے اس مجموعہ کو مرتب کیا، مولانا موصوف کا نام علماء کے حلقے میں محتاج تعارف نہیں ہے، وہ اس سے پہلے بھی مولانا شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن پر کام کرچکے ہیں اور آسان درسِ قرآن کے نام سے ''عَمّ پارہ'' کی تفسیر اور ''درس قرآن کیوں اور کیسے؟'' شائع کرچکے

ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکتیں عطاء فرمائے اور مزید علمی کاموں کی توفیق بخشے، آمین۔

مذکورہ خطبات کے حوالے سے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ درحقیقت عوامی بیانات کا مجموعہ ہے، کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں، لہٰذا اس میں تقریری رنگ غالب اور نمایاں نظر آتا ہے، تاہم مجموعی طور پر یہ ایک فکر انگیز خطبات کا مجموعہ ہے جس سے کوئی خطیب مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے طلبہ، طالبات علماء اور عام مسلمانوں کے لئے نافع بنائے اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، اور مرتب موصوف کے والدین اور اساتذہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔

آمین۔۔۔۔واللہ المستعان

حررہ

محمد عبد المنان

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

13/09/2015

عرضِ مرتب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى: امّا بعد!

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ

(بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی سچا دین ہے)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی حیات ابدیہ اپنے مبارک دین اسلام میں رکھی ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو دین کی آغوش میں اپنی دنیا کی چندروزہ حیاتِ مستعار گزار کر ہمیشہ کی کامیابیاں پالیتا ہے، صدیوں سے اسلام کا یہ ابدی پیغام پہنچانے کے لئے ہر دور کے پاسبان دین وملت تحریر وتقریر دونوں انداز سے امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے چلے آرہے ہیں۔

دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ جس جدیدیت کے فتنہ کا شکار ہے، ان کا یہ اعتراض زبانِ زدعام ہے کہ اکیسویں صدی کے جدید مسائل پر برسوں پرانے اسلام کی تعلیمات کی تطبیق ناممکن ہے امت کے ایسے ہی سوالات نیز دورِ حاضر کے دوسرے اہم مسائل کا جواب دینے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے داعیِ قرآن، مفسرِ قرآن، واعظ شیریں بیان حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید نَوَّرَ اللهُ مَرْقَدَهٗ، جیسی عظیم علمی شخصیت کا انتخاب فرمایا اور ''القرآن کورسز نیٹ ورک'' بہادرآباد، کراچی پاکستان کے اسٹیج سے بھائی محمد الطاف موتی صاحب اوران کی ٹیم کی معاونت سے دورِ حاضر کے نت نئے

جدید موضوعات پر سیر حاصل بیانات کا سلسلہ شروع فرمایا۔ جو 2006ء تا 2013ء تک ہر ماہ کے دوسرے اتوار نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوتے رہے۔ انہی بیانات کو محترم جناب بھائی محمد الطاف موتی صاحب معیاری سی ڈیز پر ریکارڈ کر کے افادۂ عام کے لئے پیش فرماتے رہے۔ داعی قرآن حضرت شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا آخری یادگار بیان ''مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا'' مورخہ 13 مئی، 2013ء کو فرمایا اس کے بعد وہ جامِ شہادت نوش فرما کر داعیٔ اَجل کو لبیک کہتے ہوئے اُمت کو سوگوار چھوڑ گئے۔

حضرت شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص اور باوفا دوست برادرِ مکرم جناب محمد شفیق اجمل صاحب حفظہ اللہ جہاں اہل حق کی ترجمان ایک معیاری ویب سائٹ درس قرآن ڈاٹ کام www.darsequran.com پر حضرت کے دروسِ قرآن کریم نشر کرتے رہے، وہیں ان نت نئے موضوعات پر مشتمل بیانات کو بھی نشر کرتے چلے آرہے ہیں اور امت کے نفع کا سامان مہیا کرتے چلے آرہے ہیں۔

تاہم بندہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اس علمی ذخیرہ کو تقریر سے تحریر کی شکل میں لانے کا کام حضرت شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش کو سامنے رکھ کر کرنے کے لئے کمربستہ ہوگیا۔ بندہ نے جب کام شروع کیا تو اس وقت بنیادی طور پر پیش نظر ''القرآن کورسز سینٹر'' میں ہونے والے بیانات کا مجموعہ تھا، جس میں سے کچھ بیانات ''ندائے منبر ومحراب'' جلد ۷ میں شائع ہوگئے۔ افادۂ عام کے لئے انہیں بھی شامل کرلیا گیا۔

بعد میں حضرت شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اہم موضوعات پر مشتمل چند دیگر

بیانات دستیاب ہوئے، اکابر اساتذہ اور اپنے رفقاء کی مشاورت سے انہیں بھی خطباتِ شیخوپوری کا حصہ بنا دیا گیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ۸۰ بیانات کا مسودہ تیار ہونے کے بعد کمپوزنگ کے مراحل سے بحمد اللہ گزر چکا ہے حضراتِ اکابر اور اساتذۂ کرام زید مجدہم کے مشورہ سے تقریباً ۷ جلدوں پر مشتمل خطباتِ شیخوپوری کے نام سے ایک عظیم علمی شاہکار وجود میں آ رہا ہے۔

بلا شبہ تمام تر لوازمات کی کماحقہٗ رعایت کرتے ہوئے تقریر سے تحریر کا اسلوب اختیار کرنا مجھ جیسے عاجز انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ تاہم بندہ عاجز نے چند امور کا لحاظ رکھا ہے۔

① ۔حتی الوسع حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا حقیقی مواد تحریر میں لایا گیا ہے۔

② ۔مکررات کو حذف کر کے تحریر کو آسان اسلوب میں رکھا گیا ہے۔

③ ۔ہر موضوع پر اٹھنے والے سوالات کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔

④ ۔انہی اجمالی سوالات کو حل کرتے ہوئے اس میں عام فہم ضروری عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

یہ خطباتِ شیخوپوری تقاریر کا مجموعہ ہے جنہیں قلم بند کر کے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں میرے جن معاونین کا خلوص اور محنت میرے ساتھ رہی ان کا میں تہہ دل سے بے حد ممنون و شکر گزار ہوں جن میں برادرِ مکرم جناب محمد الطاف موتی صاحب، جناب مولانا خالد محمود صاحب اور جناب بھائی محمد فیاض صاحب (مالک مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی) وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔

قابلِ ذکر بھائی محمد فیاض صاحب علم اور علماء کے وہ قدردان شخص ہیں جو میرے حوصلے ''آسان درسِ قرآن'' سے لے کر ''خطبات شیخوپوری'' تک مسلسل بڑھاتے رہے اور میرے اس کام پر بھرپور توجہ اور لگن کا اظہار فرماتے رہے۔ یقیناً ان خطبات کو منظرِ عام پر لانے کا پہلا سہرا بھی پھر انہی کے سر سجتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام مساعیٔ جمیلہ میں ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

اور میں بے حد ممنون ہوں اپنے شفیق و مہربان استاذ محترم جناب حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب زید مجدہم (نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی) کا جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود نظرِ ثانی فرما کر بعض جگہ تصحیح فرمائی اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تمام متوسلین حضرات اساتذۂ کرام، والدین اور میرے تمام معاونین کے لئے اس کتاب کو ذریعۂ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

تقبل اللہ منّا و ممّن سعٰی فیہ۔ آمین

دعا گو و دعا جو

بندہ مولانا اشفاق احمد عفا اللہ عنہ

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
امام وخطیب جامع مسجد بلال
ناظم آباد نمبر ۲ کراچی
0321-2343648

اجمالی فہرست

برائے

خطباتِ شیخوپوری

نمبر شمار	موضوعات	صفحات
۱	آزادیٔ اظہارِ رائے اور ناموسِ رسالت	۳۷
۲	دورِ حاضر اور آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں اور وصیتیں	۷۵
۳	سرورِ عالم ﷺ کی اقتصادی تعلیمات	۱۱۳
۴	سرورِ کائنات ﷺ بحیثیت مبلغ اعظم	۱۴۵
۵	کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟	۱۸۷
۶	اسلام میں حقوق و فرائض قرآن کی روشنی میں	۲۶۳
۷	اسلام میں حقوق و فرائض سیرت کی روشنی میں	۲۹۵
۸	قانون توہین رسالت کا حقیقت پسندانہ جائزہ	۳۳۳

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

آزادی اظہار رائے اور ناموس رسالت ﷺ

- ......مغربی دنیا کے نظریۂ آزادی اظہار رائے پر ایک نظر
- ......اظہار رائے اور برداشت کے حوالہ سے اسلام ہمیں کس ضابطہ اخلاق کا پابند کرتا ہے؟
- ......کیا مغرب کا نظریۂ آزادیٔ اظہار رائے تضادات کا مجموعہ ہے؟
- ......توہین رسالت ﷺ اور اظہار رائے کے حوالہ سے حالیہ دنوں میں ہمارے میڈیا، سیاسی زعماء اور سول سوسائٹی کے کردار پر ایک نظر۔
- ......مغرب مادر پدر آزاد اظہار رائے کے کلچر سے مسلم ممالک میں کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟
- ......کیا پاکستان میں اقلیتوں کی آواز دبائی جاتی ہے؟
- ......کرنے کا اصل کام کیا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

دورِ حاضر اور آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں اور وصیتیں

حضور اکرم ﷺ کی وہ پر درد نصیحتیں اور وصیتیں جن پر عمل کرنے سے......

- ......اللہ کا قرب نصیب ہوگا
- ......پریشانیاں دور ہوں گی
- ......دین اور دنیا کے مسائل حل ہوں گے
- ......سکون قلب کی لازوال دولت میسر آئے گی
- ......دورِ حاضر کے فتنوں سے بچنا آسان ہوگا

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

سرور دو عالم ﷺ کی اقتصادی تعلیمات

۞...... معاشی جدوجہد کی اہمیت

۞...... ارتکاز دولت کی ممانعت

۞...... سودی اور غیر سودی قرضوں کا حکم

۞...... پرتعیش اور سادہ زندگی میں حدِ امتیاز

۞...... آپ ﷺ کی یاد منانے کا بہترین طریقہ

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

سرورکائنات ﷺ بحیثیت مبلغ اعظم

- ......بحیثیت مبلغ نبی ﷺ کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟
- ......داعی یا مبلغ کیلئے کن صفات کا ہونا ضروری ہے؟
- ......دین کی دعوت دینا فرض ہے، واجب ہے یا مستحب؟
- ......مکی اور مدنی دور کی دعوت میں کیا فرق تھا؟
- ......کیا بے عمل شخص وعظ ونصیحت کرسکتا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

- ...... دورِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور بعد میں فتوحات کے دوران غیر مسلم اقوام کو زبردستی دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا؟ ثبوت اس دور کی ارتدادی تحریکیں ہیں؟
- ...... قرآنی آیت "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں) اسلام کو تلوار سے پھیلانے اور زبردستی دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی مخالفت کرتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ

سوال یہ ہے کہ

- ...... اسلام نے تلوار کہاں اُٹھانے کی اجازت دی ہے؟
- ...... بعض دانشوروں کا یہ کہنا کہ "اسلام صرف اخلاق اور صوفی ازم" سے پھیلا کہاں تک صحیح ہے؟
- ...... کیا دور حاضر میں تشدد کا ذمہ دار اسلام اور قرآن ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

اسلام میں حقوق و فرائض قرآن کی روشنی میں

- ...... اسلام ہمیں حقوق و فرائض کے سلسلے میں کیا ہدایت دیتا ہے؟
- ...... حقوق کا علم تو ہر کسی کو ہے کیا ہمیں اپنے فرائض کا علم بھی ہے؟
- ...... حاکم اور محکوم، مالک اور ملازم، شوہر اور بیوی، والدین اور اولاد کے درمیان محبت کا رشتہ کیسے قائم ہوسکتا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

حقوق و فرائض
سیرت کی روشنی میں

۞ ...... اسلام ہمیں حقوق و فرائض کے سلسلے میں کیا ہدایت دیتا ہے؟

۞ ...... حقوق کا علم تو ہر کسی کو ہے کیا ہمیں اپنے فرائض کا علم بھی ہے؟

۞ ...... حاکم اور محکوم، مالک اور ملازم، شوہر اور بیوی، والدین اور اولاد کے درمیان محبت کا رشتہ کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

قانون توہین رسالت کا حقیقت پسندانہ جائزہ

- ......قانون توہین رسالت کی تعریف اور برصغیر پاک وہند میں اس کی تنفیذ۔
- ......تحفظِ ناموس رسالت ﷺ کی اہمیت وضرورت
- ......کیا کسی کوتوہین رسالت کی معافی کا حق حاصل ہے؟
- ......سیکولر این جی اوز کی رائے کہ قانون توہین رسالت کا استعمال چونکہ غلط طور پر کیا جاتا ہے اس لئے اسے منسوخ کیا جائے کہاں تک درست ہے؟
- ......توہینِ رسالت کے واقعات ہمارے معاشرے میں بار بار کیوں پیش آتے ہیں اس مذموم حرکت کے سدِ باب کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟
- ......نبی ﷺ نے توہین کے مرتکب کو کیوں معاف کیا؟

تفصیلی فہرست

خطبات شیخوپوری جلد دوم

عنوان	صفحہ نمبر
آزادی اظہار رائے اور ناموس رسالت ﷺ	۳۷
آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت بھی کیا کرتے تھے......	۴۱
مشورہ کی اہمیت و افادیت........................	۴۱
غزوہ بدر میں مشاورت........................	۴۲
ہمارے لیے اہم سبق........................	۴۴
بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشاورت........................	۴۴
غزوہ احد میں مشاورت........................	۴۵
غزوۂ خندق میں مشاورت........................	۴۶
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمانا............	۴۷
تعلیمات نبویہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص نہیں......	۴۸
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بدوی کی حق گوئی........	۴۹
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز واقعہ........................	۵۰
آزادیٔ اظہارِ رائے........................	۵۱
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت........................	۵۳

عنوان	صفحہ نمبر

- حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ ۵۳
- آزادی اظہار رائے تین شرطوں کے ساتھ اسلام میں جائز ہے ۵۵
- پہلی شرط ۵۵
- مثال سے وضاحت ۵۷
- دوسری شرط ۵۸
- آزادئ اظہارِ رائے کا صحیح مطلب ۵۹
- تیسری شرط: ۶۰
- غیر معتبر رائے ۶۱
- اہلِ مغرب کا نظریہ ۶۱
- موجودہ دانشوروں کا غلط قیاس اور اس کا رد ۶۴
- آج کے ترقی پسند اور دانشوروں کا حال ۶۴
- آزادی اظہار رائے کے بارے میں مغربی اور اسلامی نظریہ ۶۶
- بے مہار آزادئ اظہار رائے کا سدِ باب ۶۶
- آزادی رائے اور برداشت ۶۷
- برداشت کا مقام ۶۷
- مغربی نظریہ تضاد کا مجموعہ ۶۸
- شعائر دینیہ میں آزادی اظہار رائے نہیں ۶۹
- مغرب کا آزادی اظہار رائے سے مقصد کیا ہے؟ ۶۹

صفحہ نمبر	عنوان

۞ اس نظریہ کے حوالے سے میڈیا کا رویہ ۷۱
۞ کیا پاکستان میں اقلیتوں کی آواز دبائی جاتی ہے؟ ۷۲
۞ آخری سوال کرنے کا اصل کام کیا ہے؟ ۷۴

دورحاضراورآنحضرت ﷺ کی نصیحتیں اوروصیتیں ۷۵

۞ حضور ﷺ کی صفات ۷۷
۞ حضور ﷺ کا امت کے لیے آسانی کے طلبگار تھے ۷۹
۞ ابوجہل سے انتقام لینے پر حضور ﷺ کا خوش نہ ہونا ۸۰
۞ حضور ﷺ مؤمنین کی تکلیف کا بھرپور احساس رکھتے تھے ۸۲
۞ دوسروں کا قرض اپنے ذمہ لینا ۸۲
۞ امت کا غم ۸۳
۞ حجۃ الوداع ۸۴
۞ صحیح مسلم کی حدیث ۸۴
۞ حضور ﷺ کے مواعظ پرمغز ہوا کرتے تھے ۸۵
۞ حجۃ الوداع کے موقعہ پر امّت کو نصیحت ۸۵
۞ مرض الوفات میں اُمت کو نصیحت ۸۶
۞ حضور ﷺ نے نماز کی وصیت اُمت کو انتہائی تاکید سے فرمائی ۸۶
۞ نمازِ فجر کی اہمیت ۸۷
۞ کامل مسلمان کون؟ ۸۹

عنوان	صفحہ نمبر

- خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کی گئی وصیتیں ۸۹
- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو کی گئی نصیحتیں ۹۰
- مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا قصہ ۹۳
- دلوں کا زنگ آلود ہونا اور اس کا علاج ۹۳
- دلوں کا سخت ہونا بھی عذاب ہے ۹۴
- تبسم اور قہقہہ میں فرق ۹۵
- دورِ حاضر کا کلچر ۹۷
- حق گوئی کی وصیت ۹۷
- دین کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا ۹۸
- دین اسلام ہر زمانے کے لیے ہے ۹۸
- ہمیشہ اپنی برائیوں پر نظر رکھو ۹۹
- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کی گئی وصیتیں ۱۰۰
- پہلی وصیت ۱۰۱
- دوسری وصیت: ۱۰۲
- تیسری وصیت: ۱۰۲
- چوتھی وصیت: ۱۰۳
- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مزید کی گئی نصیحتیں ۱۰۴
- پہلی وصیت: ۱۰۴

صفحہ نمبر	عنوان

تیسری وصیت: ۱۰۶

چوتھی وصیت: ۱۰۶

پانچویں وصیت: ۱۰۶

چھٹی وصیت: ۱۰۶

ساتویں وصیت: ۱۰۷

لاحول ولاقوۃ کا کیا معنی ہے؟ ۱۰۷

دورِ حاضر کے بارے میں حضور ﷺ کی وصیتیں ۱۰۷

پہلی وصیت ۱۰۸

دوسری وصیت: ۱۱۰

تیسری وصیت ۱۱۱

سرورِ دو عالم ﷺ کی اقتصادی تعلیمات ۱۱۳

حضور ﷺ سارے انسانوں کے لیے رحمت ۱۱۵

اسلام کے اندر رہبانیت نہیں ہے ۱۱۷

حلال آمدنی اللہ کا فضل ہے ۱۱۸

کمال صنعت پر نبی ﷺ نے دعا فرمائی ہے ۱۲۰

اپنے ہاتھوں سے کمانے کی فضیلت ۱۲۱

ایک عمومی غلط فہمی ۱۲۲

انبیاء بھی کسب حلال کے لیے دنیاوی پیشہ اختیار کرتے تھے ۱۲۳

صفحہ نمبر	عنوان

۞ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیشہ ۱۲۳
۞ حضرت نوح علیہ السلام کا پیشہ ۱۲۳
۞ مختلف انبیا کا پیشہ ۱۲۴
۞ اولیاء بھی حرفت دنیاویہ اختیار کرتے تھے ۱۲۵
۞ اسلام میں مزدوری کی بھی فضیلت ہے ۱۲۵
۞ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حرفت دنیاویہ اختیار کی ۱۲۷
۞ ارتکاز دولت کی ممانعت ۱۲۸
۞ ارتکاز دولت کی لعنت کے اثرات ۱۳۰
۞ سود کی لعنت اور اس کے اثرات ۱۳۰
۞ غیر سودی قرضے بھی بلاوجہ ناپسندیدہ ہیں ۱۳۲
۞ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے ۱۳۴
۞ حقوق العباد کی اہمیت ۱۳۵
۞ دورِ جدید میں قرضے کی پرکشش پیش کش کا بڑھتا رجحان ۱۳۶
۞ سودی اور غیر سودی قرضوں کا حکم ۱۳۷
۞ پُرتعیش اور سادہ زندگی میں حدِ امتیاز ۱۳۹
۞ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد منانے کا بہترین طریقہ ۱۴۲
۞ آخری گزارش ۱۴۳
سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مبلغ اعظم ۱۴۵

صفحہ نمبر	عنوان

۞ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے فساد ہی فساد تھا ۱۴۷
۞ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے عالم انسانی نے خودکشی کا ارادہ کرلیا تھا ۱۴۸
۞ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے زنا کی کثرت ۱۵۰
۞ جاہلیت قدیمہ اور جاہلیت جدیدہ ۱۵۲
۞ حضور ﷺ سارے عالم کے لیے ہدایت ورحمت ۱۵۳
۞ حضور ﷺ کی کامیابی میں ازواجِ مطہرات کا کردار ۱۵۴
۞ حضور ﷺ کی ذات باکمال تھی ۱۵۵
۞ نام محمد میں ایک عجیب نکتہ ۱۵۳
۞ حضور ﷺ کی قریبی رشتہ داروں کو دعوت اور ان کا ردّعمل اسلام ۱۵۸
۞ مجمع عام میں دعوتِ اسلام ۱۵۹
۞ تبلیغی وفود کے ذریعے دعوت ۱۶۰
۞ تبلیغی خطوط ۱۶۱
۞ حضور کی دعوت کی خصوصیات ۱۶۳
۞ آپ کی دعوت میں سادگی تھی ۱۶۵
۞ آپ کی دعوت حکمت وموعظہ حسنہ سے لبریز تھی ۱۶۹
۞ ایک اعرابی کی خدمت اقدس میں آمد ۱۷۰
۞ حضور ﷺ کو غلبہ اسلام کا یقین تھا ۱۷۲
۞ آپ کی دعوت میں آپ کا دلی درد شامل تھا ۱۷۴

عنوان	صفحہ نمبر

۞ حضور ﷺ اپنی دعوت پر خود بھی عامل تھے.............. ۱۷۸
۞ دین کی دعوت کیا فرض ہے یا واجب یا مستحب.............. ۱۸۰
۞ دعوت ہر مسلمان دے.............. ۱۸۲
کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟ ۱۸۷
۞ مولانا دریا آبادی.............. ۱۹۰
۞ روشن خیالی.............. ۱۹۱
۞ متعصب دیوانے.............. ۱۹۳
۞ غلط فہمی.............. ۱۹۴
۞ ایک بڑا سبب.............. ۱۹۵
۞ قبول اسلام کے لئے تلوار اُٹھانے کی اجازت ہی نہیں.............. ۱۹۶
۞ تلوار میں یہ طاقت کہاں؟.............. ۱۹۷
۞ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام.............. ۱۹۹
۞ فتحِ مکہ کے موقع پر رحم وکرم کی انتہاء.............. ۱۹۹
۞ فاتحِ زمانہ کون؟.............. ۲۰۱
۞ فتنۂ ارتداد.............. ۲۰۱
۞ عجوبۂ روزگار.............. ۲۰۴
۞ معجزے.............. ۲۰۵
۞ جہاد کا مقصد.............. ۲۰۷

عنوان	صفحہ نمبر

۞ ٹی ڈبلیو کی گواہی ۲۱۰
۞ رواداری ۲۱۱
۞ اعلیٰ اخلاق ۲۱۳
۞ عہد کی پاسداری ۲۱۵
۞ اسلام خود ایک طاقت ۲۱۸
۞ فتنہ تاتار ۲۱۸
۞ حیرت انگیز واقعہ ۲۲۰
۞ خوش نصیب لوگ ۲۲۴
۞ ذاتی محاسن ۲۲۸
۞ اللہ تعالیٰ کا ایک واضح تعارف ۲۲۹
۞ اسلام کا نظامِ عبادات ۲۳۱
۞ نماز ۲۳۴
۞ زکوٰۃ، روزہ، حج ۲۳۶
۞ روزے کے جسمانی فوائد ۲۳۷
۞ حج کی خصوصیات ۲۳۸
۞ قبولِ اسلام کی مختلف وجوہات ۲۳۹
۞ مبلّغین اسلام کی کاوشیں ۲۴۰
۞ معاملات کی صفائی اوراعلیٰ اخلاق ۲۴۳

عنوان	صفحہ نمبر

۞ موجودہ زمانے میں اخلاقی بدحالی.................. ۲۴۴
۞ طاقتور روحانی شخصیات.................. ۲۴۴
۞ گمنام لوگ.................. ۲۴۸
۞ غیبی تائید.................. ۲۵۲
۞ اگر تلوار استعمال ہوتی؟.................. ۲۵۴
۞ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے.................. ۲۵۶
اسلام میں حقوق وفرائض قرآن کی روشنی میں ۲۶۳
۞ ساری کائنات کا خالق اللہ ہے.................. ۲۶۶
۞ انسان کو اللہ نے کتنا اختیار دیا؟.................. ۲۶۷
۞ امانت کیا ہے؟.................. ۲۶۷
۞ اللہ کے حقوق.................. ۲۶۸
۞ پہلا حق.................. ۲۶۸
۞ شرکِ جلی کیا ہے؟.................. ۲۶۹
۞ شرکِ خفی کیا ہے؟.................. ۲۶۹
۞ دوسرا حق.................. ۲۶۹
۞ تیسرا حق.................. ۲۷۱
۞ حضور علیہ السلام کے حقوق.................. ۲۷۱
۞ گھوڑے کی مثالی وفاداری.................. ۲۷۲

عنوان	صفحہ نمبر
انسان کا ناشکرا پن	۲۷۳
حضور علیہ السلام کی محبت ایمانِ کامل کی شرط	۲۷۳
نفس کے حقوق	۲۷۷
اللہ کو خوش کرنے کا آسان طریقہ	۲۷۸
عبادت میں اعتدال	۲۸۰
جسم کے حقوق	۲۸۲
حقوق العباد کی اہمیت	۲۸۳
حقیقی مفلس وغریب	۲۸۴
حقوق العباد میں سب سے پہلا حق	۲۸۶
والدین کے حقوق بیان کرنے کا عجیب انداز	۲۸۸
والدین کے حقوق احادیث کی روشنی میں	۲۸۹
حقوق وفرائض میں اسلام کا اعتدال	۲۹۱
اولاد کے حقوق	۲۹۱
اولاد کا سب سے بڑا حق	۲۹۳
اسلام میں حقوق وفرائض سیرت کی روشنی میں	۲۹۵
مسلمان کے ذمہ کتنی قسم کے حقوق ہیں	۲۹۸
میاں بیوی کے حقوق	۲۹۸
رشتہ داروں کے حقوق	۳۰۰

صفحہ نمبر	عنوان
۳۰۱	پڑوسی کے حقوق
۳۰۲	غیر مسلم پڑوسی کے حقوق
۳۰۳	قریبی پڑوسی کے حقوق
۳۰۵	کمزوروں کے حقوق
۳۰۶	اسلامی برادری کے حقوق
۳۰۶	سلام کا جواب دینا
۳۰۷	جسے نہ جانتے ہو اس کو بھی سلام کرو
۳۰۸	دوسری قوموں کے رواج مت اپناؤ
۳۰۹	نبی ﷺ کی سنتوں کو زندہ رکھیں
۳۰۹	بیمار کی عیادت کرنا
۳۱۰	جنازے میں شرکت کرنا
۳۱۰	دعوت قبول کرنا
۳۱۱	چھینک کا جواب دینا
۳۱۲	ایک اللہ والے کا قصہ
۳۱۲	امت کی فکر
۳۱۴	جانوروں کے حقوق
۳۱۵	جانوروں کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا
۳۱۶	کافروں کے حقوق

صفحہ نمبر	عنوان

- اسلامی مملکت میں کافر کو قتل کرنے کی سزا ۳۱۷
- دشمن کے حقوق ۳۱۸
- جذبات پر قابو ۳۱۹
- اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی سازشیں ۳۲۲
- ایمان پرور جملہ ۳۲۳
- جہادی احکام سے بغض ۳۲۵
- بائبل وغیرہ میں بھی جہاد کے احکام موجود ہیں ۳۲۶
- جنگ ہر زمانے میں رہی ۳۲۷
- جہاد کا مقصد امن ہے ۳۲۷
- فہم قرآن کی ضرورت اور اہمیت ۳۲۹
- ہمارے کرنے کے کام کیا ہیں؟ ۳۳۰

قانون توہین رسالت کا حقیقت پسندانہ ۳۳۳

- مسلمان حضور ﷺ سے محبت کیوں کرتے ہیں؟ ۳۳۶
- آپ ﷺ کی اپنی امت کے لیے دعائیں ۳۳۸
- حضور ﷺ کے علمی اور اخلاقی کمالات ۳۴۰
- ناموس رسالت ﷺ کا مسئلہ ساری انسانیت کا مسئلہ ہے ۳۴۱
- حضور ﷺ سارے عالم کے محسن ہیں ۳۴۳
- ناموس رسالت کے مسئلے کی حمایت ۳۴۴

عنوان	صفحہ نمبر
مسئلہ ناموسِ رسالت قرآن کی روشنی میں	۳۴۶
توہینِ رسالت کی سزا	۳۴۹
توہین رسالت کی سزا قرآن میں صراحتاً نہ آنے کا واویلا	۳۵۱
اشارتاً توہین رسالت کی سزا قرآن میں بیان کی گئی ہے	۳۵۲
قانون توہین رسالت کے استعمال پر اعتراض	۳۵۵
کیا نبی ﷺ نے خود توہین رسالت کے مرتکب کو معاف فرمادیا تھا؟	۳۵۷
حضور ﷺ پر تنقید صرف آپ کی ذات تک محدود نہیں	۳۵۹
توہین رسالت پر معافی کا حق کس کو حاصل ہے؟	۳۶۱
پاک و ہند میں توہین رسالت کی تاریخ	۳۶۱
قانون توہین رسالت میں ترمیم انتہائی خطرناک ہے	۳۶۲
دیگر شرائع میں توہین رسالت کی سزا	۳۶۳
توہین رسالت کا سدباب کیونکر ممکن ہے	۳۶۳
بار بار توہین رسالت کا ارتکاب کیوں کیا جاتا ہے؟	۳۶۵

آزادی اظہار رائے

اور

ناموس رسالت ﷺ

ازافادات

داعی قرآن، مُفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ [illegible] العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

۞ ...... مغربی دنیا کے نظریۂ آزادی اظہار رائے پر ایک نظر

۞ ...... اظہار رائے اور برداشت کے حوالہ سے اسلام ہمیں کس ضابطہ اخلاق کا پابند کرتا ہے؟

۞ ...... کیا مغرب کا نظریۂ آزادیٔ اظہار رائے تضادات کا مجموعہ ہے؟

۞ ...... توہین رسالت ﷺ اور اظہار رائے کے حوالہ سے حالیہ دنوں میں ہمارے میڈیا، سیاسی زعماء اور سول سوسائٹی کے کردار پر ایک نظر۔

۞ ...... مغرب مادر پدر آزاد اظہار رائے کے کلچر سے مسلم ممالک میں کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟

۞ ...... کیا پاکستان میں اقلیتوں کی آواز دبائی جاتی ہے؟

۞ ...... کرنے کا اصل کام کیا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَحۡدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَهٗ

اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۡ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝٨

(سورۃ مائدہ:٨)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَالَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۖ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝٣٨

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡمِ

(سورۃ شوریٰ:٣٨)

قابل احترام مسلمان بھائیو اور بہنو!

آج کے موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے میں نے سورۃ المائدہ کی آیت

نمبر ۸ اور سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۳۸ تلاوت کی ہے۔ پہلی آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے ہٹ جانے پر، عدل سے اعراض کرنے پر آمادہ نہ کرے، تم ہر صورت عدل کرو، یہ عدل کرنا تقویٰ کے بہت قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے''۔

یہ مضمون اس آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے، یہی مفہوم اللہ پاک نے سورۃ النساء کی آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے، الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ۔ فرمایا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

(سورۃ نسآء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اگر چہ وہ گواہی تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہو، تمہارے والدین کے خلاف ہو، تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہو

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا

(سورۃ نسآء: ۱۳۵)

یعنی: ''اگر کوئی مالدار ہے یا کوئی فقیر ہے تو اللہ ان کے مال کا زیادہ خیال رکھنے والا ہے، اللہ ان کے زیادہ قریب ہے'' لہٰذا ہر صورت میں سچی گواہی دینی چاہیے، جو سچی بات ہے کہہ دینی چاہیے۔

آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت بھی کیا کرتے تھے

خطبہ میں میں نے جو دوسری آیت کریمہ پڑھی، یعنی سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۳۸ اللہ پاک نے اس میں ایمان والوں کی مختلف صفات میں سے چند صفات بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳۸

(سورۃشوریٰ:۳۸)

میرے مقرب بندے، میرے مخصوص بندے، میرے محبوب بندے، ایمان والے بندے وہ ہیں جو اپنے ربّ کے حکم پر لبیک کہتے ہیں، اپنے ربّ کی دعوت کو قبول کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور آپس کے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

مشورہ کی اہمیت وافادیت

ایک اور آیت میں اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا کہ: اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کریں:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ

(سورۃآل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: آپ ان سے مختلف معاملات میں مشورہ کیا کریں۔

چنانچہ باوجود اس کے کہ حضور ﷺ معصوم تھے، سب سے زیادہ سمجھ دار

تھے، سب سے زیادہ باخبر تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ پر آسمانی وحی نازل ہوتی تھی گویا کہ اللہ کی ہدایت، اللہ کی رہنمائی قدم قدم پر آپ کے ساتھ ہوتی تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے، دوسرے مقاصد کے علاوہ اس میں ایک مقصد صحابہ کی تربیت بھی تھی چونکہ جب چھوٹوں سے مشورہ لیا جائے تو ان کی تربیت ہوتی ہے ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے، مستقبل کے معاملات وحوادثات اور مسائل سے نمٹنے کے لیے ان کے اندر صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

گھر کا بڑا، جماعت کا بڑا یا سرپرست اپنے چھوٹوں سے کسی بھی معاملہ میں مشورہ نہ لے، اور بڑا اس نہج سے اور نظروں سے ہٹ جائے، تو چھوٹے اپنے آپ کو جنگل میں تنہا محسوس کرتے ہیں، جن کی نہ تربیت ہوئی ہوتی ہے، اور نہ ان کی رہنمائی کرنے والا موجود ہوتا ہے، تو حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اہم معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے۔

میں صرف چند مثالیں ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا آپ دیکھیے کہ

غزوہ بدر میں مشاورت

حضور اکرم ﷺ غزوہ بدر میں اصل تو جب آپ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے وہ قریش کے تجارتی قافلے کے تعاقب میں، لیکن قریش کا تجارتی قافلہ تو نکل گیا اور ان کا مسلح لشکر مکہ سے ابوجہل کی قیادت میں تیار ہو کر بدر کے قریب پہنچ گیا، تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟ ہم مدینے واپس چلے جائیں یا پھر اس مسلح لشکر کا مقابلہ کریں؟ ایسا نہیں کیا

کہ آپ ﷺ نے ان کو آیات پڑھ کر اور ایمان کے جذبات کا حوالہ دے کر جوش دلایا کہ تمھیں ہر صورت میں کفار کے لشکر کا مقابلہ کرنا چاہیے، ہم جیتیں یا شکست کھا جائیں، زندہ رہیں یا شہادت پا جائیں، ایسا نہیں ہوا، حضور ﷺ نے کوئی جوشیلی تقریر نہیں کی، کوئی جذباتی بیان نہیں کیا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔

میرے دوستو بتاؤ......! آج اور اس وقت تمہیں کیا کرنا چاہیے؟ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ مدینہ واپس چلے جائیں یا لشکر کفار سے بھڑ جائیں؟ پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رائے دی اور ان کے قبیلے کے مختلف سردار کھڑے ہوئے، اور انہوں نے حضور ﷺ کو مقابلہ کا مشورہ دیا، تب حضور اکرم ﷺ بدر کی طرف آگے بڑھے۔ یہ پہلا مشورہ تھا جو غزوہ بدر کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا۔

دوسرا مشورہ اس وقت کیا جب آپ ﷺ نے ایک مقام کو مسلمانوں کے لشکر کے پڑاؤ کے لیے منتخب کر لیا، تو حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یا رسول اللہ! میرے خیال میں اس کے مقابلے میں وہ دوسرا مقام بہتر ہوگا، جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ انہوں نے پوچھا اے اللہ کے نبی! یہاں پڑاؤ کا فیصلہ آپ نے وحی کی روشنی میں کیا ہے یا آپ کی اپنی ذاتی رائے ہے؟ اگر اللہ کا حکم ہے تو پھر اس میں گفتگو نہیں ہو سکتی، کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی، اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا، اور اگر آپ کی اپنی رائے ہے تو پھر میں کچھ مشورہ دینا چاہتا ہوں، حضور ﷺ نے صاف فرما دیا کہ یہ اللہ کا فیصلہ نہیں ہے، یہ وحی کے نتیجہ میں قیام نہیں کیا گیا، بلکہ میری ذاتی رائے ہے، میری صوابدید ہے کہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے

یہ جگہ مناسب رہے گی تو صاف عرض کردیا یارسول اللہ ﷺ! میرے خیال میں یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس وادی کا وہ مقام ہمارے لیے زیادہ مناسب ہے۔

ہمارے لیے اہم سبق

اب دیکھیے! کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیسی تربیت کی تھی کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کر سکتے تھے۔ اس سے ان لوگوں کو بھی نصیحت حاصل کرنی چاہیے، ان لیڈروں کو، ان قائدین کو، ان پیروں کو، ان استادوں کو، جو اپنی رائے کو وحی کا درجہ دے دیتے ہیں، حالانکہ ان کو تو الہام ہی نہیں ہوتا، لیکن اپنی رائے سے اختلاف کرنے کو اتنا برا سمجھتے ہیں گویا کہ ان سے اختلاف نہیں کیا گیا بلکہ اللہ اور اس کے رسول سے اختلاف کیا گیا ہے۔ مگر حضور ﷺ نے ان کی رائے پر ذرہ برابر بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، ناراضگی کا اظہار تو کیا حضور ﷺ نے فوراً اپنے لشکر کو حکم دیا کہ یہاں سے کوچ کرو اور حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق اسی وادی کے فلاں مقام پر جا کر قیام کرلیا۔ چنانچہ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ حضرت حباب رضی اللہ عنہ کی جو رائے تھی وہ بہتر تھی، مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے سے فائدہ ہوا۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشاورت

دوسرے موقع جب آپ ﷺ نے مشورہ کیا وہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں تھا، قریش کے تقریباً ۷۰ افراد اور افراد بھی بڑے بڑے سردار مدینہ لائے گئے، تو اللہ کے نبی نے تن تنہا فیصلہ کرنے کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

رائے طلب کی، حالانکہ ان قیدیوں میں حضور ﷺ کے سگے حقیقی چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان قیدیوں کے سلسلے میں خود فیصلہ نہیں فرمایا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، ان سے رائے طلب کی، اور آپ جانتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان جیسے چند دوسرے حضرات کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کیا جائے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے اصحاب کی رائے یہ تھی کہ ان کا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے، تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے پر عمل کرتے ہوئے ان قیدیوں کا فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا یہ تو غزوہ بدر کے موقع پر ہوا۔

غزوہ احد میں مشاورت

غزوۂ احد کے موقع پر بھی ایسا ہوا جب قریش کا لشکر مدینہ کی طرف بڑھا تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ کیا مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے یا مدینے سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے؟ خود نبی اکرم ﷺ اور چند بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ مدینے میں رہ کر دفاع کرنا چاہیے، لیکن چند جوشیلے اور نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ہم مدینہ سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کریں، آگے بڑھ کر ان کا راستہ روکیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی رائے پر عمل کیا اور اپنی رائے کو چھوڑ دیا۔ بعد میں ان نوجوان صحابہ کو احساس بھی ہوا کہ ہم نے حضور ﷺ کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کیا ہم نے اچھا نہیں کیا۔ ہمیں حضور ﷺ کی رائے کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے تھا

انہیں اس کا احساس ہوا اور انہوں نے دربار میں حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: جیسے آپ چاہیں ویسے فرمائیں چاہیں مدینہ میں رہ کر دفاع کریں یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نبی کی شان کے خلاف ہے کہ جب وہ ہتھیار بند ہو کر دشمن کے مقابلے میں نکل چکا ہو تو اب وہ کسی کے ڈر سے ہتھیار اتار دے، قلعہ بند ہو جائے یا واپس آجائے یہ نبی کی شان کے خلاف ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان نوجوانوں کی رائے پر عمل کیا، اور آپ جانتے ہیں جو کچھ بھی ہوا (میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا) مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی لیکن کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ حضور ﷺ نے اس شکست کا الزام نوجوان صحابہ کو دیا ہو، ان کو طعنہ دیا ہو کہ تم نے یہ رائے دی تھی اس کے نتیجہ میں شکست ہوئی۔ اگر تم میری رائے پر عمل کرتے تو پھر کوئی شکست نہ ہوتی کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ حضور ﷺ نے نیک نیتی سے رائے دینے والوں کو مورد الزام اور مورد طعن ٹھہرایا ہو، اور ان کو دوسروں کے سامنے شرمندہ کیا ہو۔

غزوۂ خندق میں مشاورت

ایک تیسری مثال غزوہ خندق کی لے لیں، غزوہ خندق کے موقع پر بھی حضور ﷺ نے صحابہ کی رائے طلب کی کہ کیا کرنا چاہیے؟ لشکر بہت بڑا ہے، مشرکین کا لشکر اتنا بڑا تھا کہا جاتا ہے کہ عربوں کی تاریخ میں اتنا بڑا لشکر کبھی جمع نہیں ہوا تھا، اس لئے کہ عام طور پر لشکر ایک قبیلے کی بنیاد پر یا ایک قصبے کی بنیاد پر یا زیادہ سے زیادہ ایک شہر کی بنیاد پر جمع ہوتے تھے اور وہ بھی شاذ و نادر، لیکن غزوہ خندق کے

موقع پر جو لشکر تشکیل پایا تھا اس میں مختلف قبائل، مختلف قصبات اور مختلف شہروں کے لوگ شامل تھے گویا کہ سارے عرب کے کفار نے جمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو شکست دینے کا آخری فیصلہ کر لیا تھا تو حضور ﷺ نے مشورہ طلب کیا، رائے طلب کی کہ کیا کیا جائے؟ تو سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ اے اللہ کے نبی! ہمارے ہاں فارس میں ایسا ہوتا ہے کہ جب دشمن اتنا بڑا ہو کہ اس کے مقابلے کی سکت نہ ہو تو پھر شہر کے ارد گرد خندق کھود لی جاتی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمانا

چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور مدینہ منورہ کے ارد گرد خندق کھدوائی جس کے اثرات اور جس کی چند نشانیاں آج بھی باقی ہیں۔ اگرچہ سعودی حکومت کی غفلت، بے اعتنائی، بے توجہی اور تبرکات نبویہ کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے وہ نشانیاں مٹتی جا رہی ہیں لیکن خندق کے کچھ اثرات آج بھی باقی ہیں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی تھی پھر بھی آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے طلب کیا کرتے تھے، ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور اس میں ان کی تربیت پیش نظر تھی یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پوری آزادی کے ساتھ ہر ہر موقع پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا کرتے تھے، اگرچہ کسی بادشاہ کا دربار ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ان کو تربیت دینے والے آقا ﷺ کی تعلیم تو یہ تھی:

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

"بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق کہنا ہے" چنانچہ وہ بادشاہوں کے دربار میں بھی مرعوبیت کا شکار نہیں ہوتے تھے اور اپنی رائے کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔

تعلیمات نبویہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص نہیں

ایک موقع پر حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی فرمایا: سَتَكُونُ بَعدِي أمَرَاءُ میرے صحابہ میرے بعد امراء آئیں گے، اور یاد رکھیے! کہ جیسے قرآن کے احکام صرف صحابہ کے لیے نہیں اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات بھی صرف صحابہ کے لیے نہیں ہیں۔ جو لوگ ان کو صرف صحابہ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں وہ تعلیمات نبویہ کے ساتھ کھلی زیادتی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اب حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ کچھ امراء ہونگے تو اگر کوئی اس کا مطلب یہ بیان کرے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہونگے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہونگے، عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ ہوں گے، علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہوں گے، جو معاذ اللہ ڈکٹیٹر اور جابر بن کر آئے گا تمہیں ان کے سامنے حق کہنا ہے تو ایسے لوگ، اس طرح کے مفہوم متعین کرنے والے لوگ قرآنی نصوص اور احادیث نبویہ کے ساتھ صریح زیادتی کا شکار ہیں، جیسا کہ قرآن کی تعلیمات سارے جہانوں کے لیے تھیں میرے آقا کی ہدایات و احکامات بھی سارے جہانوں کے لیے تھے، سارے مکانوں کے لیے تھے، سارے زمانوں کے لیے اور سارے انسانوں کے لیے تھے۔ تو قیامت تک آنے والے امراء کے بارے میں آپ ﷺ آپ سب کو بتا رہے ہیں کہ میرے بعد جو امراء ہوں گے تمہارے وڈیرے، تمہارے قائدین، تمہارے امراء، تمہارے رہنما وزیر اعظم وہ

ہونگے: تَعرِفونَ تُنکِرُونَ ان کے اندر کچھ اچھی باتیں بھی ملیں گی کچھ بری باتیں بھی ملیں گی فَمَن عَرَفَ بَرِئَ وَمَن اَنکَرَ اَسلَمَ جس نے پہچان لیا وہ بری ہوگیا اور جس نے ان بُری باتوں کے سامنے سر جھکانے سے انکار کردیا وہ محفوظ رہا، وَ لٰکِن مَن رَضِیَ وَتَابَعَ لیکن جوان بادشاہوں کی بُری باتوں سے راضی ہوگیا اُن کا ثالث بن گیا، ان کا ہم نوا بن گیا، ان کا خوش آمدی بن گیا، ان کا ساتھی بن گیا، تو وہ تباہ ہوگیا۔ صحابہ نے پوچھا: اَفَلَا نُقَاتِلُھم اے اللہ کے نبی! جب ایسے بادشاہ آئیں تو ہم ان کے خلاف تلوار نہ اُٹھائیں ہم ان سے قتال نہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا لا مَا صَلَّوا انہیں جب تک وہ ایمان پر ہوں نماز پڑھتے رہیں اس وقت تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھانا، اس لئے کہ اس بغاوت کے نتیجے میں معاشرے میں انتشار پھیلے گا، لاقانونیت پھیلے گی تو ایسا نہ ہو کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی بنا پر تم تلوار اٹھالو، اس کی اجازت نہیں دی۔ یہ جو حدیث تھی یہ جو نصیحت تھی اپنی امت کو اس میں بھی اللہ کے نبی نے اظہار رائے کی ترغیب دی، اگر چہ بادشاہوں کے مقابلے میں ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بدو کی حق گوئی

جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلیفہ بنے، اور آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور خطبہ کے آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا: اگر تم میرے اندر کوئی برائی دیکھو، خلاف شرع امر دیکھو تو میری رہنمائی کرنا تو ایک عام بدو کھڑا ہوا اور کہا:

وَاللہِ لَو وَجَدنَاکَ فِیکَ عِوَجاً لَاَقَامتکَ سیوفنا

اللہ کی قسم! اے عمر! اگر ہم نے تمہارے اندر کوئی ٹیڑھا پن دیکھا، ہم نے تمہیں شریعت کے خلاف ورزی کرتے ہوئے پایا تو پھر ہماری تلواریں تمہیں سیدھا کریں گی، تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خدا کا شکر ادا کیا، اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ ہمارے اندر تیرے ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر خطاب کا بیٹا تیرے راستے سے ہٹے تو اسے درست کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز واقعہ

"ازالۃ الخفا" میں شاہ ولی اللہ نے نقل کیا ہے کہ یمن سے کچھ چادریں آئیں وہ چادریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردیں، اور چادریں اتنی تھیں کہ ہر مسلمان کے حصے میں ایک ایک چادر آئی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے جسم پر دو چادریں تھیں اور پورا جوڑا تھا، کتابوں میں لکھا ہے کہ عربوں میں جوڑا بہت قیمتی لباس شمار ہوتا تھا، اور پورا جوڑا کسی کسی کو نصیب ہوتا تھا۔ اب دیکھا کہ پورا جوڑا ہے، ایک چادر اوپر ہے ایک چادر نیچے ہے، اب خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور حسب عادت فرمایا: اَلَا اَسمَعُو الوگو! سنو اپنے امیر کی بات سنو! تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: وَاللہِ لَا نَسمَعُ اللہ کی قسم! ہم نہیں سنیں گے، بتایا کہ ہم سب کو ایک چادر ملی ہے آپ کو دو چادریں کیسے ملیں؟ یا اللہ! ایسا لگتا ہے کہ ہم عالم غیب کی باتیں کر رہے ہیں کسی دوسرے جہاں کی باتیں کر رہے ہوں، جن امراء کا حال یہ ہو کہ وہ پورے پورے ملک بیچ کھاتے ہوں اور مسلمانوں کے ذاتی خزانے کو، عوامی خزانے کو، مشترکہ خزانے کو ذاتی جاگیر اور دولت سمجھتے ہوں۔ کیا ان مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے حکمران بھی گذرے ہیں

جوایک چادر زائد زیب تن کر لیتے تو عوام میں ہلچل سی مچ جاتی تھی؟ کہ ہمارے امیر کے پاس ایک سے زائد چادر کہاں سے آ گئی؟ تو بھرے مجمعے میں صاف کہہ دیا: وَاللہ لَا نَسمَعُ اللہ کی قسم ہم تمہاری بات نہیں سنیں گی ہم سب کو ایک چادر ملی آپ کے حصے میں دو چادریں کہاں سے آ گئیں؟ وہ عمر جن کا جلال، جن کا غصہ، جن کی دہشت، جن کا رعب بڑا مشہور ہے، انہوں نے یہ اعتراض سنا تو روایت کے الفاظ ہیں: فَتَبَسَّمَ مسکرا پڑے اور فرمایا کہ عَجَلتَ یَا اَبَا عَبدِ اللہ اے عبداللہ کے والد! تم نے میرے اوپر الزام لگانے میں جلدی کی کاش تحقیق کر لیتے! مجبوری یہ پیش آئی تھی کہ میرے پاس ایک ہی جوڑا تھا میں نے جمعہ سے پہلے اس کو دھو کر خشک ہونے کے لیے رکھ دیا جمعہ کا وقت ہو گیا وہ جوڑا اب تک خشک نہ ہوا تھا ایک چادر میں نے وہ باندھی جو مجھے حصے میں ملی تھی اور ایک چادر میں نے اپنے بیٹے عبد اللہ سے مستعار لے لی، یوں میں آپ کے سامنے یہ جوڑا پہن کر حاضر ہوا ہوں عبداللہ کو کھڑا کر دیا اور کہا کہ عبداللہ گواہی دو کیا یہ چادر تمہاری نہیں ہے، جب عبداللہ نے گواہی دی اور تحقیق ہو گئی کہ واقعی یہ چادر عبداللہ کی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زائد چادر نہیں لی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بھی کہہ دیا: اَلآنَ نَسمَعُ اب بات کریں ہم سننے کے لیے تیار ہیں، جب تحقیق ہو گئی اور حق واضح ہو گیا فرمایا اب ہم بات سننے کے لیے تیار ہیں۔

آزادیٔ اظہارِ رائے

آزادی اظہار رائے سے اسلام نے سبق دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تربیت کی کہ وہ اپنی رائے کا اظہار آزادی کے ساتھ کر سکیں، عام مرد کے سامنے نہیں

وقت کے بادشاہ کے سامنے کر سکیں۔

ایسی تربیت ہوئی کہ مرد تو مرد عورتیں بھی اپنی رائے کا اظہار پوری آزادی کے ساتھ کر دیا کرتی تھیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کے اندر خوشحالی آ گئی، مال غنیمت کی وجہ سے فراوانی آ گئی اب نکاح کرتے ہیں تو بڑے بڑے مہر مقرر کرتے ہیں تو سوچا کہ مہر کی کوئی حد متعین کر دوں تا کہ یہ کوئی فخر کی چیز نہ بن جائے، اور مسلمانوں کے درمیان کوئی مسابقت اور کوئی مقابلہ شروع نہ ہو جائے کہ اس نے بڑا مہر مقرر کر دیا ہے، تو خطبہ دیا اور اس میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا کہ لوگو! بڑا مہر مقرر کرنا فخر کی چیز نہیں اگر یہ فخر کی چیز ہوتی تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے لیے بڑے بڑے مہر مقرر کرتے، اپنی بیٹیوں کے لیے بڑے بڑے مہر مقرر کرتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بڑے بڑے مہر مقرر نہیں کیے آج ہم نے ایسا کیوں کر دیا؟ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کوئی مہر کی حد متعین کر دوں۔

ایک عورت نے کہا اے عمر! جس چیز کی حد اللہ نے متعین کی ہو اس چیز کی حد متعین کرنے کا اختیار تمہیں کس نے دیا ہے؟ اللہ تو ہمیں دیتا ہے آپ ہمیں محروم کرنا چاہتے ہیں اب حضرت عمر کا ذہن اس نکتہ کی طرف نہیں گیا تھا پوچھا کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تمہیں دینا چاہتا ہے اور میں محروم رکھنا چاہتا ہوں؟ اس نے عرض کیا کہ اللہ نے قرآن حکیم میں یہ نہیں فرمایا؟:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا

مُّبِيْنًا﴿٢٠﴾

(سورۃالنساء:۲۰)

اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کرنا چاہو اور تم نے پہلی کو سونے چاندی کا ایک ڈھیر دے رکھا ہو تو اس سے واپس نہ لو کیا تم بہتان لگا کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے اس سے مہر واپس لینا چاہتے ہو۔ تو اس نے استدلال کیا کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے: عورت کو مہر میں سونے چاندی کا ڈھیر دینا بھی جائز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے ان کی سیرت میں كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ جب اللہ کی کتاب ان کے سامنے پڑھی جاتی تھی تو ان کو بریک لگ جاتی تھی رک جاتے تھے، جب اللہ کی کتاب سامنے آتی اپنی رائے کو، اپنے جذبے کو، اپنی خواہش کو قربان کر دیتے تھے اب جب اس نے آیت کریمہ پڑھی تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا: اے عمر! ایک عورت بھی تجھ سے زیادہ قرآن کو سمجھتی ہے۔ تو عورتیں تک اپنی رائے کا اظہار کر دیا کرتی تھیں۔ یہ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی عورتوں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ

مشہور واقعہ ہے، ہماری ہاں کتابوں میں بار بار دہرایا جاتا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں، غلامی کے زمانے میں ان کا حضرت

مغیث رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوگیا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا (مسئلہ یہ ہے کہ غلامی کے زمانے میں اگر کسی عورت کا نکاح ہوا ہو اور بعد میں اسے آزادی مل جائے تو اسے اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو غلامی کے زمانے میں جو نکاح کیا ہے اسے باقی رکھے، چاہے تو فسخ کر دے کیونکہ غلامی میں مجبوری بھی ہوسکتی ہے رضا کامل نہیں ہوسکتی ہے آزادی کے بعد اس کی کامل رضا مندی ضروری ہے) تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کے دیئے ہوئے اختیار سے فائدہ حاصل کرنے کا فیصلہ کر دیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتی ہوں۔ اب حضرت مغیث رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں کہ یہ نکاح کو ختم نہ کریں اور وہ نکاح کو ختم کرنے پر اصرار کر رہی ہیں، ان کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دن بھی گذارنے کے لیے تیار نہیں اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی محبت کا یہ عالم ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا گلی سے گذر رہی ہیں اور پیچھے پیچھے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ ان کی آنکھوں سے جو آنسو ٹپک رہے تھے وہ ڈاڑھی سے بھی گزر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی یہ حالت دیکھ کر، یہ دیوانگی یہ عشق ومحبت دیکھ کر ترس آگیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی رعایت کرتے ہوئے اور ان کی محبت کا خیال رکھتے ہوئے فرمایا کہ اے بریرہ! اگر تم مغیث کے ساتھ نکاح باقی رکھو تو کیا اچھا نہیں ہوگا؟ اتنی محبت کرتا ہے تم سے اللہ اکبر، کیا تربیت کی تھی اسلام نے، صرف آزاد کی نہیں غلاموں کی اور لونڈیوں کی بھی تربیت کی تھی، پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آپ کا حکم ہے نبی ہونے کی حیثیت

سے یا مشورہ ہے ایک انسان ہونے کی حیثیت سے؟ اللہ اکبر، نبی بھی اپنی بات زبردستی نہیں منواتے تھے نفسیات کا لحاظ رکھتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بریرہ! یہ حکم نہیں ہے مشورہ ہے، کہا میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی بلکہ آپ ہی نے تو اختیار دیا ہے مجھے آزاد ہونے کی صورت میں کہ میں نکاح کو باقی رکھوں یا فسخ کردوں، تو میں اس اختیار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نکاح کو فسخ کرتی ہوں۔ تو لونڈیاں تک اپنی رائے کا اظہار کردیا کرتی تھیں نہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلفاء کے سامنے بلکہ خود آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی اپنی رائے کا اظہار کردیا کرتے تھے۔

آزادی اظہار رائے تین شرطوں کے ساتھ اسلام میں جائز ہے

لیکن آزادی اظہار رائے کا جو نظریہ ہے اسلام نے اس کے لیے کچھ شرائط وضع کی ہیں، کچھ حدود متعین کی ہیں، اسلام کا کوئی حکم بھی بے لگام نہیں ہے ، اظہار رائے کے لیے بھی اسلام نے کچھ شرائط وضع کی ہیں، کچھ ہدایات بتائی ہیں، میں تین شرائط آپ کے سامنے ذکر کروں گا۔

پہلی شرط

رائے غیر منصوص مسئلہ میں ہو رائے ایسے مسئلہ میں دی جائے جو اللہ کی کتاب اور نبی کی حدیث میں منصوص نہ ہو، واضح طور پر نہ آیا ہو۔ جو مسئلہ اللہ کی کتاب میں آچکا اور نبی اکرم ﷺ نے واضح کردیا، اس میں کسی کو رائے دینے کا

اختیار نہیں ہے۔ کیا آزادی اظہار رائے کا یہ حق ہے اب نماز کے بارے میں بھی رائے طلب کریں گے کہ کل کے لوگ تو فارغ ہوتے تھے لہٰذا ان کے لیے تو پانچوں نمازوں کا حکم درست تھا آج کا انسان بہت مصروف ہے۔ بہت لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب سر کھجانے کی فرصت نہیں ہے بلکہ بعض منچلے یہ بھی کہتے ہیں کہ مرنے کی بھی فرصت نہیں ہے، حالانکہ مرتو ہر کوئی جاتا ہے، چاہے فرصت ہو یا نہ ہو، موت تو آہی جاتی ہے، لیکن کہہ دیتے ہیں سوچنے کی فکر نہیں ہے، آج سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ بھاگتا رہتا ہوں صبح سے لے کر رات تک، تو کیا اب رائے طلب کی جائے عالم اسلام کے مسلمانوں سے کہ اب نمازیں پانچ ہونی چاہئیں یا دو نمازیں کر دی جائیں؟ یا کوئی ایسی صورت نکالی جائے کہ ایک ہی وقت میں ساری نمازیں پڑھ لی جائیں بجائے بار بار مسجد میں آنے کے؟ اگر یہ پابندی اٹھادی جائے اور یہ مسئلہ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے تو یقین کریں کہ ہمارے دانشور، ماڈرن طبقہ اور مغربی غلام اس کے اتنے فوائد بتادیں گے کہ کتابیں بھر دیں گے۔ ایسا لگے گا کہ پانچ وقت کی نماز منسوخ کرنے سے یا پانچ وقت کی نماز ایک وقت میں پڑھنے سے عالم اسلام کی حالت میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے، ان کی معاشی حالت بہتر ہوسکتی ہے، ان کی تجارتی حالت درست ہوسکتی ہے، عالمی برادری سے تعلقات استوار ہو سکتے ہیں۔ یہ بار بار دکان بند کرنا، یہ بار بار مسجد میں جانا، یہ بار بار اذان کا ہونا، یہ بار بار وضو کا کرنا بتایا جائے گا کہ اس میں تو بڑے نقصانات ہیں۔ آج اگر عالم اسلام پسماندہ ہے تو دانشور طبقہ کہے گا اسی وجہ سے تو ہے کہ ہم یہ پانچ وقت مسجد میں جاتے ہیں، یہ دکانیں بند کرتے ہیں، ساری دنیا سے کٹ جاتے ہیں۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جو احکام منصوص ہیں ان کے بارے میں کسی سے کوئی رائے طلب نہیں کی جائے گی چاہے وہ نماز کا مسئلہ ہو، روزوں کا مسئلہ ہو یا صدقات کا مسئلہ ہو یا صدقات کے مصارف کا مسئلہ ہو۔

مثال سے وضاحت

میں ایک مثال اس کی عرض کرتا ہوں: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یمن سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اٹھارہ لاکھ دراہم بھیجے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ تقسیم کر دیئے، کچھ بچ گئے ان کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا یہ بچ گئے ہیں ان کے بارے میں کیا کیا جائے؟ ایک غیر معروف نوجوان صحابی صعصعہ بن صوحان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا:

اِنَّمَا يُشَاوِرُ النَّاسَ فِيمَا لَمْ يُنْزِلِ اللهُ فِيهِ قُرآنًا

ترجمہ: اے امیر المؤمنین! لوگوں سے مشورہ ان معاملات میں کیا جاتا ہے جن معاملات میں اللہ نے کوئی حکم نازل نہ کیا ہو

صدقات کے بارے میں تو اللہ نے واضح طور پر اپنی کتاب میں حکم نازل فرما دیا، اس میں لوگوں سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ نے خود صدقات کے مصارف متعین کر دیے ہیں، لہٰذا اس میں کسی سے کوئی رائے لینے کی ضرورت نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہہ دیا:

صَدَقْتَ

اے نوجوان تم سچ کہتے ہو۔

اَنْتَ مِنِّي وَ اَنَا مِنْكَ

تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں

تمہاری رائے کو میں قبول کرتا ہوں۔

یہ پہلی شرط ہے آزادی اظہار رائے کے لیے کہ رائے ایسے معاملات میں دی جائے جن معاملات کے بارے میں اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت کوئی رہنمائی نہ کرتی ہو یعنی وہ حکم منصوص نہ ہو۔

دوسری شرط

اس شخص کی رائے کا اعتبار کیا جائیگا جو صاحب الرائے ہو، جس کے اندر رائے دینے کی صلاحیت ہو اور متقی بھی ہو، بالخصوص شرعی مسائل میں یہ ضروری ہے کہ رائے دینے والا، رائے دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو آپ اندازہ کیجیے! میں نے پہلے بھی آیت کریمہ پڑھی اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ

آپ اپنے صحابہ سے مختلف معاملات میں مشورہ کیا کریں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کا یہ حکم سارے صحابہ سے مشورہ لینے کے بارے میں نہیں تھا چند مخصوص صحابہ سے اللہ نے مشورہ لینے کا حکم دیا، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ لینے کا حکم دیا ہے۔ اگر بالفرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اس حکم کو محدود نہ بھی رکھیں تو بھی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کا یہ حکم بلا امتیاز سارے صحابہ سے مشورہ لینے کے لیے نہیں آیا تھا، بلکہ صرف ان صحابہ کے بارے میں جو صاحب الرائے تھے، جن

میں مسئلہ سمجھنے کی حقیقت اور اس کے عواقب، اس کے انجام پر غور کرنے کی صلاحیت پائی جاتی تھی صرف ان سے اللہ نے مشورہ لینے کا حکم دیا۔

اس کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے ایک دفعہ سوال کیا:

یَارَسُوْلَ اللہِ اَلْاَمْرُ یَنْزِلُ بِنَا بَعْدَکَ لَمْ یَنْزِلْ فِیْہِ قُرْاٰنٌ وَلَمْ یُسْمَعْ مِنْکَ فِیْہِ شَیْئٌ۔

ہوسکتا ہے آپ ﷺ کے جانے کے بعد ہمارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں نہ قرآن کی کوئی آیت ہو نہ آپ ﷺ کی حدیث ہو تو پھر ہم کیا کریں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا:

اِجْمَعُوْا لَہُ الْعَابِدِیْنَ مِنْ اُمَّتِیْ وَاجْعَلُوْہُ بَیْنَکُمْ شُوْرٰی وَلَا تَقْضُوْا بِرَأْیٍ وَاحِدٍ

ایسا کرنا کہ میری امت میں سے عبادت کرنے والوں کو، متقی لوگوں کو اور نیک لوگوں کو جمع کرنا ان سے رائے طلب کرنا اور کبھی بھی یہ غلطی نہ کرنا کہ ایک آدمی کی رائے کی بنا پر فیصلہ کر دو، بلکہ امت کے نیک لوگوں کو جمع کر کے ان سے رائے لینے کے بعد کوئی فیصلہ کرنا۔

آزادیٔ اظہارِ رائے کا صحیح مطلب

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ ہم اس نظریہ کو (نظریہ آزادی اظہارِ رائے) کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہ نظریہ ہر کسی کے لیے نہیں ہے کہ ہر کسی کو ہر مسئلہ میں رائے دینے کا اختیار ہے۔

آپ مجھے بتائیے! کہ کیا ڈاکٹر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کپڑے کے تاجروں کو مشورہ دے کہ تمہیں کپڑا کیسے بنانا چاہیے؟ یا کسی صنعتکار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کاشتکاروں کو مشورہ دے کہ تمہیں کاشتکاری کیسے کرنی چاہیے؟ اگر کسی کوالیفائڈ ڈاکٹر کی رائے تاجروں کے لیے موزوں نہیں ہے، اور تاجر رائے دینے کا حق ڈاکٹر کو نہیں دیتے اور صنعتکار کاشتکاروں کو مشورہ دینے کا حق نہیں دیتے تو آپ مجھے بتائیے کہ کیا شرعی مسائل میں ہر کسی کو رائے دینے کا حق حاصل ہے؟ چاہے وہ عالم ہو یا جاہل ہو یا نیک ہو یا بد ہو۔ ایسے ایسے لوگ جن کی زندگی میں دور دور بھی تقویٰ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی، نہ نبی کی محبت کا منظر ان کی زندگی میں دکھائی دیتا ہے وہ بھی ناموس رسالت ﷺ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں ہر صحافی اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے، اگرچہ نہ اس نے کبھی قرآن کھول کر دیکھا ہو نہ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ کیا ہو، یہ دو شرطیں ہو گئیں۔

تیسری شرط:

رائے دینے کا اختیار ایسے شخص کو ہوگا جس کا مقصد اللہ کی رضا ہو اور خواہش نفس کی اتباع اس میں نہ پائی جاتی ہو، یہ تین بڑی شرطیں علماء نے بیان فرمائی ہیں۔

پہلی شرط: وہ حکم قرآن میں یا حدیث میں صراحتاً منصوص نہ ہو۔

دوسری شرط: رائے دینے والا صاحب الرائے ہو گناہوں سے بچتا ہو۔

تیسری شرط: رائے کا مقصد اللہ کی رضا ہو۔

آپ مجھے بتائیے کہ ان تین شرائط کی روشنی میں یہ جو ہمارے ٹی وی پر ٹاک شو ہو رہے ہیں، مذاکرے ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی مخلوق اس میں اپنی رائے پیش کر رہی ہے، کیا واقعی ان تین شرائط پر پوری اترتی ہے؟ یہ تین صفات ان کے اندر پائی جاتی ہیں؟ اگر نہیں پائی جاتیں تو انہیں اس حساس موضوع پر رائے دینے کا بھی کوئی اختیار نہیں۔

غیر معتبر رائے

یہ تین شرطیں تو بڑی ہیں وگرنہ اہل علم کہتے ہیں کہ ایسی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو رائے کسی منصوص حکم کے بارے میں ہو، ایسی رائے جو انسانی اقدار کو توڑتی ہو، ایسی رائے جو تکبر پر مبنی ہو، ایسی رائے جو خیانت پر آمادہ کرتی ہو، ایسی رائے جو سوسائٹی میں فساد اور لوٹ مار کا سبب بنتی ہو، ایسی رائے جو ذاتی خواہشات کی تسکین کا موجب ہو ایسی رائے جو ظلم کو فروغ دے اور ایسی رائے جو نا اہل کی طرف سے ہو ایسی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

میں نے اب تک کی اپنی گفتگو میں جس چیز کو نمایاں کیا وہ یہ کہ قرآن و حدیث میں آزادیٔ اظہار رائے کی کیا اہمیت ہے اور اس کے لیے کیا شرائط اور کیا حدود و قیود ہیں۔

اہلِ مغرب کا نظریہ

اب میں اس میں دوسرا اہم نکتہ اٹھا رہا ہوں اور بات کو بہت ہی توجہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اہل مغرب اور ہمارے ترقی پسندوں

کا اصل مسئلہ کیا ہے اس کو بہت گہرائی میں جا کر سمجھنے کی ضرورت ہے بات یہ ہے کہ اہل مغرب کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کلیسا پر جو لوگ چھائے ہوئے تھے جو اپنے آپ کو مذہب کے جاگیر دار اور ٹھیکیدار سمجھتے تھے، انہوں نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا وہ تصور علمی اور سائنسی حقائق کے بالکل خلاف تھا بالکل الٹ تھا۔

آپ اندازہ کیجیے! کہ حد یہ تھی عیسائیت میں ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ حصول علم گناہ تھا، پادریوں نے بائبل کے مختلف ابواب سے مختلف آیات سے یہ بات ثابت کیا کہ اللہ نے قرآن کریم میں حضرت آدم اور حوا کو جو حکم دیا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جاؤ اور یہ حکم قرآنِ کریم میں بھی ہے:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

تم اس درخت کے قریب نہ جاؤ

آپ نے سنا ہوگا مفسرین نے بہت سی باتیں لکھی ہیں: یہ کونسا درخت تھا جس درخت کے قریب اللہ نے آدم اور حوا کو جانے سے منع کیا تھا کسی نے کہا گندم کا درخت، کسی نے کہا انگور کا درخت، کسی نے کہا انجیر کا درخت، کسی نے کہا زیتون کا درخت، کسی نے کہا خواہشات کا درخت وغیرہ وغیرہ، لیکن عیسائی پادریوں نے بائبل کی مختلف آیات سے ثابت کیا کہ اس درخت سے مراد علم کا درخت تھا اور آدم اور حوا نے غلطی یہ کی کہ وہ علم کے درخت کے قریب چلے گئے تو اللہ نے انہیں جنت سے نکل جانے کا حکم دیا کہ تمھیں میں نے کہا تھا کہ علم کے درخت کے قریب نہ جانا اور حصول معلومات کی کوشش نہ کرنا، تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی ہے؟ اور پادری

کہتے تھے کہ جیسے یہ حکم ہماری اماں اور ہمارے ابا کے لیے تھا کہ علم کے درخت کے قریب نہ جانا اور یوں ہی یہ حکم ہمارے لیے بھی ہے کہ علم کے درخت کے قریب جانا جائز نہیں۔ تو حصول علم عام آدمی کے لیے گناہ تھا، اللہ اکبر! قدم قدم پہ کتاب کی فوقیت ثابت ہوتی ہے ساری کتابوں پر چاہے آسمانی ہوں یا غیر آسمانی۔ تو کہاں یہ تصور کہ آدم اور اولاد آدم کو علم کے درخت کے قریب جانا منع تھا، اور کہاں یہ حکم کہ چھ سو سال کے وقفے بعد اللہ نے وحی نازل کی، اور یہاں حکم یہی تھا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵

(سورۃ العلق: ۱ تا ۵)

بائبل کے ٹھیکیداروں نے حصول علم کو منع قرار دیا اور قرآن نے پہلی وحی میں ہی پڑھنے کا بھی حکم دیا، کتاب کا بھی ذکر کیا، قلم کا بھی ذکر کیا، اور انسان کو اس طرف متوجہ کیا کہ تم علم حاصل کرو اور ہمارے آقا ﷺ کی بھی یہی ترغیب تھی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اہل کلیسا نے یہ تصور دیا اور انہوں نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تو عیسائیت کو کوئی پڑھا لکھا شخص قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، اور ایسا وقت بھی عیسائیوں پر گذرا کہ اگر کوئی سائنسدان نئی تحقیق پیش کرتا اسے مارا پیٹا جاتا اور قید کر دیا جاتا، بلکہ بعض کو تو زندہ جلا دیا گیا۔ بالآخر یہ جو پڑھا لکھا طبقہ تھا اس نے بائبل سے بغاوت کر دی، بائبل سے بغاوت کیا کی ہر مذہبی روایات سے

بغاوت کردی، اور انہوں نے کہا کہ ہمیں ایسا مذہب، ایسا خدا اور ایسی کتاب نہیں چاہیے جس کے نام پر تم ہمیں غلام بناتے ہو۔ تو اہل مغرب اور اہل یورپ کا تو یہ نظریہ تھا

موجودہ دانشوروں کا غلط قیاس اور اس کا ردّ

ہمارے ترقی پسندوں کا مسئلہ کیا ہے؟ ہمارے ترقی پسند، ہمارے بیچارے دانشور، یہ قرآن کو قیاس کرتے ہیں بائبل پر، وہ اسلام کو قیاس کرتے ہیں عیسائیت پر اور مسلمان علماء کو قیاس کرتے ہیں پادریوں پر۔ حالانکہ دونوں کے درمیان بہت فرق ہے، قرآن اور بائبل کے درمیان اسلام اور عیسائیت کے درمیان اور علمائے اسلام اور پاپائیت و اہل کلیسا کے درمیان بہت فرق ہے، قرآن نہ سائنس کا مخالف ہے، نہ اس سے کمتر بلکہ یہ الفاظ امانت کے طور پر اپنے پاس محفوظ کر لیجیے گا شاید کوئی ان الفاظ کی معنویت کو محسوس کر سکے: قرآن نہ سائنس کا مخالف، نہ سائنس سے مرعوب، نہ سائنس سے کمتر، بلکہ قرآن سائنس سے بہت آگے کی چیز ہے، اور اس دور میں کوئی کتاب سارے مسائل حل نہیں کر سکتی جس کا سائنس کے ساتھ خواہ مخواہ ٹکراؤ ہو یا سائنس کے مقابلہ میں وہ کم تر ہو۔ بلکہ وہی کتاب آج کے مسائل کا حل پیش کر سکتی ہے اور آج کے انسان کے ذہن کو مطمئن کر سکتی ہے جو سائنس سے پیچھے نہیں بلکہ سائنس سے بہت آگے ہے۔

آج کے ترقی پسند اور دانشوروں کا حال

اب ہمارے ترقی پسند اور دانشوروں کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ مغربی

آقاؤں کے اندھے مقلد ہیں، انہوں نے دیکھا کہ انہوں نے بائبل کی مخالفت کی، انہوں نے قرآن کی مخالفت شروع کردی، اُنہوں نے عیسائیت کی مخالفت کی، انہوں نے اسلام کی مخالفت شروع کردی، انہوں نے اہلِ کلیسا کی مخالفت کی، انہوں نے ان کے نقش قدم پر چلنے کے لیے مسجد کی، مولوی کی مخالفت شروع کردی، حالانکہ یورپ کے دانشوروں نے مذہب سے اس لیے بغاوت کی تھی کہ وہ توہمات سے، خرافات سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ہمارے ترقی پسند بغاوت کرتے ہیں صرف مقلد ہونے کی حیثیت سے۔ ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ بھئی جب امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھیں تو کہہ دو پیچھے اس امام کے اور ہم ہاتھ باندھ کر پھر کھڑے ہوجاتے ہیں اور کہا جاتا ہے الابلا بر گردن ملاّ جو کچھ ہے مولوی کی گردن پر وہ کھڑا ہوا ہم کھڑے ہوگئے، وہ جھک گیا ہم جھک گئے، اس نے پیشانی زمین پر رکھی ہم نے بھی پیشانی زمین پر رکھ دی، اس نے غلطی کردی ہم نے بھی غلطی کردی، وہ درستگی پر چلا ہم بھی درستگی پر چلتے رہے، انہوں نے بھی یورپ کے دانشوروں کے پیچھے نیت باندھ رکھی ہے، اب پیچھے ان اماموں کے ہیں، اب وہ امام جو کچھ کرتے ہیں یہ بھی بے سوچے سمجھے کرتے جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو آزادئ فکر سے، آزادئ رائے سے کوئی سروکار نہیں بلکہ یہ فکری انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں اور مذہبی حد بندیوں کی توڑ پھوڑ کرکے معاذاللہ! الحاد کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

یہ کچھ گفتگو تھی اس موضوع کے حوالہ سے اب میں اختصار کے ساتھ جو سوالات اٹھائے گئے ان کی طرف آتا ہوں۔ بظاہر میں امید رکھتا ہوں کہ میری اس

اصولی گفتگو میں ان سوالات کے جوابات آ چکے، لیکن پھر بھی ان سوالات کو ایک ایک کر کے ذکر کر لیتے ہیں۔ اور بہت عجلت واختصار کے ساتھ میں ان سوالات کے جوابات ذکر کرتا جاؤں گا۔

آزادی اظہار رائے کے بارے میں مغربی اور اسلامی نظریہ

پہلا سوال یہ ہے کہ مغربی دنیا کی نظریہ آزادیٔ اظہار رائے پر ایک نظر، تو میں اس کے پس منظر میں بتا چکا ہوں کہ وہاں تو اس سلسلہ میں مادر پدر آزاد اظہار رائے پائی جاتی ہے، اور اس نظریہ آزادی اظہار رائے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا مذاق بھی جائز ہو، اللہ کی کتاب کا مذاق بھی جائز ہو، مذاق کیا انکار بھی جائز۔ جبکہ ایک مسلمان جس دین پر ایمان رکھتا ہے اور جس اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور جس نبی پر ایمان رکھتا ہے اور جس کتاب پر ایمان رکھتا ہے وہ اس قسم کی آزادی کی اجازت نہیں دیتا کہ آزادی اظہار رائے کے اصولی موقف سے۔

اصولی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معاذ اللہ! اللہ اور اللہ کے رسول کے بارے میں بھی رائے زنی شروع کر دیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ کھلم کھلا اظہار رائے تو بہت دور کی بات ہے۔

بے مہار آزادیٔ اظہار رائے کا سدِ باب

ہمارے آقا ﷺ نے ایسے وسوسوں سے بھی منع کیا ہے ایک حدیث میں آیا ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا شیطان تمہارے دل میں وسوسے پیدا کرے گا، تم

سے سوال کرے گا، آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ تم کہو گے اللہ نے۔ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے، سورج، چاند، ستاروں کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے یوں سوال کرتے کرتے وہ تمہارے سامنے یہ سوال بھی رکھ دے گا: یہ تو بتاؤ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب یہ وسوسہ آئے تو رک جاؤ، ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے تو اظہار رائے کی بات ہے ہمارے آقا ﷺ نے تو اس قسم کے وسوسوں سے بھی منع کیا ہے کہ حتی الامکان اپنے آپ کو اس قسم کے وساوس سے بھی بچانے کی کوشش کرو۔

آزادی رائے اور برداشت

دوسرا سوال اظہار رائے اور برداشت کے حوالہ سے اسلام ہمیں کس ضابطہ اخلاق کا پابند کرتا ہے؟

میں یہ بتا چکا ہوں کہ ایسی رائے کی اجازت ہے جو غیر منصوص مسائل کے بارے میں ہو لیکن جو منصوص مسائل کے بارے میں رائے ہو اس رائے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس رائے کی اجازت نہیں ہے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس رائے کی بنیاد اصلاح پر مبنی ہو، نیکی پر ہو، عدالت پر ہو، نیک نیتی پر ہو اور وہ رائے دینے والا بھی رائے دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

برداشت کا مقام

جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے تو اسلام ہمیں تلقین کرتا ہے کہ اپنی ذات کا جہاں تک تعلق ہے اس میں جتنا بھی برداشت کرو وہ قابل تحسین ہے گالی کے جواب میں دعا دو تو قابل تحسین ہے، اور پتھروں کے جواب میں پھول

برساؤ تو قابل تحسین ہے۔ لیکن جب اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑایا جائے اور ان کی توہین کی جائے اور ہم برداشت کو فروغ دینے کے لیے مسکراتے رہیں یہ غیرت کے مطابق نہیں، یہ غیرت کی ہلاکت ہے، یہ حیا کی ہلاکت ہے، یہ ایمان کی تباہی ہے۔ تو اس سلسلہ میں برداشت کا ہمیں سبق نہیں دیا گیا۔

مغربی نظریہ تضاد کا مجموعہ

تیسرا سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ کیا مغرب کا نظریہ آزادی اظہار رائے تضادات کا مجموعہ نہیں؟ مغرب کے تضادات کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی باتیں کہی جاسکتی ہیں: میں اس وقت صرف دو باتیں عرض کردوں گا ایک یہ کہ آپ حضرات کثرت سے اخبارات ورسائل میں پڑھتے ہیں کہ جنگ عظیم دوم میں جھوٹا پروپیگنڈہ کیا گیا کہ اس جنگ میں چھ کروڑ یہودی بربریت کے ساتھ قتل کیے گئے، اس کی کوئی حقیقت نہیں اور جھوٹے پروپیگنڈہ کو اللہ کی وحی اور کتاب سے زیادہ صداقت کا درجہ دیا گیا حتی کہ بائبل پر گفتگو کرنا جائز، تورات وانجیل پر گفتگو کرنا جائز اور قرآن کے منصوص احکام پر گفتگو کرنا جائز، لیکن اس حوالہ سے گفتگو کرنا مغرب میں قابل تعزیر جرم شمار ہوتا ہے۔

کہاں تو یہ موقف اور یہ نظریہ کہ انسان کو ہر مسئلہ میں رائے دینے کا آزادی سے اختیار ہے اور کہاں چھ کروڑ یہودیوں کے قتل کے بارے میں تحقیق کرنا گفتگو کرنا جرم ہے، تو یہ تضاد ہے جو مغرب کی سوچ میں پایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ نے گذشتہ دنوں سنا ہوگا کہ بعض پادریوں نے اللہ کی کتاب کو پوری دنیا میں جلانے کا منصوبہ بنایا اور

بعض جگہ قرآن کریم کو جلایا بھی گیا کس لئے؟ اس لیے کہ قرآن کریم میں بعض جگہ ایسے احکام ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہیں۔ اللہ اکبر! میں نے جب اس نکتہ کو سوچا تو بڑا تعجب ہوا کہ ایک طرف تو یہ نظریہ دیا جاتا ہے کہ ہر انسان کو اپنی رائے کے اظہار کا مکمل اختیار ہے اور دوسری طرف خود اللہ کو جو اس کائنات کا مالک ہے اپنی رائے کے اظہار کا اختیار نہیں قرآن کیا ہے؟ یہ اللہ کی آراء تو ہیں، اللہ کے احکامات تو ہیں، تو عجیب بات ہے اللہ کو اپنی رائے کے اظہار کا اختیار نہیں البتہ دنیا کے ہر انسان کو (چاہے وہ شراب اور بدکاری میں پوری طرح لتھڑا ہوا ہی کیوں نہ ہو اسے) اپنی رائے کے اظہار کا مکمل اختیار ہے۔

شعائر دینیہ میں آزادی اظہار رائے نہیں

چوتھا سوال: کیا اللہ اور اس کے انبیاء کے تقدس کو بھی آزادی اظہار کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا؟ تو بھائیو! وہ دن ہماری تاریخ کا افسوسناک دن ہوگا جب ہم نے اختیار دے دیا کہ ہر کس وناکس کو اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کا اختیار ہے، پھر کچھ بھی نہ بچے گا، نہ ایمان، نہ نماز، نہ کلمہ، نہ اخلاقیات نہ حیاء، نہ غیرت۔ پھر کچھ نہیں بچے گا جب ہر کسی کو اللہ کی ذات کے بارے میں، انبیاء کی شخصیات کے بارے میں بھی اظہار رائے کا اختیار دے دیا گیا۔

مغرب کا آزادی اظہار رائے سے مقصد کیا ہے؟

پانچواں سوال اٹھایا گیا کہ مغرب مادر پدر آزادئ اظہار رائے کے کلچر

سے مسلم ممالک میں کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟ یہ وہ مقصد ہے جو اللہ پاک نے اپنی کتاب میں خود واضح طور پر بیان فرما دیا، اللہ نے فرمادیا

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط

یہ یہود و نصاریٰ اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ان کی ملت کی اتباع نہ کرو اس نظریہ کو فروغ دینے کا مقصد عالم اسلام کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا اور مذہب اور آسمانی تعلیمات سے چھٹکارا حاصل کرنا ان کے پیش نظر ہے، اور بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے یہ جو مغرب نے نظریہ دیا ہے: مادر پدر آزادی اظہار رائے کا، ہمارے ہاں اس نظریہ کو بڑے افسوسناک طریقے سے استعمال کیا جارہا ہے، ہمارے اسٹیج ڈرامے ویسے تو ٹی وی پر بہت گندگی ہے لیکن اسٹیج ڈراموں کے بارے میں جو کچھ پڑھنے اور سننے میں آرہا ہے اللہ پاک نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں دیکھنے سے تو محفوظ رکھا ہے لیکن جو ہم اخبارات وغیرہ میں ان ڈراموں کے بارے میں پڑھ رہے ہیں اور لوگوں سے سن رہے ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے، یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان اسٹیج ڈراموں کے ذریعہ سے مسلمانوں کی نئی نسل کو ایسا بگاڑنے کی کوشش کی جارہی ہے، کہ اگر یہ یہودی یا عیسائی نہ بنے تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہیں۔

والدین کا مذاق اور اللہ کے بندوں کا مذاق، ڈاڑھی کا مذاق، غربت کا مذاق، ہمارے رنگ کا مذاق، حیاء کا مذاق اُڑایا جارہا ہے اور بے حیائی کو فروغ دیا جارہا ہے۔

کل میں نے ایک صاحب کا کالم پڑھا جو بظاہر بڑے دانشور سمجھے

جاتے ہیں اور آزادیٔ اظہار رائے کے بڑے حامی ہیں، اور اکثر علماء اور مذہبی طبقے کے خلاف بھی لکھتے رہتے ہیں مجھے پڑھ کر تعجب ہوا کہ وہ صاحب بھی چیخ اٹھے اس بے حیائی کو دیکھ کر جو ہمارے اسٹیج ڈراموں میں پائی جاتی ہے، جو اس میں بدکاری کی کھلے عام ترغیب دی جارہی ہے، نکاح کو ایک قابل نفرت عمل بنا کر پیش کیا جارہا ہے امرد پرستی کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے وہ بھائی جو آزادی اظہار رائے کے علمبردار ہیں کہ وہ کس اصول کے تحت فحاشی پھیلانے والے ان بدمعاشوں کا راستہ روک سکیں گے؟

وہ بھی تو یہ کہتے ہیں کہ ہم آزادیٔ اظہار رائے پر عمل کرتے ہیں، ہمیں اس کا حق حاصل ہے کہ ہم جس طریقہ سے چاہیں اپنی رائے کا اظہار کرسکیں۔ تم بدکاری کو حرام سمجھتے ہو سمجھتے رہو، ہم نہیں سمجھتے تم امرد پرستی کو ناجائز کہتے رہو ہم نہیں سمجھتے، اور ایک اسلامی مملکت میں وہ ان نظریات کو فروغ دیتے رہیں تو آپ کس اصول کے تحت ان کا راستہ روک سکیں گے؟ اگر آپ نے آزادی اظہار رائے کے لیے کچھ شرائط، کچھ حدود، کچھ قیود، کچھ ضوابط، کچھ قوانین وضع نہ کیے تو پھر ہمارا سب کچھ داؤ پر لگ جائے گا۔

اس نظریہ کے حوالے سے میڈیا کا رویہ

ایک سوال یہ بھی کیا گیا کہ توہین رسالت اور اظہار رائے کے حوالے سے حالیہ دنوں میں ہمارے میڈیا زعماء اور سول سوسائٹی کا کردار کیسا رہا؟ جو غلامانہ اور تقلیدانہ ذہنیت رکھنے والوں کا ہوتا ہے ایسا لگتا تھا کہ انہیں مغربی طاقتوں کی جانب

سے کوئی مخصوص ہدف دیا گیا ہے، ٹاسک دیا گیا ہے جس پر یہ عمل کر رہے ہیں۔

کیا پاکستان میں اقلیتوں کی آواز دبائی جاتی ہے؟

ایک سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان میں اقلیتوں کی آواز دبائی جاتی ہے۔ یہ جو سوال ہے اگر کوئی اس کو حقیقت کے طور پر پیش کرے یا خبر کے طور پر پیش کرے۔ تو میں شاید اسے اس صدی کے بڑے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ شمار کروں گا۔ آپ صرف اپنی قریب ترین اقلیت عیسائیت ہی کو لے لیں میں نے جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ پاکستان میں ۱۰۷ یا ۱۰۸ کے قریب عیسائیوں کی تبلیغی تنظیمیں اور مسیحی مشینریاں عیسائیت پھیلانے میں مصروف ہیں، اور ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ دس کے قریب ان کے رسائل و جرائد پاکستان میں شائع ہو رہے ہیں بلا روک ٹوک، پھر بائبل خط و کتابت کورس، کئی ادارے ہیں جو اس کو چلا رہے ہیں پاکستان کی سرحد سے کچھ ہی دور ایک طاقتور ریڈیو اسٹیشن نصب کیا گیا ہے جو ۱۲ گھنٹے مسیحیت کی تبلیغ کرتا رہتا ہے۔

اور عبرت کی بات یہ ہے کہ اسلام کی دعوت کے لیے پاکستان میں ایک ریڈیو اسٹیشن بھی نہیں ہے جو صرف اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف ہو، صرف اسلام کی دعوت دیتا ہو۔ اور خط و کتابت کورس جو میرے علم میں ہے وہ بھی بہت کم، چند محدود اداروں کی طرف سے عیسائیوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ اقلیت کی آواز کو دبایا جاتا ہے تو پھر اسے جھوٹ نہیں تو اور کیا کہا جائے گا؟ اور بہت سے حقائق ایسے ہیں جو

ہمارے علم میں نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کسی بے گناہ مسلمان پر الزام لگ جائے کہ اس نے عیسائیوں کے گرجے کی توہین کی ہے یا کسی عیسائی کو تشدد کا نشانہ بنایا ہے تو پوری عیسائی دنیا اُس مسلمان کو پھانسی کے پھندے تک لے جانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتی ہے، اور اپنے ہم مذہب عیسائی کی حفاظت کرتی ہے لیکن اس مظلوم مسلمان کی حمایت میں پوری دنیا سے کوئی ایک آواز بھی نہیں اٹھتی آپ اندازہ کیجیے: آپ کے سامنے یہ کیس ہے جو لاہور میں واقعہ پیش آیا ایک بد بخت نے دن دیہاڑے سر عام دو بے گناہ مسلمانوں کو گولیوں سے بھون ڈالا اور تیسرے کو گاڑی تلے روند ڈالا۔ پوری عیسائی دنیا اس قاتل کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئی اور امریکہ اس کی خاطر اپنی دوستی اور تعلقات سب کچھ داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہے، لیکن پوری دنیا سے ان مقتولوں کے حق میں آواز تو کیا اٹھے گی خود پاکستان میں بھی ہمارے بالا دست طبقے کی طرف سے کوئی آواز نہیں اٹھی۔ آواز اٹھی ہے تو چند مذہبی جماعتوں کی طرف سے، چند سیاسی جماعتوں کی طرف سے، وگرنہ ہماری وہ سول سوسائٹی، وہ بڑے بڑے دانشور حقوق انسانی کے وہ بڑے بڑے ٹھیکیدار گونگے شیطان بنے ہوئے ہیں بلکہ اس کے بجائے ان بے گناہ نوجوانوں کو ڈاکو ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور اس قاتل کو بے گناہ ثابت کرنے پر زور لگا رہے ہیں۔ تو یہ اس وقت کی صورت حال ہے جس صورتِ حال کے پس منظر میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اقلیت کی آواز کو دبایا جاتا ہے۔

آخری سوال کرنے کا اصل کام کیا ہے؟

یہ ہمیشہ ہمارے ہاں سوال اُٹھایا جاتا ہے، اختصار کے ساتھ یوں کہوں گا کہ ہر سطح پر آزادیٔ اظہار رائے کے غلط استعمال پر آواز اٹھائی جائے۔ چاہے وہ غلط استعمال اخبار میں ہو رہا ہو یا ٹی وی میں یا اسٹیج ڈراموں میں، پاکستان میں یا بین الاقوامی اسٹیج پر، اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ اور دوسرا یہ کہ جو آزادی ہمیں کسی حد تک میسر ہے اور مغرب اس کا پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ ہم آزادی دیتے ہیں تبلیغ کی اور اظہار رائے کی تو مسلمانوں کو اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری دنیا میں قرآن کا پیغام پہنچانا چاہیے۔ اللہ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

دورِ حاضر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں اور وصیتیں

از افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضور اکرم ﷺ کی وہ پر درد نصیحتیں اور وصیتیں جن پر عمل کرنے سے......

- ......اللہ کا قرب نصیب ہوگا
- ......پریشانیاں دور ہوں گی
- ......دین اور دنیا کے مسائل حل ہوں گے
- ......سکون قلب کی لازوال دولت میسر آئے گی
- ......دورِ حاضر کے فتنوں سے بچنا آسان ہوگا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبۃ:۱۲۸)

صدق اللہ العلی العظیم

حضور ﷺ کی صفات

قابلِ احترام مسلمان بھائیو اور بہنو! میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیات میں سے ایک آیت کی تلاوت کی ہے جس میں اللہ نے ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ

تمہارے پاس ایک عظیم رسول آیا

پہلی صفت:......جس کی پہلی صفت یہ ہے کہ

مِنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کہ وہ تمہاری جنس میں سے ہے

نہ وہ جنوں میں سے ہے اور نہ وہ فرشتوں میں سے ہے بلکہ انسانوں میں سے ہے۔

اور اگر ہم کہیں کہ یہ خطاب عربوں سے ہے تو اللہ تعالیٰ عربوں پر احسان جتلا رہے ہیں کہ میرا آخری پیغمبر، عظیم الشان پیغمبر تم میں سے ہے اور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین، سید المرسلین کا عربوں میں سے ہونا یہ عربوں کے لیے باعث فخر ہے، باعث اعزاز ہے اگر بالفرض حضور اکرم ﷺ اردو بولنے والوں میں سے آجاتے تو یہ اردو بولنے والوں پر بڑا احسان ہوتا، ہندی بولنے والوں میں سے آجاتے تو ان پر بڑا احسان ہوتا، دنیا کے کسی اور زبان بولنے والوں میں سے آجاتے تو ان پر بڑا احسان ہوتا، دنیا کی کسی اور زبان بولنے والوں میں سے آجاتے تو ان پر بڑا احسان ہوتا تو اللہ نے عربوں پر بڑا احسان کیا کہ اپنا آخری پیغمبر عربوں میں بھیجا ہے تو پہلی صفت یہ بیان فرمائی۔ مِنۡ اَنۡفُسِكُمۡ کہ میرا نبی تم ہی میں سے ہے۔

دوسری صفت:......فرمایا:

عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ

یہ میرا نبی ایسا ہے کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالے میرے نبی پر بڑی گراں گزرتی ہے۔

جو عمل جو بات تمہیں مشقت میں ڈالے جس کی وجہ سے تمہیں تکلیف ہو وہ میرے نبی پر بڑی گراں گزرتی ہے۔

حضور ﷺ کا امت کے لیے آسانی کے طلبگار تھے

چنانچہ نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے آسانی کے طلب گار تھے، مشکل کے نہیں۔ اپنے لیے عزیمت کا راستہ اختیار فرماتے تھے، اور اپنی امت کے لیے رخصت کا راستہ اختیار فرماتے تھے۔ خود مسلسل روزے رکھتے تھے اور صحابہ نے جب مسلسل روزے رکھنا چاہے تو منع فرمادیا اور فرمایا کہ

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ

تم میں سے کون میرا جیسا ہو سکتا ہے

یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ

میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے

روحانی غذائیں کھلاتا ہے، معرفت کی شراب پلاتا ہے تم میرے مقام تک نہیں پہنچ سکتے لہٰذا تمہیں مسلسل روزے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک رات صلوۃ التراویح آپ ﷺ نے شروع کی، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اندر بڑا شوق، صحابہ پوری رات بیٹھے ہوئے ہیں حضور آئے ہی نہیں فرمایا کہ اس لیے نہیں آیا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ذوق وشوق کو دیکھ کر اللہ تراویح کی نماز تم پر فرض کر دیں اور اگر فرض ہوجاتی تراویح کی نماز تو پھر تمہیں بڑی مشکل پیش آتی۔ ہم تو فجر کے دو فرض نہیں پڑھ سکتے اور عشاء کی چار رکعت نہیں پڑھ سکتے اگر بیس رکعات فرض ہوجاتی جن کا انکار کرنے والا کافر ہوتا اور جن کا چھوڑنے والا فاسق ہوتا تو آپ سوچیے کہ کتنی مشکل پیش آتی۔

ایک حدیث میں اللہ کے نبی نے مسواک کے بارے میں فرمایا:

لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ۔

اگر میری امت پر مشقت نہ ہوتی تو میں اپنی امت پر ہر نماز کے وقت مسواک کرنا فرض کر دیتا

لیکن! میں نے فرض نہیں کیا ترغیب دیتا ہوں اور ترغیب بھی اتنی دی کہ فرمایا وہ نماز جو مسواک کے بعد پڑھی جاتی ہے اس کی فضیلت بغیر مسواک کے پڑھی ہوئی نماز پر ستر گنا زیادہ ہے، ترغیب تو دی لیکن فرض نہیں کیا کہ اگر حضور ﷺ مسواک کرنا فرض کر دیتے تو امت کو بڑی مشکل پیش آتی کہ مسواک کا تارک فرض کا تارک ہوتا جو کہ بہت بڑا گناہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا نبی ایسا ہے

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ

جو عمل، جو بات، جو حکم تمہیں مشقت میں ڈالے وہ میرے نبی پر بڑا گراں گزرتا ہے، میری نبی کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

تیسری صفت:......فرمایا:

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ میرا نبی تم پر حریص ہے

عَلَیْکُمْ یہ حرص کی شدت کو بیان کرنے کے لیے ہے، میرا نبی تم پر بہت زیادہ حریص ہے کس بات کا حریص؟ کہ میری امت کے لوگ مجھے ہدیے دیں، نذرانے دیں، میری مالی مدد کریں نہیں بلکہ یہ کہ میری امت کے لوگ ہدایت پر آ جائیں، ایمان پر آ جائیں، دعوت پر آ جائیں قرآن کو سینے سے لگا لیں، روٹھے ہوئے اللہ کو منالیں، یہ ہے حرص۔

ابو جہل سے انتقام لینے پر حضور ﷺ کا خوش نہ ہونا

ایک دفعہ ابو جہل لعین نے حضور اکرم ﷺ کی پٹائی کر دی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو

پتا چلا، گئے اور جا کر ابو جہل کی پٹائی لگا کر انتقام لے لیا، اور آ کر بتایا کہ اے محمد! پریشان نہ ہوں میں نے آپ کا انتقام لے لیا، قربان جاؤں! اپنے آقا ﷺ کے قدموں کی خاک پر، آقا نے فرمایا چچا مجھے آپ کے انتقام لینے سے خوشی نہیں ہوئی مجھے تو خوشی تب ہوگی جب آپ ایمان قبول کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایمان قبول کرنے کی بھی توفیق عطا فرما دی، یہ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ تم پر حریص ہیں، ہر وقت اس کی فکر کہ یہ ایمان لے آئے، وہ ایمان قبول کر لے وہ اللہ کا بن جائے بس اس کی حرص۔

چوتھی اور پانچویں صفت:...... فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

ایمان والوں پر رؤف ہیں رحیم ہیں

یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور یہ دونوں صفتیں ایسی ہیں کہ خود اللہ نے اپنے لیے بھی بیان فرمائی ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾

اللہ انسانوں پر رؤف الرحیم ہے

اور یہ دونوں صفتیں اللہ نے اپنے حبیب کے لیے بھی استعمال فرمائیں۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

میرے نبی ایمان والوں پر رؤف الرحیم ہیں، بہت شفقت کرنے والا، بہت رحم کرنے والا۔

کتنے ہی واقعات ہیں ایمان والوں کے لیے آپ کی شفقت، آپ کی محبت،

آپ کی رقت اور آپ کی رحمت کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیے جا سکتے ہیں میں چند ایک واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں تفصیل میں نہیں جاتا۔

حضور ﷺ مؤمنین کی تکلیف کا بھرپور احساس رکھتے تھے

حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی چونکہ اس وقت خواتین بھی باپردہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں تو اگر کسی خاتون کے ساتھ بچہ ہوتا اور بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔ کیوں کہ اس بچے کے رونے سے اس کی ماں کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

دوسروں کا قرض اپنے ذمہ لینا

آپ قرض کے معاملے میں بڑے سخت تھے اور اپنی امت کو قرض سے بچنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور قرض سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے، ابتداء میں تو حال یہ تھا کہ جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو پوچھتے تھے کہ اس کے ذمہ کسی کا قرضہ ہے بتایا جاتا ہے تو آپ جنازہ میں شرکت نہیں فرمایا کرتے تھے تاکہ دلوں میں حقوق العباد کی اہمیت پیدا ہو اور قرض سے نفرت پیدا ہو اور جب اللہ نے خوشحالی عطا فرما دی تو حضور ﷺ پوچھتے کہ اس میت کے ذمہ کسی کا قرضہ ہے؟ بتایا جاتا ہے تو حضور ﷺ فرماتے کہ یہ قرضہ میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔

کیوں ایسا کرتے تھے؟ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ایمان والوں پر آپ رؤف الرحیم تھے۔

بچوں سے پیار فرماتے، بچے بعض اوقات دامن پکڑ لیتے آپ چھڑاتے ہی نہیں۔ ان سے محبت کی اور دل لگی کی باتیں کرتے رہتے کیوں کہ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

امت کا غم

امت کے لیے راتوں کو اٹھ اٹھ کر طویل دعائیں فرماتے تھے، رو رو کر دعائیں فرماتے، بعض اوقات امت کے غم اور درد کی وجہ سے سینے سے ایسی آواز نکلتی جیسے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز ہوا کرتی ہے۔

حجۃ الوداع

حجۃ الوداع کے موقع پر گرم موسم تھا اور آپ اونٹنی کی پشت پر سوار تھے میری طرح کسی تخت پر بیٹھے ہوئے نہیں تھے، ہموار جگہ پر نہیں تھے، زمین کے فرش پر بھی نہیں تھے، اونٹنی کی پشت پر اور گرم موسم لیکن اس حالت میں جو دعا کی ہے علماء نے اندازہ لگایا ہے کہ پانچ گھنٹے سے زیادہ لمبی دعا تھی اور حضور ﷺ نے دعا میں کیا مانگا ہوگا؟ میں اور آپ سوچیں! حضور ﷺ نے کیا مانگا ہوگا کیا دولت؟ کیا شہرت؟ کیا اقتدار، کرسی، کوئی منصب، کیا چیز مانگی ہوگی حضور ﷺ نے؟ خدا کی قسم! حضور ﷺ نے اپنی امت کے لیے ہدایت کے علاوہ کچھ نہیں مانگا۔ امت کے لیے عزت مانگی، ہدایت مانگی، اتفاق مانگا، اتحاد مانگا، آخرت کی بخشش مانگی، یہی چیزیں حضور ﷺ اپنی دعاؤں میں اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ بتا یہ رہا تھا کہ امت سے بڑی محبت کرنے والے، امت پر بڑی شفقت کرنے والے، امت پر حریص، رؤف الرحیم، اور امت کے بہت بڑے خیر خواہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کائنات میں زندہ اور

مرحومین میں سے ہمارا سب سے بڑا خیر خواہ وہ اللہ کا رسول تھا۔ نہ والدین، نہ بھائی بہن، نہ بیوی بچے، نہ رشتے دار، نہ استاذ، سب سے بڑے ہمارے خیر خواہ وہ حضور اکرم ﷺ تھے، خیر خواہی کی وجہ سے آپ اپنی امت کو، اس امت کو جو امت اس وقت موجود تھی، اور وہ امت جو آنے والی تھی ان کو موجودہ فتنوں سے بھی ڈراتے تھے، مستقبل کے فتنوں سے بھی ڈرایا کرتے تھے۔

فتنوں سے آگاہی

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے حضرت عمر بن احطب رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فجر کی نماز سے لے کر ظہر کی نماز تک مسلسل آنے والے فتنوں سے آگاہ فرماتے رہے پھر ظہر کی نماز پڑھی بیان کا سلسلہ پھر شروع ہوا عصر تک، اور عصر کی نماز سے مغرب تک گویا کہ فجر سے لے کر نماز کے وقفوں کے علاوہ اور کوئی وقفہ نہیں ہوا اور مسلسل آنے والے حالات اور آنے والے فتنوں کے بارے میں آگاہ فرماتے رہے۔

حضور ﷺ کے مواعظ پُر مغز ہوا کرتے تھے

اور یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ ہماری جو تقریریں ہوتی ہیں ہمارے وعظ، ہمارے بیانات اس میں کچھ تمہیدی باتیں ہوتی ہیں، کچھ اختتامی کلمات ہوتے ہیں اور کچھ دھرتی کی باتیں ہوتی ہیں اور خواہ مخواہ بات کو طول دینے والی باتیں ہوتی ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کی جو تقریریں تھیں، آپ کے جو مواعظ تھے، آپ کے جو

بیانات تھے وہ تو مغز ہی مغز تھے، چھلکا ان میں تھا ہی نہیں۔ آپ اندازہ کیجئے! کہ فجر کی نماز سے لے کر مغرب تک آپ نے جو بیان فرمایا اس میں کیا کچھ نہیں بیان فرمایا ہوگا، چنانچہ صحابی کہتے ہیں۔

وَاَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَبِمَا هُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا

حضور اکرم ﷺ نے ہمیں اس کے بارے میں بتایا جو ہو رہا تھا جو ہو چکا اور جو ہونے والا تھا چنانچہ ہم میں سے زیادہ علم والا وہ ہے جس نے حضور اکرم ﷺ کی ان باتوں کو زیادہ محفوظ رکھا، زیادہ یاد رکھا۔ غرضیکہ ہر وقت آپ کو امت کے دینی اور دنیاوی مسائل اور مصالح کی فکر سوار رہتی تھی۔ اور آپ نے جو بھی وصیتیں اور نصیحتیں فرمائیں وہ حقیقت میں ہر دور کے لیے تھیں۔ ایسا نہیں کہ آج کے دور کے لیے بلکہ ہر زمانے کے لیے وہ وصیتیں تھی۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر امّت کو نصیحت

حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ آپ کے گرد و پیش ایک لاکھ چالیس ہزار سچے پروانے اور سچے عاشق تھے حضور ﷺ نے جو وصیتیں فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی:

فَلَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا، فَلَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا۔

اے مسلمانو! میرے بعد کافر نہ بن جانا۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا

یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

کہ ایک دوسرے ہی کو قتل کرنے لگ جاؤ ایسا نہ کرنا۔

اسی طرح سے آپ نے اسی خطبہ میں نصیحت فرمائی

اَیُّهَا النَّاسُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ الا فاعبدوا ربکم سن لو! تم نے جو کرنا ہے وہ یہ کہ اپنے رب کی عبادت کرنا۔ پانچ نمازیں ادا کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور اگر طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج کرنا یہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نصیحتیں فرمارہے ہیں۔

مرض الوفات میں اُمت کو نصیحت

عین وفات کے وقت جبکہ دنیا سے رخصت ہونے میں چند لمحے باقی ہیں اور آپ کو پتا ہے کہ میں دنیا سے جانے والا ہوں اللہ نے پوچھ لیا میرے حبیب کیا پسند فرماتے ہیں، دنیا میں رہنا یا میرے پاس آنا۔ عرض کر دیا اے اللہ! اب تو میں آپ ہی کے حضور حاضر ہونا چاہتا ہوں تو یقین ہے کہ میں دنیا سے جانے والا ہوں سوچئے! اگر کسی کو یقین ہو تو اس وقت میری زندگی کے چند آخری لحات ہیں تو وہ کیا وصیت کرے گا، کیا نصیحت، ممکن ہے کہ اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرے، اپنے خاندان کے بارے میں وصیت کرے، اپنے کاروبار کے بارے میں وصیت کرے۔

حضور ﷺ نے نماز کی وصیت اُمّت کو انتہائی تاکید سے فرمائی

لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس موقع پر بھی جو وصیت فرمائی آخری وصیت:

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

اے مسلمانو! نماز کی پابندی کرنا، حقوق اللہ میں سے سب سے زیادہ نماز پر زور دیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب اور نماز کے بارے میں سوال

ہوگا۔ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز، تو آخری لمحات میں جو امت کو وصیت فرمائی وہ یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور خود اپنا حال یہ ہے کہ شدت مرض کی وجہ سے غشی طاری ہوجاتی تھی، کئی کنوؤں کا پانی منگوا کر اپنے اوپر ڈلوایا اور جب ہوش آیا تو سب سے پہلے جو فکر تھی وہ نماز کی فکر تھی اور کوشش فرمائی کہ گھر میں نماز نہ پڑھوں بلکہ مسجد میں جا کر نماز پڑھوں چنانچہ دو صحابہ کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھے اور اس حالت میں مسجد کی طرف چلے کہ پاؤں زمین پر ٹکتے نہیں تھے، گھسٹ رہے تھے۔ اس حالت میں بھی جماعت کے ساتھ جا کر نماز پڑھی۔ امت کو تلقین فرمائی کہ نماز کی پابندی کرنا، الصلوۃ الصلوۃ نماز نہ چھوڑنا جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا اس نے کفر کیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تو اس حدیث کا مفہوم بالکل سیدھا سادا بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس نے نماز کو جان بوجھ کر چھوڑا وہ کافر ہوگیا وہ مرتد ہوگیا، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ کفر کا فتویٰ لگانا تو صحیح نہیں، اس کو مرتد کہنا تو صحیح نہیں البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے کافروں والا عمل کیا ہے، نماز کا چھوڑنا مومن کا کام نہیں یہ کافر کا کام ہے آج کتنے مسلمان ہیں جو نماز چھوڑتے ہیں۔ آج کتنے گھرانے ایسے ہیں جن کا ہر فرد پانچ وقت کی نماز کا اہتمام کرتا ہے۔

نمازِ فجر کی اہمیت

بالخصوص متوجہ کرنا چاہوں گا نماز فجر کی طرف، نماز کا ذکر آ گیا تو میں نماز فجر کی طرف متوجہ کرنا چاہوں گا، دیکھنے میں آ رہا ہے کہ بڑے بڑے حاجی اور نمازی بھی

نماز فجر ہضم کر جاتے ہیں، بہت سے لوگ ہیں ہم ان سے شکوہ کرتے ہیں کیا بات ہے فجر کی نماز میں نظر نہیں آتے؟ بڑی بے چارگی سے کہتے ہیں مولوی صاحب! فجر میں نہیں اٹھا جاتا، راتوں کو دیر تک جاگنے کا اور صبح دیر سے اٹھنے کا کلچر بن رہا ہے۔

میں یہاں جو درس دیتا ہوں تو درس سے فارغ ہو کر جو جا رہا ہوتا ہوں تو سوا ایک بجے کا وقت ہوتا ہے تو میں اس وقت دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ اس وقت ناشتہ کا سامان خرید رہے ہوتے ہیں، اس وقت ناشتہ ہو رہا ہے یہ ہمارے ماڈرن ہونے کی علامت ہے ہم کوئی دقیانوسی لوگ نہیں ہیں، قدامت پسند نہیں ہیں، دیہاتی نہیں ہیں، ملاں نہیں ہیں، صوفی نہیں ہیں ہم تو ماڈرن، روشن خیال لوگ ہیں ہمارے ہاں بارہ بجے سے پہلے تو ناشتہ ہی نہیں ہوتا۔ تو نماز فجر بھی کئی نمازی قضا کر دیتے ہیں بہت سے ایسے ہیں جو پڑھتے ہیں لیکن گھر میں پڑھتے ہیں مسجد میں نہیں آتے جبکہ آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جماعت کھڑی کروں اور پھر جو لوگ گھروں میں بلا عذر نماز پڑھتے ہیں جا کر ان کے گھروں کو آگ لگا دوں یہ آقا ﷺ فرما رہے ہیں اور یہاں صورت یہ ہے کہ ہٹے کٹے نوجوان، صحت مند مسلمان مگر مسجد نہیں آتے گھر میں پڑھ لیتے ہیں اور بعض پڑھتے ہی نہیں فجر کی نماز قضاء کر دیتے ہیں تو آخری نصیحت جو فرمائی وہ الصلوٰۃ، الصلوٰۃ یہ حقوق اللہ میں سے اور حقوق العباد میں سے۔

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ اے مسلمانو! اپنے ماتحتوں کے حقوق ادا کرنا جن کو اللہ نے تمہارے نیچے رکھا ہے ان کے حقوق ادا کرنا، بیوی کو شوہر کے ماتحت بنایا ہے اولاد کو والدین کی کفالت میں دیا ہے، پھر ملازمین ہیں، ڈرائیور ہیں، خانسامہ ہے، چوکیدار ہے، مزدور طبقہ ہے، آقا ﷺ فرما رہے ہیں کہ ان کے حقوق کو خیال

کرنا کہ دین کی امارت ان دو چیزوں پر کھڑی ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد۔

کامل مسلمان کون؟

کامل مسلمان تب ہی ہوگا جب حقوق اللہ بھی ادا کرے اور حقوق العباد بھی ادا کرے۔ نمازی ہے ہر سال نفلی عمرے بھی کرتا ہے، نفلی حج بھی کرتا ہے، رفاہی ہسپتال اور ادارہ بھی چلاتا ہے لیکن اپنے ملازمین کے ساتھ بہت سخت ہے ان کے حقوق پورے ادا نہیں کرتا ان کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو وہ کامل مسلمان نہیں ہے۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ سخت سلوک کرنے والوں کے ساتھ قیامت کے دن اللہ بھی ساتھ سخت سلوک فرمائیں گے یہ نصیحت فرمائی اس وقت جب آپ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے یہ حضور اکرم ﷺ کی وصیتیں اور نصیحتیں یہ بڑا وسیع باب ہے۔

ایک تو ہے کتاب الفتن آنے والے فتنوں کے بارے میں حضور ﷺ نے پیشین گوئیاں فرمائیں وہ الگ چیز ہے اور ایک ہے کہ امت کو وصیتیں فرمائیں یہ الگ چیز ہے آج کا چونکہ عنوان نصیحتوں اور وصیتوں کے حوالے سے ہے اس لیے اپنی بات کو اسی تک محدود رکھنا چاہتا ہوں اللہ نے موقعہ دیا تو کسی وقت آنے والے فتنوں کے بارے میں حضور ﷺ نے جو پیشین گوئیاں فرمائی ہیں ان کا بھی ان شاء اللہ العزیز بیان ہوگا۔

خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کی گئی وصیتیں

ان وصیتوں کے بارے میں یہ بھی جان لیجئے! کہ جو وصیت اور نصیحت حضور اکرم ﷺ نے اپنے کسی خاص صحابی کو فرمائی ہے وہ بھی صرف اس صحابی کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ بھی پوری امت کے لیے ہے اسی لیے تو حضور ﷺ فرما رہے تھے اپنے صحابہ

سے اور صحابیات سے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اور بڑی جرأت کی بات ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے جو کچھ تم مجھے کرتے ہوئے دیکھو میری امت کو بتا دو، جو کچھ میری زبان سے سنو میری امت کو بتا دو، بڑے سے بڑا لیڈر بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا اس لیے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو عوام سے چھپانے کی ہوتی ہیں یہ بڑے بڑے خیر خواہ نظر آنے والے اور فقیر درویش اور فنا فی اللہ اور عشاق رسول اور پتا نہیں کس کس لقب کے حامل، اللہ ہی جانے ان کی نجی زندگی کیا ہے اور باہر کی زندگی کیا ہے کوئی جرأت نہیں کر سکتا کہ ہر کسی سے کہہ دے اپنی بیوی سے کہہ دے جو میری زندگی ہے وہ سب کو بتا دو،، اپنے دوستوں سے کہہ دے جو میری نجی زندگی ہے سب کو بتا دو اجازت ہے کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا یہ جرأت اگر تھی تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی، اس لیے کہ آپ ﷺ اپنی اجتماعی زندگی میں بھی امت کے لیے آئیڈیل تھے، اسوۂ تھے، اور اپنی نجی زندگی میں بھی امت کے لیے اسوۂ اور نمونہ تھے، تجارتی زندگی میں بھی نمونہ تھے اور ازدواجی زندگی میں بھی نمونہ تھے تو اگرچہ وہ نصیحتیں اور وصیتیں کسی خاص صحابی کو ہیں لیکن پوری امت کے لیے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو کی گئی نصیحتیں

مثال کے طور پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔ ہائے! کس کس صحابی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ حضور ﷺ کا بڑا محب بھی تھا اور محبوب بھی تھا سارے صحابہ ہی ایسے تھے اور حضور ﷺ کا معاملہ محبت کا تو ایسا تھا کہ ہر صحابی محسوس کرتا کہ سب سے زیادہ محبت تو حضور ﷺ کو میرے ہی ساتھ ہے لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ واقعی بڑے محب اور محبوب صحابی تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عجیب زندگی گزاری

ہے نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا ابوذر! تم اکیلے ہی آ رہے ہو مجھے لگتا ہے اکیلے ہی وفات پاؤ گے اور آخرت میں اکیلے ہی اٹھائے جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بالکل جنگل میں انتقال ہوا اور اس طرف صحابہ کی کوئی چلتی پھرتی جماعت آ گئی تو اس نے جنازہ پڑھ دیا اور وہیں سے اٹھائے جائیں گے فرماتے ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، وصیت فرمائیں فرمایا کہ:

أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ۔

اے ابوذر! میں تجھے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں فَإِنَّهُ أَزْيَنُ لِأَمْرِكَ كُلِّهِ اس لیے کہ تقویٰ تیری ساری زندگی کو خوبصورت بنا دے گا کیونکہ جس شخص کے اندر تقویٰ آ جائے گا تو اس کی ساری زندگی اللہ کی عبادت اور نبی کی اطاعت میں گزرے گی اس کا ظاہر بھی خوبصورت ہوگا اور اس کا باطن بھی خوبصورت ہوگا۔

بتائیے! تقویٰ کا حاصل کیا ہے نہ اللہ کے حقوق میں سے کسی حق کو ضائع کرنا نہ بندوں کے حقوق میں ڈنڈی مارنا اور جس کے اندر یہ چیز آ جائے وہ کتنا خوبصورت ہوگا، اندر سے بھی خوبصورت اور باہر سے بھی خوبصورت، اس کی زندگی میں حسن ہی حسن ہوگا، حقیقی حسن اجلے کپڑوں سے نہیں آتا اور حقیقی حسن قیمتی گھڑیاں ہاتھوں میں باندھنے سے نہیں آتا اور حقیقی حسن لمبی گاڑیوں میں پھرنے سے نہیں آتا اور حقیقی حسن میک اپ سے نہیں آتا، حقیقی حسن تقویٰ سے آتا ہے۔

اللہ نے حج کے ضمن میں فرمایا ایمان والو سے وَتَزَوَّدُوا حج کرنے جا رہے ہو، اجنبی جگہ جا رہے ہو زادِ راہ لیتے جاؤ، توشہ سفر لے کے جاؤ ایسے نہیں جانا اپنی طاقت

کے مطابق توشہ سفر لے کے جاؤ اب زادراہ کیا ہے؟ اخراجات، روپیہ پیسہ، درہم دینار، ڈالر پاؤنڈ، ریال، کپڑا، لتہ، یہ زادراہ ہے لیکن بیچ میں کیا پیاری بات ارشاد فرمادی۔

ارے حاجیو! صرف روپے پیسے اور کپڑے اور بریف کیس اور ڈبوں کے پیچھے نہ پڑے رہنا:

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى

سب سے بہترین توشہ سفر تقویٰ ہے، تقویٰ ضرور لے کر آنا اگر تم نے دوسرا توشہ سفر لے لیا اور تقویٰ نہیں ہے تو تم کنگلے ہو، فقیر ہو اس کا اہتمام ضرور کرو تو فرمایا اے ابوذر! میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ تقویٰ کے ذریعہ سے ساری زندگی میں حسن آجاتا ہے، زینت آجاتی ہے۔

قُلْتُ زِدْنِیْ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا طلب ہے دل میں پیاس ہے عرض کیا:

زِدْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ

کچھ اور وصیت کیجئے فرمایا:

عَلَیْکَ بِتَلَاوَۃِ الْقُرْاٰن

اے ابوذر! قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کیا کرو اگر تم قرآن کی تلاوت کروگے، اللہ کا ذکر کروگے تو پھر آسمان میں تمہارا ذکر ہوگا اور زمین میں تمہارے لیے نور ہوگا۔

قرآن کیا ہے؟ میرے اللہ کا کلام ہے جو اللہ کے کلام سے محبت کرے گا خدا کی قسم! اللہ اس سے محبت کرے گا۔

مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا قصہ

مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری بات لکھی بڑی دل کو لگی اور مولانا کی ساری ہی کتابیں بڑی عجیب ہیں ماشاء اللہ حضرت مولانا نے ایک جگہ لکھا ہے فرمایا کہ میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا ایک صاحب کو دیکھا کہ میری لکھی ہوی کتاب کو بڑی محبت سے، بڑی محویت سے پڑھ رہے تھے فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان کو اپنی کتاب بڑی محبت کے ساتھ پڑھتے ہوئے دیکھا تو میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی اور اللہ والے بھی بڑے عجیب لوگ ہیں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بڑے سبق نکالتے ہیں فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا جب کوئی شخص میری لکھی ہوئی کتاب محبت سے پڑھتا ہے تو وہ میرا محبوب بن جاتا ہے جو اللہ کی کتاب محبت سے پڑھے گا تو کیا اللہ کا محبوب نہیں بنے گا ہائے میرے بھائیو! ہم نے قرآن کی تلاوت چھوڑ دی قرآن کی تلاوت کے لیے وقت نہیں ہے، گھر سُونے ہو گئے، گھر سینما گھر بن گئے، گانے بجانے کی آوازیں ہیں مگر تلاوت قرآن کی آوازیں نہیں ہیں۔

دلوں کا زنگ آلود ہونا اور اس کا علاج

ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا لوگو! دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو پانی سے زنگ لگ جاتا ہے عرض کیا یا رسول اللہ! علاج کیا ہے فرمایا دو علاج ہیں موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، قرآن کی تلاوت کیا کرو، دلوں کا زنگ دور ہو جائے گا آج ہمارے دل زنگ آلود ہیں دل سخت ہو گئے کسی کا دل تو ایسا ہے کہ پورا زنگ آلود ہو گیا، کالا ہو گیا، ہدایت کی بات اثر نہیں کرتی، کسی کا دسواں حصہ، کسی کا آدھا اور کسی کا کچھ زیادہ کسی کے دل میں کچھ تھوڑا سا حصہ

زنگ سے بچا ہوا ہے باقی سارا دل زنگ آلود ہو چکا اور سچ کہتا ہوں ناراض نہ ہونا اکثریت کا یہی حال ہے۔

دلوں کا سخت ہونا بھی عذاب ہے

سن لیں! علماء نے لکھا ہے اللہ کا عذاب صرف پتھروں کے برسنے کا نام نہیں ہے، زلزلے اور سیلاب آنے کا نام نہیں ہے، خنزیر اور بندر بنائے جانا صرف یہی اللہ کا عذاب نہیں ہے، دلوں کا سخت ہو جانا یہ بدترین عذاب ہے، دل سخت ہونے کا مطلب کیا ہے؟ جس کا دل مکمل سخت ہو گیا مکمل کالا ہو گیا تو اب اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کو ہدایت کبھی بھی نہیں مل سکتی یہ وہ عذاب ہے جو کائنات کی بدترین قوم یہودیوں پر نازل ہوا تھا:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ (البقرة:۷۴)

اللہ نے فرمایا کہ تمہارے دل تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں پتھروں سے چشمے بہتے ہیں دور دور کے لوگ سیراب ہوتے ہیں، کسی پتھر سے تھوڑا سا پانی نکلتا ہے قریب کے لوگ سیراب ہوتے ہیں اور کوئی پتھر خود اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے او بدبختو تم تو اشرف المخلوقات ہو، انسان ہو اور آسمانی کتاب کے ماننے والے ہو، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان پتھروں جیسے ہوتے جن سے دور دور کے لوگ سیراب ہوتے ہیں، ان جیسے نہ ہوئے تو ان جیسے ہوتے جن سے قریب کے لوگ سیراب ہوتے ہیں، ان جیسے نہ ہو سکے تو ان جیسے ہوتے جو خود اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے تم ویسے بھی نہ بن سکے۔

دوسری وصیت:...... یہ ہے کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کیا کرو اللہ اکبر،

اللہ سارے صحابہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سب کی قبروں کو نور سے بھر دے نہ وہ حضور ﷺ سے سوال کرتے نہ ہمیں ان جوابات کا پتہ چلتا، نہ وہ حضور ﷺ سے درخواست کرتے وصیتوں کی اور نصیحتوں کی نہ ہم تک یہ وصیتیں اور نصیحتیں پہنچتیں عرض کیا زِدنِي یارسول اللہ کچھ اور نصیحت فرمائیں فرمایا:

عَلَيۡکَ بِطُوۡلِ الصَّمۡتِ

ابوذر! زیادہ خاموش رہا کرو باتیں زیادہ نہ کیا کرو یعنی گفتگو نہ کیا کرو بس کام کی بات۔ اس لیے کہ خاموشی سے شیطان دفع ہوتا ہے اور دین کا حکم اور دین کے تقاضے پورے کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اس لیے کہ زیادہ گفتگو ہوگی تو غلطی بھی ہوگی اور بعض زبان کی غلطیاں ایسی ہوتی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا زبان کی غلطی ہوتی ہے تو انسان کو دوزخ میں لے جاتی ہے آقا ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ دوزخ میں جائیں گے اپنی زبان کی وجہ سے، اپنی مجلسوں کو دیکھیں ہم کتنا بولتے ہیں فضول بولتے چلے جاتے ہیں۔ اور سب سے دلچسپ موضوع ہماری مجلسوں کا دوسرے مسلمانوں کی برائیاں بیان کرنا ہوتا ہے سب سے دلچسپ موضوع جس میں بڑا مزا آتا ہے تو فرمایا ابوذر! زیادہ خاموش رہا کرو۔ قُلۡتُ زِدۡنِي یارسول اللہ۔

تبسم اور قہقہہ میں فرق

عرض کیا، اور وصیت فرمائیں فرمایا:

اِیَّاکَ وَ کَثۡرَةُ الضِحۡکِ

ابوذر! زیادہ قہقہے نہیں لگایا کرو، زیادہ نہ ہنسا کرو

الله فانه یمیت القلب

اس لیے کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرے کا نور ختم ہو جاتا ہے

ایک ہے تبسم۔ مسکراہٹ۔ دل لگی۔ خوش طبعی یہ اور چیز ہے اور ایک ہے قہقہے۔ غفلت کے قہقہے۔ کسی مسلمان کی ذلت پر قہقہے، کسی کو حقیر جان کر قہقہے یہ اور چیز ہے تبسم تو میرے آقا ﷺ کی سنت ہے مسکراتے تو بہت لوگ ہیں مگر اصل مسکرانا تو میرے آقا ﷺ کا مسکرانا تھا ہائے اللہ! اس لیے کہ جس شخصیت کا دل ساری انسانیت کے غم سے بھرا ہوا ہو اور جس کی راتیں آنسو بہاتے ہوئے گزر جاتی ہیں وہ مسکرائے تو وہ مسکراتا ہے، ہمارے جیسے غافلوں کا، بے خبروں کا مسکرانا کیا مسکرانا ہے، ہمیں کس چیز کا غم ہے، کس چیز کا درد ہے، انسانیت کا درد تو کیا ہوگا ہمیں تو اپنا درد بھی نہیں ہے، اپنی اولاد کا درد بھی نہیں ہے ممکن ہے کہ اپنی اولاد کی مادی، دنیاوی ترقی کا درد ہو لیکن روحانی، ایمانی اور دینی ترقی کا درد ہمارے دلوں میں نہیں ہے، ہمارا مسکرانا کیا ہے ہم تو غافل لوگ ہیں، مسکرانا تو میرے آقا ﷺ کا مسکرانا تھا آگ اور پانی کو جمع کر دینا بڑا عجیب معاملہ ہے دل میں آگ لگی ہوئی ہے غم کی آگ، درد کی آگ، دکھ کی آگ کہ یہ لوگ ایمان کیوں قبول نہیں کرتے۔ اللہ کو ترس آجاتا ہے میرا حبیب اتنا نہ دکھی ہو جائیں کہ آپ کی جان خطرے میں پڑ جائے۔ دل میں اتنا دکھ اور پھر چہرے پر مسکراہٹ تو تبسم اور چیز ہے اور قہقہہ اور چیز ہے، دل لگی اور چیز ہے اور تمسخر اور چیز ہے، کسی کو ذلیل کرنا اور کسی کو حقیر جان کر اس پر قہقہے لگانا اور چیز ہے اس سے دل مردہ ہوتا ہے۔

دورِ حاضر کا کلچر

اور آج ہمیں جو کلچر سکھایا جارہا ہے وہ یہ کہ قہقہے لگاؤ چاہے باپ کا مذاق اڑانا پڑے، ماں کا مذاق اڑانا پڑے، دین کا مذاق اڑانا پڑے، نبی کی سنتوں کا مذاق اڑانا پڑے اڑاؤ، بے حیا بن کر قہقہے لگاؤ اور ایسے لوگوں کو فنکار کہا جاتا ہے، قوم کا قیمتی سرمایہ کہا جاتا ہے جو قہقہے لگواتے ہیں، چاہے جائز طریقے سے چاہے ناجائز طریقے سے، فرمایا اے ابوذر! زیادہ نہ ہنسا کرو دل مرجاتا ہے چہرے کا نور ختم ہوجاتا ہے

قُلْتُ زِدْنِی یارسول اللہ میں نے عرض حضور کچھ اور وصیت فرمائیں۔ فرمایا

حق گوئی کی وصیت

قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا

ابوذر! حق بات کہا کرو اگر چہ کڑوی کیوں نہ ہو۔

حق بات کہنا، کوئی بھی معاملہ ہو حق کو نہ چھوڑو لیکن اتنی بات عرض کروں گا کہ حق بات کہی جائے اگرچہ کڑوی ہو مگر صرف حق کے لیے اور حق طریقے سے یہ نہیں حق بات کہتا ہے لٹھ ماری کے انداز سے، حق بات کہتا ہے دوسرے کے سامنے شرمندہ کرنے کے لیے۔ حق بات کہتا ہے اپنے دل میں چھپے ہوئے حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں میں تو حق بات ہی کہتا ہوں اور حق بات کہہ کر آگ لگا دیتے ہیں، حق بات کہہ کر لوگوں کو حق سے متنفر کر دیتے ہیں یہ طریقہ صحیح نہیں ہے بلکہ حق بات کہی جائے مگر صرف حق کے لیے اور حق طریقے سے، حضور ﷺ بھی حق کہتے تھے لیکن صرف اللہ کی رضا کے لیے، اپنے نفس کے لیے

نہیں اور حق طریقے سے کہتے تھے۔

قُلْتُ زِدْنِی یارسول اللہ

میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیں فرمایا کہ:

دین کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا

لَا تَخَفْ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

جب اللہ کا معاملہ ہو، اللہ کے نبی کا معاملہ ہو، اللہ کے دین کا معاملہ ہو اور شریعت کا معاملہ ہو تو پھر ملامت کی پرواہ نہ کرنا لوگ کیا کہتے ہیں تم دین پر چلتے رہو، اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر چلتے رہو اور لوگ ملامت کرتے ہیں، باتیں کرتے ہیں کہ یہ کوئی دور ہے اس طرح کی زندگی گزارنا کا، زمانہ کتنا ترقی کر گیا اور تم وہی پرانے زمانے کی، سوا چودہ سو سال پہلے والی باتیں کرتے ہو، عجیب انداز سے کہتے ہیں ارے مولوی صاحب! سوچیے لوگ آسمان تک پہنچ گئے اور آپ وہی عرب کے بدوؤں والی باتیں اور انہی چیزوں پر اصرار اور انہی چیزوں کی تکرار، ان کی باتیں سن کر تو ایسا لگتا ہے کہ استنجاء صرف اسی وقت تک تھا اب استنجاء کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ انسان بڑا ترقی کر گیا ہے اب ضرورت نہیں ہے استنجاء کرنے کی، اس لیے کہ انسان چاند پر پہنچ گیا اب وضو کی ضرورت نہیں ہے اب نبی کی سنتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

دین اسلام ہر زمانے کے لیے ہے

سورج اور چاند زمین اور آسمان یہ پرانے ہو سکتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم پرانا نہیں ہو سکتا، سب تازہ احکام ہیں، زندہ احکام ہیں ہر زمانے کے لیے،

ہر دور کے لیے، کل بھی عزت اللہ کی عبادت اور اطاعت میں تھی آج بھی عزت اللہ کی عبادت اور نبی کی اطاعت میں ہے، کل بھی سکون اسی میں تھا آج بھی سکون اسی میں ہے، کل بھی پریشانیاں گناہوں میں تھیں آج بھی پریشانیاں گناہوں میں ہیں، اللہ کا اصول نہیں بدلا، اللہ کے اصول جو آدم علیہ السلام کے زمانے کے لیے تھے وہ آج کے لیے بھی ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آخری بار پھر کہا

قُلْتُ زِدْنِي يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ

یارسول اللہ ﷺ! کچھ اور، فرمایا کہ

ہمیشہ اپنی برائیوں پر نظر رکھو

لِيَحْجِزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَّفْسِكَ

بامحاورہ ترجمہ یہ بنتا ہے اے ابوذر! اپنی برائیوں پر نظر رکھو تا کہ تمہیں دوسروں کی برائیاں دیکھنے کا موقع نہ ملے، اپنی کمزوریوں پر نظر رکھو، جب اپنی کمزوریوں پر نظر رکھو گے تو پھر دوسروں کی کمزوریاں نہیں دیکھو گے۔ ہم جو دوسروں کی برائیاں بیان کرتے ہیں تو کیوں؟ اس لیے کہ ہمیں اپنی برائیوں کا ادراک نہیں ہے، احساس نہیں ہے ان پر نظر نہیں ہے ورنہ کہنے والے نے کہا تھا

نہ تھی حال کی جب اپنی خبر
دیکھتے رہے تھے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

جب اپنی برائیوں کو دیکھا تو دل نے گواہی دی کہ سارے تجھ سے اچھے ہیں تو

سب سے برا حال ہے، مگر ہمارا حال یہ ہے کہ اپنی اچھائیوں کو دیکھتے ہیں اور دوسروں کی برائیوں کو بلکہ بعض اوقات اپنی برائیاں بھی اچھائیاں اور دوسرے کی اچھائیاں بھی برائیاں نظر آتی ہیں یہ وصیتیں فرمائیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کی گئی وصیتیں

ایک اور حدیث سنانا چاہوں گا جس میں پانچ وصیتیں ہیں اور بڑی جامع وصیتیں ہیں ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ارے تم میں سے کون ہے جو میری پانچ وصیتوں پر عمل کرلے یا ان لوگوں کو سکھادے جو عمل کرنے والے ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو ہر وقت کے حاضر باش تھے فوراً ہاتھ اٹھادیا۔

اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہ!

میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اتباع میں ہاتھ اٹھا رہا ہوں

اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ﷺ

میں عمل کروں گا ان شاء اللہ۔ بھائی نقل اتار دینی چاہیے اللہ پاک اصل کی بھی توفیق عطا فرمادیں گے۔ لہٰذا سب ہاتھ اٹھادیں (ماشاء اللہ)

اللہ پاک نے الحمدللہ! حج کی سعادت نصیب فرمائی تو جو لوگ وہاں جاچکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اب بھی منیٰ میں وہ مسجد موجود ہے جس مقام پر نبی اکرم ﷺ نے انصار سے بیعت لی تھی جب حضور ﷺ ٹھکانے کی تلاش میں تھے کہ کوئی مکہ سے باہر ٹھکانہ مل جائے اس لیے کہ مکہ والے تو حق بات کہنے نہیں دیتے کوئی ٹھکانہ مل جائے، کوئی لوگ مل جائیں جو میرا ساتھ دیں، میری حفاظت کریں تو پھر اللہ نے

انصار کو منتخب کر لیا حضور ﷺ کی نصرت کے لیے، حضور ﷺ کی محبت کے لیے، حضور ﷺ کی اعانت کے لیے اور حضور ﷺ کی رشتہ داری کے لیے اللہ نے انصار کو منتخب کر لیا تو جس مقام پر انصار نے بیعت کی تھی وہاں پرانی سی مسجد اب بھی ہے بتانا یہ چاہ رہا تھا کہ جب ہم حج کے لیے گئے تو کچھ ساتھیوں کو ہم نے جمع کیا اور سیرت کی وہ عربی کتاب ساتھ لے لی جس میں اصل الفاظ ہیں جن الفاظ میں انصار نے بیعت کی تھی اور حضور ﷺ نے بیعت لی تھی تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ آؤ ہم بھی اس مقام پر بیٹھ کر حضور ﷺ سے بیعت کرتے ہیں، غائبانہ بیعت سہی اللہ اس کو اصل بنادے تو ہم نے وہ بیعت کے الفاظ پڑھ لیے اور اپنے اللہ کو گواہ بنایا اے اللہ! ہم بھی تیرے نبی کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں تو ہماری بیعت کو قبول فرمالے تو اسی طریقے سے میں یہاں کہہ رہا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا انا یا رسول اللہ، اے اللہ کے نبی میں ان پانچ وصیتوں پر عمل کروں گا فرمایا:

پہلی وصیت

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ

اے ابو ہریرہ! جن کاموں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان سے بچ جاؤ تو تم اللہ کی نظر میں سب سے بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے۔

ہم سب سے بڑا عبادت گزار کس کو کہتے ہیں؟ جو سب سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا ہو، فرض نمازیں تو پڑھتا ہے نفلی بھی کوئی نہیں چھوڑے، تہجد اشراق بھی، چاشت بھی، اوابین بھی پڑھتا ہے۔ اللہ نے دیا ہوا ہے ہر سال نفلی عمرہ بھی کرتا ہے، حج بھی کر لیتا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ سب سے بڑا عبادت گزار ہے کمال کا عبادت گزار ہے

بھائی اس کی کوئی نفلی نماز نہیں چھوٹتی تسبیحات کا اہتمام کرتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ سب سے بڑا عبادت گزار ہے لیکن حضور ﷺ کیا فرما رہے ہیں کہ اللہ نے جن کاموں کو حرام کیا ہے ان سے بچ جاؤ تو تم سب سے بڑے عبادت گزار ہو گے۔

میرے بھائیو اور میری بہنو! نفلی نمازیں پڑھنا آسان ہے حرام سے بچنا مشکل ہے، پیٹ کو حرام سے بچانا مشکل، زبان کو حرام سے بچانا مشکل، نظروں کو حرام سے بچانا مشکل، شرم گاہ کو حرام سے بچانا مشکل، یہ ہے مشکل اور اللہ کے نبی ﷺ فرما رہے ہیں کہ جو حرام سے بچے گا وہ اللہ کی نظر میں سب سے بڑا عبادت گزار ہو گا وقت مختصر ہے اس لیے تیزی سے چل رہا ہوں مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ وصیتیں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

دوسری وصیت:

فرمایا:

وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ بِكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسَ

ابو ہریرہ! جو اللہ نے دیا ہے اس پر راضی رہو جو اللہ نے دیا تھوڑا دیا یا زیادہ دیا اس پر راضی رہو تو تم لوگوں میں سب سے بڑے مالدار ہوں گے یہ ہے مالداری۔ مالداری مال و دولت کی کثرت کا نام نہیں ہے، مالداری انسانوں سے بے نیازی کا نام ہے، اللہ کی قضا پر رضا کا نام ہے میرے اللہ مجھے آپ نے جو کچھ دیا ہے میں اس پر راضی ہوں یہ ہے سب سے بڑا غنی۔

تیسری وصیت:

وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا

اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو تم مومن بن جاؤ گے۔

ارے کیا چیزیں ہیں، اللہ کے بندو! آج ہم نے یہ چیزیں زندگی سے نکال دی ہیں دین کی حقیقت ہی نظروں سے اوجھل ہوگئی کہ دین کیا ہے؟ ایمان کے تقاضے کیا ہیں؟ مومن کس کو کہتے ہیں؟ یہ ہم بھول گئے آقا ﷺ فرماتے ہیں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو تم مومن بن جاؤ گے۔

چوتھی وصیت:

وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا

لوگوں کے لیے وہ چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

تو مسلمان بن جاؤ گے۔

اپنے لیے پسند کرتے ہو عزت تو لوگوں کے لیے بھی پسند کرو عزت، اپنے لیے پسند کرتے ہو کہ مجھے اچھے الفاظ سے پکارا جائے تو دوسروں کو بھی اچھے الفاظ سے پکارو۔ اپنے لیے پسند کرتے ہو کہ میری پیٹھ پیچھے کوئی میری برائی بیان نہ کرے تم بھی دوسروں کی پیٹھ پیچھے برائی بیان نہ کرو، اپنے لیے پسند کرتے ہو میرا کوئی نقصان نہ کرے ارے تم بھی کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ، تم مسلمان بن جاؤ گے، یہ ہے مسلمان ہونا، یہ ہے اسلام اور آخری نصیحت وہی جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمائی تھی:

وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ

زیادہ نہ ہنسا کرو

فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ

اس لیے کہ زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے۔

میں بار بار متوجہ کر رہا ہوں کہ قہقہے لگانا اور چیز، مسکرانا اور چیز اور کبھی کبھی ہنسی چھوٹ جانا اور چیز ہے اور ہر وقت غفلت کے ساتھ ہنسنا یہ اور چیز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بعض اوقات کسی معاملہ میں بے ساختہ ہنس پڑتے تھے، ہنسی چھوٹ جاتی تھی، آواز تک نکل جاتی تھی اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کبھی بھی تمہارے ہنسنے کی آواز نہ آئے ایسا ہو سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ ہر وقت اس کو اپنا شعار بنالو، اپنی عادت بنالو اور اپنا کلچر بنالو فرمایا کہ اس سے دل مر جاتا ہے۔

ایک اور حدیث ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا لیکن چاہتا ہوں کہ یہ وصیتیں آپ کے کانوں میں آجائیں اللہ شاید کسی کو عمل کی توفیق دے دے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مزید کی گئی نصیحتیں

مسند احمد میں روایت ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور بڑے عجیب الفاظ ہیں، پیارے سے الفاظ میں کہتے ہیں۔

آمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ

مجھے میرے دوست نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے دوست کون ہیں؟ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

پہلی وصیت:

أَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاكِیْنِ وَالدُّنُوْنِ مِنْهُمْ

حضور ﷺ نے فرمایا ابوذر! مسکینوں سے محبت کرو اور ان کے قریب رہا کرو، مالداروں کی چاپلوسیاں نہ کرو، ان کی خوشامد نہ کرو، اور ان کے قرب کو تلاش کرنے کی

کوشش نہ کرو، فتنہ میں پڑ جاؤ گے، اپنے آپ کو ذلیل کر دو گے، جو مالداروں کے دروازے پر جائے گا، ان کی چاپلوسی کرے گا وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے گا، عالم ہو گا تو علم کی حرمت کو ختم کرے گا، فرمایا مسکینوں سے، عاجزوں سے، دین پر چلنے والے غریبوں سے محبت کیا کرو اور ان کے قریب رہا کرو۔

خود حضور ﷺ کا حال یہ تھا اور دعا تھی اور آپ بھی یہ دعا کیا کریں

اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَ أَمِتْنِي مِسْكِينًا، وَ احْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْن

اے اللہ! جب تک میں زندہ رہوں مسکین بن کر زندہ رہوں مجھے موت آئے تو مسکینی کی حالت میں موت آئے اور اے اللہ! قیامت کے دن مجھے اٹھانا تو مسکینوں میں اٹھانا۔

یاد رکھیں! مسکینوں کا مطلب یہ ہیروئنچی، چرسی اور بھنگی اور یہ ننگ دھڑنگ پھرنے والے ملنگ نہیں ہیں۔

بلکہ مسکین وہ ہے جن کی طبیعت میں تواضع ہو، عاجزی ہو اور مٹے ہوئے لوگ، اللہ کی محبت سے سرشار لوگ، دنیا کے بہت زیادہ حریص اور لالچی نہ ہوں فرمایا کہ ان کے قریب رہا کرو دین بھی محفوظ رہے گا اور عزت بھی محفوظ رہے گی۔

وَ أَمَرَنِي أَنْ أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنِي وَ لَا أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقِيْ

اور میرے خلیل نے میرے دوست نے مجھے حکم دیا ابوذر! نیچے والوں کو دیکھا کرو اوپر والوں کو نہ دیکھا کرو۔

تم سے جو نیچے ہیں ان کو دیکھو اوپر والوں کو نہ دیکھو، اپنی سوچ یہ بناؤ کہ دنیا کے اعتبار سے جو تم سے کمتر ہیں ان کو دیکھو، کہ تمہیں شکر کرنے کی توفیق ملے ارے

میرے اللہ! تو مجھے دو وقت کی روٹی دیتا ہے یہاں ایسے ہیں کہ جن کو ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ میرے اللہ نے مجھے بیٹیاں دی ہیں یہاں ایسے بھی ہیں کہ جن کے پاس نہ بیٹا ہے نہ بیٹی ہے، اللہ نے مجھے گاڑی دی ہے، موٹر سائیکل دی ہے یہاں ایسے بھی جن کو سائیکل بھی میسر نہیں ہے ان کو دیکھو تا کہ اللہ کا شکر ادا کرنے والے بنو۔

تیسری وصیت:

وَأَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَدْبَرَتْ

میرے خلیل نے مجھے حکم دیا رشتہ دار اگرچہ منہ موڑیں تم ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرو۔

چوتھی وصیت:

وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَسْئَلَ أَحَداً شَيْئاً

مجھے فرمایا کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا۔ مستغنی بن کے رہنا۔

پانچویں وصیت:

وَأَمَرَنِي أَنْ أَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا

مجھے وصیت فرمائی حق بات کہنا اگرچہ کڑوی کیوں نہ ہو۔

چھٹی وصیت:

وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أَخَافَ لَوْمَةَ لَائِمٍ

مجھے فرمایا میرے خلیل نے اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا اور:

ساتویں وصیت:

وَأَمَرَنِي أَنْ أُكْثِرَ قَوْلِي لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ مِنْ تَحْتَ الْعَرْشِ

ابوذر! لاحول ولا قوة بہت زیادہ کہا کرو اس لیے کہ یہ عرش کے نیچے کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

لاحول ولا قوة کا کیا معنیٰ ہے؟

اے اللہ میں گناہ سے رک نہیں سکتا جب تک کہ تو توفیق نہ دے اور میں نیکی کر نہیں سکتا جب تک کہ تو توفیق نہ دے۔ تیرے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا میں تو بہت کمزور ہوں، اپنی کمزوری کا اقرار اور اظہار اور اللہ کی طاقت کا اقرار۔ اے اللہ جو ہوگا تیرے کرم سے ہوگا تیری توفیق سے ہوگا تو گناہوں سے بچنا آسان فرمادے اور نیکی کا کرنا میرے لیے آسان فرمادے بہت ساری وصیتیں ہیں کیا کیا عرض کروں۔

دورِ حاضر کے بارے میں حضور ﷺ کی وصیتیں

جسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ دورِ حاضر کے بارے میں بھی ہے وہ سنا کر ختم کرتا ہوں یہ تو میں نے آپ کو بتادیا کہ حضور اکرم ﷺ کی احادیث یہ ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے ہیں آج ہم نے اشتہار میں تو یہ اعلان لگا دیا کہ دورِ حاضر کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی وصیتیں اور نصیحتیں میں سمجھتا ہوں کہ پہلی صدی کے مسلمان بھی اگر یہ عنوان لکھتے کہ عصر حاضر کے حوالے سے حضور ﷺ کی وصیتیں تو بھی بجا تھا اور دوسری صدی اور تیسری صدی، پانچویں، چھٹی، ساتویں صدی کے مسلمان اگر لکھتے دورِ

حاضر کے حوالے سے حضور ﷺ کی وصیتیں تو بھی بجا تھا اور پھر آنے والے زمانے میں میں سمجھتا ہوں پندرھویں صدی، سولہویں صدی، سترویں صدی کے مسلمان اگر لکھیں دور حاضر کے حوالے سے حضور ﷺ کی وصیتیں اور نصیحتیں تو بھی بجا ہوگا، یہ تو تر وتازہ وصیتیں ہیں ہر زمانے کے لیے، ہر زمانے میں ان پر عمل کرنا فتنوں سے بچاتا ہے اور دلوں کو سکون عطا کرتے ہیں، گھروں میں محبت کے چشمے بہتے ہیں، پریشانیاں دور ہوتی ہیں، مسائل حل ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے ہم ایک جگہ اترے کچھ تو خیمے لگانے لگے اور کچھ لوگ تیر اندازی کرنے لگے ایک دن رسول اللہ ﷺ کے منادی نے آواز دی آواز دینے کا دستور یہ تھا آواز یوں دی جاتی تھی

اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ

جب یوں اعلان ہوتا الصلوۃ جامعۃ تو صحابہ سمجھ جاتے کہ آقا ﷺ یاد فرما رہے ہیں سب جمع ہو جاتے فَانْتَهَيْتُ اِلَيْهِ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے

پہلی وصیت

اَيُّهَا النَّاسُ:! اے لوگو مجھ سے پہلے جتنے بھی نبی ہوئے ان پر لازم تھا کہ جو اپنی امت کے لیے خیر جانتے ہیں وہ اپنی امت کو بتادیں اور جس چیز کو شر جانتے ہیں وہ بھی اپنی امت کو بتادیں، ہر نبی پر لازم تھا مجھ پر بھی لازم ہے کہ جو میری امت کے لیے خیر ہے وہ بھی بتادوں اور جو میری امت کے لیے شر ہے وہ بھی بتادوں۔

اس تمہید کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا

اَلَا وَاِنَّ عَافِیَۃَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ فِیْ اَوَّلِھَا

اس امت کا جو پہلا حصہ ہے اس میں تو عافیت تھی اس لیے کہ سب سے بہترین زمانہ صحابہ کا زمانہ اس لیے کہ وہ ایمان کی حفاظت کا زمانہ تھا ایمان کی ترقی کا زمانہ تھا۔

وَسَیُصِیْبُ اٰخِرَھَا بَلَاءٌ وَفِتَنٌ

لیکن میری امت کے بعد والے لوگوں کو بڑی آزمائشوں اور فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایسے فتنے

یُرَقِّقُ بَعْضُھَا بَعْضًا

کہ آنے والے فتنہ پہلے والے فتنے کو ہلکا کر دے گا،

تَجِیْءُ الْفِتْنَۃُ

کوئی بڑا فتنہ آئے گا مومن کہیں گے

ھٰذِہٖ مُھْلِکَتِیْ

اس فتنہ نے تو مجھے ہلاک کر دیا پھر یہ فتنہ چھٹ جائے گا، ہٹ جائے گا دوسرا فتنہ آئے گا تو مومن کہیں گے

ھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ

یہ بہت بڑا فتنہ ہے وہ فتنہ دور ہو جائے گا پھر ایک اور فتنہ آئے گا تو کہیں گے

ھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ

یہ بہت بڑا فتنہ ہے یوں یکے بعد دیگرے فتنے ظاہر ہوں گے اور لوگ آنے والے فتنہ کو پہلے والے فتنہ سے زیادہ بڑا فتنہ سمجھیں گے پھر آقا ﷺ نے فرمایا لوگو!

فتنے تو آتے رہیں گے:

فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ

جو پسند کرتا ہے کہ اسے دوزخ سے بچالیا جائے اور جنت میں داخل کردیا جائے تو وہ تین باتوں پر عمل کرے۔

پہلی بات: یہ فرمایا کہ کوشش کرے موت آئے تو اس حالت میں آئے کہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔

ایمان کی حالت میں موت آئے کوشش یہ کرو، فتنے ہیں اور فتنہ پر فتنے لیکن تم کوشش کرو کہ ایمان پر جمے رہو اور موت ایمان کی حالت میں آئے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی:

یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

(البقرة:آیت ۱۳۲)

دیکھو اللہ نے تمہیں دین کی نعمت عطا کردی اب موت آئے تو اسلام اور ایمان کی حالت میں موت آئے ہماری بھی یہی کوشش ہونی چاہئے موت آئے تو ایمان کی حالت میں موت آئے۔

دوسری وصیت:

وَیَأْتِیْ عَلَى النَّاسِ مَا یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰى اِلَیْهِ

یہ وہی بات ہے جو پہلی حدیث میں بھی آپ پڑھ چکے حضور ﷺ نے فرمایا: دوسری وصیت میری یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ وہ سلوک کرو جو اپنے ساتھ سلوک پسند کرتے ہو۔

تیسری وصیت

اور تیسری وصیت یہ ہے کہ اگر تم نے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے تو اس کی بیعت کا حق ادا کرو اور جو تمہاری طاقت میں ہے اس کی اطاعت کرو فرمایا کہ فتنوں کے دور میں ان تین کاموں پر عمل کرو۔

(۱) کوشش کرو ایمان پر قائم رہو (۲) دوسرے مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو (۳) خواہ مخواہ فتنہ اور فساد نہ پھیلاؤ، بغاوت نہ کرو، امام کی اطاعت کرنے کی کوشش کرو، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم ﷺ کی ایک ایک وصیت پر اور نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین۔

سرورِ دو عالم ﷺ کی اقتصادی تعلیمات

ازافادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروقؓ

۞ ...... معاشی جدو جہد کی اہمیت

۞ ...... ارتکاز دولت کی ممانعت

۞ ...... سودی اور غیر سودی قرضوں کا حکم

۞ ...... پرتعیش اور سادہ زندگی میں حد امتیاز

۞ ...... آپ ﷺ کی یاد منانے کا بہترین طریقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمِ وَصَدَقَ رَسُوۡلُہُ النَّبِیُّ الۡکَرِیۡمِ

حضور ﷺ سارے انسانوں کے لیے رحمت

میرے بھائیو اور بہنو! ربیع الاول کا مہینہ ہے سرورِ دو عالم ﷺ کی ولادت کا مہینہ، اللہ کی نعمتوں میں سے، اللہ کے احسانات میں سے بہت بڑا احسان کہ اس نے ہمیں سرورِ دو عالم ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا اور آپ کی غلامی کا شرف ہمیں بخشا۔ آپ ﷺ سارے انسانوں کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر انسان حقیقت میں انسان بن سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی اتباع اور غلامی سے انسان، اللہ کا محبوب بن سکتا ہے، انسانوں کے مختلف طبقات کے

لیے بھی آپ یقیناً اللہ کی طرف سے رحمت ہیں۔ عورتوں کے لیے رحمت کہ عورت کی جو مختلف حیثیتیں ہیں ماں ہونے کی حیثیت، بہن ہونے کی حیثیت اور بیٹی ہونے کی حیثیت تو آپ نے ہر اعتبار سے ہر حیثیت میں عورت کو قابل احترام اور لائق محبت ہستی قرار دیا۔ آپ بیواؤں کے لیے بھی رحمت تھے اور رحمت ہیں جن کے حقوق پامال کیے جاتے تھے اور جو کسمپرسی کی زندگی گزارتی تھیں اور آپ نے جن بیواؤں کی خدمت اور آسانی کے لیے کوشش کرنے کو جہاد فی سبیل اللہ کرنے کے برابر قرار دیا۔ آپ یتیموں کے لیے بھی رحمت کہ آپ نے یتیم کی کفالت کرنے والے کو یہ خوشخبری سنائی کہ وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا اس طریقہ سے جیسے میرے ہاتھ کی یہ دو انگلیاں ہیں۔ آپ مزدوروں کے لیے بھی رحمت کہ آپ نے مزدوروں کے حقوق بیان فرمائے اور یہ فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے دے دی جائے۔ آپ تاجروں کے لیے بھی رحمت کہ آپ نے ایسے اصول تجارت بیان فرمائے جن پر عمل کر کے تاجر دنیا میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آپ مظلوموں کے لیے بھی رحمت کہ آپ نے فرمایا کہ لوگو! مظلوم کی بددعا سے بچو، اس لیے کہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب اور پردہ نہیں ہے، آپ والدین کے لیے رحمت، کہ آپ نے والدین کے حقوق بیان فرمائے اولاد کو یہ سمجھایا کہ والدین تمہاری جنت بھی ہیں تمہاری جہنم بھی ہیں انہیں خوش کر کے تم جنت کے حقدار بن سکتے ہو اور انہیں ناراض کر کے تم دوزخ کا ایندھن بن سکتے ہو۔ آپ اولاد کے لیے بھی رحمت، کہ اولاد کے بھی آپ نے حقوق بیان فرمائے۔ آپ حیوانوں کے لیے بھی رحمت، کہ آپ نے حیوانوں کے بھی حقوق

بیان فرمائے اور آپ سارے عالم کے لیے رحمت کہ آپ ایسی شریعت لے کر آئے جو دین و دنیا اور جسم اور روح کے سارے مسائل حل کرسکتی ہے۔

اسلام کے اندر رہبانیت نہیں ہے

اور پھر ایسی شریعت کہ جس میں رہبانیت کی تعلیم نہیں دی گئی دوسرے مذاہب کی طرح، بلکہ انسان کو اسی دنیا میں رہتے ہوئے اور سارے رشتوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اللہ کے حقوق ادا کرنے اور اللہ کو خوش کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ صاف فرما دیا ہمارے آقا ﷺ نے: لَا رَہْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ ''اسلام کے اندر رہبانیت نہیں ہے۔،، اللہ کو خوش کرنے کے لیے، اللہ کو پالینے کے لیے، اللہ کی محبت، اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے جنگلوں میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، ویرانوں میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، غاروں میں گوشہ نشین ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بیویوں کو طلاقیں دینے کی ضرورت نہیں ہے، اہل و عیال سے لاتعلقی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ بتایا کہ اسی دنیا میں رہتے ہوئے اسی معاشرہ میں رہتے ہوئے، دکان چلاتے ہوئے، تجارت کرتے ہوئے، ملازمت کرتے ہوئے، کھیتی باڑی کرتے ہوئے، بیوی، بچوں اور والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے تم اللہ کو پاسکتے ہو، اللہ کو راضی کرسکتے ہو، اس کی محبت اور معرفت حاصل کرسکتے ہو اور آخرت کی کامیابی حاصل کرسکتے ہو۔ اللہ نے ترغیب دی، قرآن کریم میں ہے کہ: ''اے لوگو! اللہ سے دنیا بھی مانگو اور آخرت بھی مانگو۔،،

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾

(سورۂبقرہ: ۲۰۱)

اُن لوگوں کی تو مذمت بھی بیان کی جو اللہ سے صرف دنیا مانگتے ہیں اوران لوگوں کی تعریف فرمائی جو اللہ پاک سے دنیا کی بھی اچھائی مانگتے ہیں اور آخرت کی بھی بھلائی مانگتے ہیں۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴿۲۰۱﴾

(سورۂبقرہ: ۲۰۱)

حلال آمدنی اللہ کا فضل ہے

جائز طریقہ سے، حلال طریقہ سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے دنیا کمانے کو اللہ نے اپنا فضل قرار دیا۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اللہ نے اسے اپنا فضل قرار دیا جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں فرمایا:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

(سورۂجمعہ: ۱۰)

''جب نماز جمعہ اداء کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔،، لیکن اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

(سورۂجمعہ: ۱۰)

''کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو۔،،

ایک اللہ والے کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور اللہ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے:

میرے اللہ، آپ نے نمازِ جمعہ کا حکم کیا تھا میں نے نمازِ جمعہ اداء کر لی اور پھر آپ نے حکم دیا کہ میرا فضل تلاش کرو تو اب میں آپ کا فضل تلاش کرنے کے لیے جا رہا ہوں آپ مجھے اپنا فضل عطا فرما دیجئے۔

تو حلال طریقے سے، جائز طریقے سے دنیا کمانے کو اللہ نے اپنا فضل قرار دیا اور خود ہمارے آقا محمد الرسول اللہ ﷺ نے کسبِ معاش کی جو مختلف صورتیں ہیں ان کی فضیلت بیان فرمائی۔ تجارت کی فضیلت تو آپ نے سُن رکھی ہوگی۔ اس قدر فضیلت کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ

اندازہ کیجئے! وہ تاجر جو سچ بولتا ہے اور وہ تاجر جو امانت دار ہے وہ قیامت کے دن نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا۔،،

گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر سچ بولنا آسان ہے، خانقاہ میں بیٹھ کر سچ بولنا آسان ہے، مسجد میں بیٹھ کر سچ بولنا آسان ہے، لیکن دکان پر، مارکیٹ میں، فیکٹری اور کارخانے میں بیٹھ کر سچ بولنا یہ انہی کا کام ہے جنہیں اللہ خاص توفیق عطاء فرماتے ہیں۔ تو ایک مجاہدہ کرتا ہے وہ مارکیٹ میں، دکان میں، فیکٹری اور کارخانے میں سچ بولتا ہے، جھوٹ سے بچتا ہے، خیانت سے بچتا ہے تو اسے بشارت سنائی کہ وہ قیامت کے دن نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ پاک کے ہاں کسی عمل کی قدر و قیمت بڑھتی ہے تو ایک تو اخلاص کی بناء پر اور دوسرا مجاہدہ کی بناء پر۔ جو جتنا مجاہدہ کرتا ہے اتنی ہی اس کے عمل کی قدر و قیمت بڑھتی ہے تو جو دکان پر بیٹھ کر، مارکیٹ میں بیٹھ کر سچ بول رہا ہے، مجاہدہ کر رہا ہے، وہ دیکھ رہا ہے کہ اس کے

آزو بازو میں، اس کے دائیں بائیں لوگ جھوٹ بول کر اپنا سامان چلا رہے ہیں، اپنا سودا بیچ رہے ہیں، لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا کاروبار چلا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس سے متاثر نہیں ہوتا وہ سچائی پر قائم رہتا ہے وہ دیانت داری، امانت پر قائم رہتا ہے۔ اسے بشارت سنائی کہ قیامت کے دن اس کا حشر نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا ان کے جوتوں میں بیٹھنے کے لیے اس کو جگہ ملے گی۔ آپ ﷺ نے زراعت کی فضیلت بیان فرمائی اتنی فضیلت کہ حدیث میں آتا ہے سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:

مَامِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْهُ الطَّیْرُ اَوِ الْاِنْسَانُ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَ بِهٖ الصَّدَقَةُ

"جو کوئی مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی اُگاتا ہے اور اس کے درخت پر لگنے والے پھلوں سے یا اس کی کھیتی سے جانور کچھ حاصل کر لیتے ہیں، یا پرندے یا انسان تو یہ سب اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے"۔ حالانکہ اس کی نیت بھی نہیں کہ جانور آئے کھائے بلکہ وہ تو جانوروں کو روکتا ہے، کوئی پرندہ نہ آجائے، کوئی انسان نہ کھاجائے لیکن اس کے باوجود اسے اللہ پاک اجر وثواب عطاء فرماتے ہیں کہ اس کی کھیتی باڑی سے انسانوں، حیو ں، جانوروں، پرندوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ہمارے آقا ﷺ نے صنعت وحرفت کی فضیلت بیان فرمائی یہاں تک فرمایا کہ "صنعت و حرفت کرنے والے کو اللہ پاک دوست رکھتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔"

کمالِ صنعت پر نبی ﷺ نے دعا فرمائی ہے

مسجد نبوی تعمیر ہورہی تھی ایک صاحب بڑے اچھے طریقے سے گارا بنا رہے تھے

تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے جو صنعت میں کمال پیدا کرتا ہے،، تو اس کے لیے دعا فرمائی۔ یہ دعا ایک مخصوص صحابی کے لیے نہیں تھی بلکہ یہ دعا قیامت تک آنے والے ہر اس مسلمان کے لیے ہے جو صنعت میں کمال پیدا کرتا ہے۔ جب نیت درست ہو تو مسلمان دوسروں کے محتاج نہ ہوں، مسلمان اپنے پیروں پر کھڑے ہوں، مسلمان دوسرے کے مشروب نہ پئیں، مسلمان دوسروں کے برگر نہ کھائیں، مسلمان دوسروں کے بنے ہوئے لباس نہ پہنیں، مسلمان دوسروں کے تیار کئے ہوئے عطریات استعمال نہ کریں، مسلمان دوسروں کی مصنوعات استعمال نہ کریں، اس کی نیت یہ ہے کہ مسلمان خودکفیل ہوجائیں، غیروں سے مستغنی ہوجائیں، جو شخص اس نیت سے صنعت میں کمال حاصل کرتا ہے آج کے دور میں بھی، میں اسے خوشخبری سناتا ہوں کہ اس کے لیے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ اس پر رحم کرے۔ اب حضور ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔ مطلقاً محنت اور مزدوری کی بھی آپ نے فضیلت بیان فرمائی۔

اپنے ہاتھوں سے کمانے کی فضیلت

صحیح بخاری میں حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''انسان اپنے ہاتھوں سے کما کر جو کچھ کھاتا ہے اس سے بہتر کھانا کوئی ہو نہیں سکتا۔،، جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کماتا ہے اور پھر مثال دی حضور اکرم ﷺ نے مثال بھی کس کی، اللہ کے نبی کی۔ فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کماتے اور کھاتے تھے وقت کے بادشاہ تھے اور ایسی بادشاہی کہ آج کے بادشاہ اس بادشاہی کا تصور بھی

نہیں کرسکتے وسائل کے اعتبار سے، وسعت کے اعتبار سے، ثروت و غنٰی کے اعتبار سے، امن، سلامتی اور تحفظ کے اعتبار سے، بے مثال سلطنت ان کو حاصل تھی لیکن اس کے باوجود حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے، اپنے ہاتھوں سے زرہیں بناتے۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑪

(سورۂ سبا: ۱۱)

اللہ کہتا ہے ''ہم نے سکھایا (داؤ د کو ہم نے سکھایا کہ تم یوں زرہیں بناؤ)''، آج کوئی سوچ بھی سکتا ہے کہ اللہ کا نبی اور زرہیں بناتا تھا یعنی فیکٹری اور کارخانے میں کام کرتا تھا۔

ایک عمومی غلط فہمی

ہمارا تو تصور یہ ہے کہ اللہ والا ہو اس کا فیکٹری سے کیا تعلق؟ اللہ والے کا صنعت وحرفت سے کیا تعلق؟ اللہ والے کا ہتھیار بنانے سے کیا تعلق؟ مشین کے پرزے بنانے سے کیا تعلق؟ یعنی ایسے شخص کو تو اللہ والا ہم کبھی سمجھیں گے ہی نہیں کہ یہ بھی اللہ والا ہوسکتا ہے؟ جو خود کام کرتا ہے؟ اللہ اکبر۔ کیسی سوچ بدل گئی، ہماری سوچ یہ بن گئی کہ اللہ والے وہ ہوتے ہیں جو نکمے ہوں، اللہ والے وہ ہوتے ہیں جو غیروں کے نذرانوں پر پلتے ہیں، زکوٰۃ پر پلتے ہیں، صدقات پر پلتے ہیں، خیرات پر پلتے ہیں، چندہ پر پلتے ہیں، ہماری سوچ تو یہ بن گئی وہ کچھ کرتے کراتے نہیں ہیں، فارغ بیٹھے رہتے ہیں۔

انبیاء بھی کسبِ حلال کے لیے دنیاوی پیشہ اختیار کرتے تھے

اور جبکہ ہمارے آقا ﷺ، اللہ والوں کے سردار، اللہ والوں کے سردار کے بارے میں بتارہے ہیں کہ جتنے بھی اولیاء اللہ ہیں یہ سارے بھی مل جائیں تو کسی ایک نبی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ: اللہ والوں کا جو سردار تھا اللہ کا نبی وہ ہاتھوں سے کما کر کھاتا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیشہ

نہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام بلکہ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام، وہ بھی بعض روایات میں آتا ہے کہ: سلطنت حاصل ہونے کے باوجود ٹوکریاں بناتے تھے اور زنبیلیں بنا کر بیچتے تھے اور اپنا پیٹ پالتے تھے، ایک طرف سلطنت ایسی صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنوں پر، حیوانوں پر، پرندوں پر بھی حکم چلتا ہے۔ جنّ ان کے تابع ہیں سمندر میں کام کرتے ہیں ان کے حکم سے اور تعمیرات کرتے ان کے حکم سے، مزدوری کرتے ہیں ان کے حکم سے، پرندے ان کے ساتھ چلتے ہیں، حیوان ان کی بات مانتے ہیں، ان کی بولی آپ سمجھتے ہیں، لیکن دوسری طرف حال یہ کہ وہ اپنا پیٹ پالتے تھے ٹوکریاں بنا کر، رزق حلال کے لیے محنت کرتے، مختلف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے حوالے سے احادیث میں مختلف پیشوں کا ذکر ہے۔ وَاللہُ أَعْلَمُ بِالصَّوَاب

حضرت نوح علیہ السلام کا پیشہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ نجار تھے، بڑھئی تھے اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جہاز انہوں نے خود بنایا، بحری جہاز بنایا قرآن کریم میں ذکر ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

اللہ نے کہا ہماری نگرانی میں جہاز بناؤ۔ چنانچہ جہاز بنایا۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ

(سورۂ ھود:۳۷)

وہ جب جہاز بنا رہے تھے میں جہاز اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تفسیروں میں جو اس کشتی کی تفصیل لکھی ہوئی ہے کہ اتنی لمبی تھی، اتنی چوڑی تھی اور اتنی اونچی تھی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چھوٹی موٹی کشتی نہیں تھی بلکہ پورا جہاز تھا۔ تو جب جہاز بنا رہے تھے تو لوگ ان کے پاس سے گزرتے قرآن کہتا ہے مذاق اڑاتے تھے:

سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

(سورۂ ھود آیت ۳۸)

آج تم مذاق اڑا رہے ہو کل ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے تو انہوں نے جہاز بنایا۔ بڑھئی تھے، نجّار تھے۔

مختلف انبیا کا پیشہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ معماری کا کام کرتے تھے اور کپڑے سیتے تھے، درزی تھے۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تاجر تھے، حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اللہ اکبر۔ مختلف پیشے اختیار کر رکھے ہیں اور دین کی دعوت کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں اور پھر ڈنکے کی چوٹ پہ یہ کہتے ہیں لوگوں کو۔

لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا

(سورۂ شعراء: ۱۰۹)

''میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔،، کوئی اجرت نہیں مانگتا۔

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

''مجھے تو اجرت لینی ہے اپنے اللہ سے۔،، تم سے اجرت نہیں لینی''۔

اولیاء بھی حرفت دنیاویہ اختیار کرتے تھے

یہ صرف انبیاء کا حال نہیں ہے وقت نہیں ہے کہ میں آپ کو بتاؤں۔ ہمارے جو بڑے بڑے محسن گزرے ہیں تاریخ کے اندر، فقہ میں، تصوف میں، مختلف علوم اور فنون میں۔ ان سب کے بارے میں، اکثر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذریعہ معاش کے لیے کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرر کھا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو تو آپ جانتے ہیں وقت کے بہت بڑے تاجر۔ وہ دین کی خدمت کے لیے لوگوں سے چندہ تو کیا کرتے، انہوں نے امت کے مسائل حل کرنے کے لیے جو ایک پوری اکیڈمی بنا رکھی تھی اور اس اکیڈمی میں مختلف قسم کے علماء، فقہاء، ادباء جمع کر رکھے تھے ان سب کے اخراجات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود برداشت کرتے تھے یہ نتیجہ تھا کس بات کا؟ کہ نبی اکرم ﷺ نے معاشرتی جدوجہد اور کسب معاش کے فضائل بیان فرمائے۔

اسلام میں مزدوری کی بھی فضیلت ہے

میں مختلف پیشوں کے فضائل بتا رہا تھا۔ تجارت کے فضائل بتائے، زراعت کے فضائل بتائے، صنعت وحرفت کے فضائل بتائے، مزدوری کے فضائل بتائے۔

بعض اوقات میں سُنایا کرتا ہوں مزدوری کا ذکر آتا ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ:
ایک موقع پر رسول اقدس ﷺ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے غزوہ تبوک کے سلسلے میں، تو اپنا قائم مقام بنایا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قائم مقام بننے کے بعد امت کے مسائل بھی حل کرتے، ان کی خدمت بھی کرتے اور اپنا پیٹ پالنے کے لیے جنگل میں جا کر لکڑیاں بھی کاٹ کر لاتے، دُہری خدمت، دُہری ذمہ داری، دُہرا بوجھ۔ اب جنگل سے لکڑیاں کاٹتے تھے تو ہاتھ کُھردرے ہو گئے۔ جب اللہ کے نبی غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مصافحہ کیا تو آپ نے محسوس فرمایا کہ ہاتھ کچھ کُھردرے ہیں، سخت ہیں، وجہ پوچھی اے معاذ! یہ ہاتھ اتنے کُھردرے کیوں ہیں؟ عرض کیا یا رسول اللہ خدمت کے ساتھ ساتھ اپنا پیٹ پالنے کے لیے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا رہا، اس لیے ہاتھوں میں کُھردرا پن آ گیا۔ میرے اور آپ کے آقا کائنات کے آقا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھ اٹھائے اور ان کو بوسہ دیا اور فرمایا: ہٰذِہٖ یَدٌ لَا تَمَسُّہُ النَّار "یہ وہ ہاتھ ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔،، میں کبھی کبھی عرض کرتا ہوں کہ اس موقع پر کم از کم اس موقع پر حضور ﷺ جو بوسہ دے رہے تھے، ایک حاجی کے ہاتھوں کو بوسہ نہیں ہے، ایک نمازی کے ہاتھوں کو بوسہ نہیں ہے، ایک مزدور کے ہاتھوں کو بوسہ دے رہے تھے جس نے جنگل سے لکڑیاں کاٹیں تو اس کے ہاتھ کُھردرے ہو گئے اور پھر آقا ﷺ صرف دوسروں کو دعوت دینے والے نہیں تھے کہ رزق حلال کماؤ، محنت مزدوری کرو، تجارت وصنعت وحرفت کرو بلکہ خود آپ ﷺ نے عملی طور پر کر کے دکھایا۔

آقائے دو جہاں ﷺ نے بھی حرفت دنیاویہ اختیار کی

آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں، آپ نے تجارت بھی کی ہے، اور اس وقت جبکہ آپ کے ماننے والے بے شمار تھے، آپ پر جان نچھاور کرنے والے، آپ کے اشارہ آبرو پر سب کچھ لٹادینے والے بہت سارے تھے، اس وقت بھی آپ فارغ بیٹھنا پسند نہیں فرماتے تھے، جب بھی کوئی موقع آیا صحابہ مصروف تھے تو حضرت اقدس ﷺ بھی ان کے ساتھ مصروف ہوگئے۔ یاد کیجئے! اُس وقت کو جب مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی اور صحابہ کرام مصروف تھے۔ تو ایسا نہیں ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ایک طرف بیٹھے رہتے، آپ بھی ان کے ساتھ گارا اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، اس طریقہ سے مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لے رہے تھے۔

جب بھی مسجد نبوی کا ذکر آتا ہے تو یہ بتانے کو میرا دل بے ساختہ چاہتا ہے، اللہ پاک نے اس دفعہ حج کی سعادت نصیب فرمائی تو وہاں ایک نمائش لگی ہوئی تھی جس میں مختلف تاریخی یادگاریں پروجیکٹر وغیرہ کے ذریعے سے دکھا رہے تھے اور بعض کے ماڈل بھی انہوں نے بنا رکھے تھے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں یہ جگہ ایسی تھی بدر ایسا تھا، اُحد ایسا تھا اور دسرے مواقع خندق ایسی تھی باقاعدہ یہ ماڈل بھی بنا بنا کے رکھے ہوئے تھے تو مسجد نبوی کا بھی ماڈل بنا کر رکھا ہوا تھا۔ تو اللہ جانتا ہے کہ جب اس ماڈل کو دیکھا تو قلب و دماغ کی عجیب کیفیت ہوگئی اور الحمد للہ وہ اب تک چھایا ہوا ہے دل و دماغ پر، اور اللہ کرے مرتے دم تک چھایا رہے وہ تصور، وہ نقشہ کہ وہ مسجد جس کی تعمیر میں سرورِ دو عالم ﷺ نے خود حصہ لیا، خود گارا اٹھا اٹھا کر لاتے، اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے، پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے، صحابہ نے عرض بھی کیا یا رسول اللہ،

غریب تر ہوتے جائیں۔ اس لیے کہ جیسے جسم کا خون اگر کسی ایک حصے میں منجمد ہوجائے، رُک جائے تو یہ جسم کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے تو اگر دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے تو یہ پوری انسانیت کے لیے ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔

سورہ توبہ میں بھی اللہ نے اس کی مذمت بیان فرمائی فرمایا کہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴

(سورۃ توبہ: ۳۴}

"جولوگ سونا اور چاندی کو جمع کرتے چلے جاتے ہیں اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔"، کہ قیامت کے دن اس مال و دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ذریعہ سے ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا۔ فَذُوْقُوْا چکھو اس کا مزہ جو تم جمع کیا کرتے تھے۔

اسلام نے زکوٰۃ کا حکم دیا، اسلام نے نفلی صدقات کی ترغیب دی، اسلام نے قربانی کو واجب قرار دیا، اسلام نے صدقہ فطر کا حکم دیا، اسلام نے کاشکاروں، زمینداروں کو عُشر کا حکم دیا، اسلام نے قانون الٰہی کے مطابق میراث تقسیم کرنے کا حکم دیا، اسلام نے وصیت کی ترغیب دی، یہ سب اس لیے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ اس کا پھیلاؤ ہوتا رہے، معاشرہ کے دوسرے افراد تک بھی۔ آج دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ جانے کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے کہ دن بدن امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ تفاوت بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

ارتکاز دولت کی لعنت کے اثرات

میں نے ایک سروے دیکھا کہ امریکا کے اندر 1820ء کے اندر صورت یہ تھی کہ تین غریبوں کے مقابلے میں ایک شخص امیر تھا اور 1992ء کے اندر تفاوت اتنا بڑھا۔ اس تفاوت میں اتنا زیادہ اضافہ ہو گیا کہ ایک امیر کے مقابلہ میں 72 غریب ہیں اور آج تفاوت اس سے بھی زیادہ اور ابھی چند دن پہلے میں نے پاکستانی اخبارات میں دیکھا واللہ اعلم بالصواب کہاں تک صحیح تھا؟ سروے صحیح بھی تھا یا نہیں کہ گیارہ افراد امیر ہیں تو ان کے مقابلہ میں 43 افراد وہ غریب ہیں تو یہ سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے کہ امیر، امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہا ہے۔ دولت چند ہاتھوں میں سمٹی جا رہی ہے۔

چند ملٹی نیشنل کمپنیاں ایسی ہیں کہ ان کے پاس اتنے وسائل جمع ہو گئے ہیں کہ وہ اگر چاہیں تو پاکستان جیسے 100 ممالک کو خرید سکتی ہیں۔ ایسے دولت سمٹی جا رہی ہے چند ہاتھوں کے اندر۔

سود کی لعنت اور اس کے اثرات

جبکہ اسلام نے اس چیز کو پسند نہ کیا اور پھر یہ جو سرمایہ دار ہیں ایک طرف تو دولت کو چند ہاتھوں نے محدود کر لیا اس کے بعد ایک سودی نظام کا سلسلہ، بینکاری کا سلسلہ کہ دوسرے لوگوں کو قرضے دیئے جاتے ہیں بظاہر ان کے مسائل حل کرنے کے لیے کہ کوئی کاروبار کرنا چاہے، کوئی مکان بنانا چاہے، کوئی گاڑی خریدنا چاہے، کوئی فیکٹری اور کارخانہ لگانا چاہے تو قرضے دیئے جاتے ہیں، سودی قرضے اور اُن سودی قرضوں کے ذریعہ سے جو کچھ بچا کھچا ہے وہ بھی کھینچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سود تو بہر حال ایک لعنت ہے اور اس وقت موضوع نہیں ہے کہ میں سود کے بارے میں بات کروں۔

اتنا کہنے پر اکتفاء کرتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ نے سود خور کے لیے، سود خوری کے گناہ کے لیے اللہ نے جو وعید بیان فرمائی ہے وہ وعید اللہ نے کسی دوسرے گناہ کے لیے بیان نہیں فرمائی۔،، اس لیے اللہ نے فرمایا:

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

(آل عمران: ۱۳۱)

اے ایمان والو تم آگ سے اپنے آپ کو بچالو وہ آگ جو میں نے تمہارے لیے نہیں کافروں کے لیے تیار کی ہے لیکن اگر تم سود خوری سے باز نہیں آ ؤ گے تو تم اس آگ کے مستحق ہو گے جو آگ میں نے کافروں کے لیے تیار کی ہے۔ ہمارے آقا ﷺ نے سود کا ایک روپیہ، ایک درہم کھانے کو ۳۶ بار بدکاری کرنے بدتر گناہ قرار دیا، اللہ نے سود خوری کو اپنے ساتھ اور اپنے رسول کے ساتھ اعلان جنگ کہا:

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

لوگو بچ جاؤ اس سود سے۔ ورنہ یہ سمجھو کہ یہ میرے ساتھ جنگ ہے اور میرے رسول کے ساتھ جنگ ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جو سودی قرضے ہیں وہ تو ہے ہی لعنت اور اس وقت میں اس بحث میں نہیں پڑتا اور آپ حضرات بھی بارہا اس کی مذمت سن چکے ہوں گے اور حقیقت یہ ہے کہ آج کا بڑا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لوگ جانتے نہیں ہیں، بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لوگ عمل نہیں کرتے۔ جانتے سب کچھ ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ کی معلومات میں بہت زیادہ اضافہ نہیں کر رہا صرف یاددہانی کرا رہا ہوں

جو کچھ آپ نے سُن رکھا ہے جو کچھ آپ جانتے ہیں اس کی یاددہانی کرا رہا ہوں۔ تاکہ کسی کے اندر عمل کا جذبہ، عمل کا داعیہ پیدا ہو جائے تو آج کا مسئلہ معلومات کی اور علم کی کمی نہیں ہے۔ آج مسئلہ عمل کی کمی ہے۔

غیر سودی قرضے بھی بلاوجہ ناپسندیدہ ہیں

تو بھائیو، سودی قرضے ہیں بہت بڑی لعنت۔ مطلقاً قرضے کو بھی بالخصوص وہ قرضے جو تعیشات کے لیے لیے جائیں۔ ہمارے آقا ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا: اَلدَّیْنُ ہَمٌّ بِاللَّیْلِ وَ مَذَلَّۃٌ بِالنَّہَارِ ''قرضہ رات کو پریشانی کا سبب ہوتا ہے اور دن کو ذلت کا سبب ہوتا ہے۔،، قرضہ لے لیا ادائیگی کی فکر ہے، حساس آدمی ہے رات کو بستر پر لیٹا ہوا ہے تو بھی قرضے کی فکر چھائی ہوئی ہے کیسے ادا کروں گا؟ رات کو پریشانی، نیند اڑ گئی، نفسیاتی مریض ہو گیا اس پریشانی میں۔ قرضہ بہت چڑھ گیا اور دن کو ذلت۔ خطرہ ہے قرض خواہ آ جائے گا، سارے محلے کے سامنے آ جائے گا اور اڑوس پڑوس کو پتہ چل جائے گا میں نے قرض لے رکھا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پولیس لے کر آ جائے، بینک والے ایسا کرتے ہیں۔ پولیس کو لے کر آ جاتے ہیں۔

ہم سب نے پچھلے دنوں اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ ایک نوجوان جس کے ذمہ چند لاکھ مجھے اب متعین عدد یاد نہیں چند لاکھ قرضہ تھا۔ پولیس اس کے گھر پر چڑھ دوڑی اور سارے گھر والوں کو پتہ چل گیا کہ یہ بینک کا مقروض ہے تو غیرت کے مارے، شرم کے مارے اس نے اپنے آپ کو پھندا لگا کر خودکشی کر لی۔ کیونکہ ہمارا جو نظام ہے یہ

نظام ایسا ہے کہ اس میں کروڑوں اور اربوں ہضم کر جانے والے مگر مچھوں کو، ذلیلوں کو کوئی نہیں پوچھتا، حرام خوروں کو کوئی نہیں پوچھتا، سب چور، اُچکے، ڈاکو، کھا کھا کر ملک کو، قوم کو، کنگال کرنے والے۔ جب چاہتے ہیں آپس میں سمجھوتا کر لیتے ہیں، ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں، یہ بھی پاک باز وہ بھی پاک باز، جیسے کہتے ہیں:

تو مرا حاجی بگو
من ترا حاجی بگوئ
تم بھی حاجی صاحب، میں بھی حاجی صاحب

اور مجھے تو سچی بات ہے اللہ معاف کر دے مجھے اگر میں غلطی پر ہوں جب میں ان ظالموں کو، مگر مچھوں کو، خونخواروں کو، ڈاکوؤں کو دیکھتا ہوں کہ لٹی ہوئی دولت سے عمرہ کرنے کے لیے جاتے ہیں تو میرا خون کھولتا ہے اللہ جانتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی حرام خور کے لیے کعبہ کا دروازہ بھی کھولا جائے تو اللہ جانتا ہے میرے اگر بس میں ہوتا تو میں اس کا چہرہ نوچ ڈالتا اور جان لیجئے! کہ کعبہ میں داخل ہونا کوئی نجات کی علامت نہیں ہے۔ ابوجہل 100 بار کعبہ میں داخل ہو چکا تھا، ابولہب داخل ہو چکا جب تک کوئی ایمان والا نہیں ہوگا، تقویٰ والا نہیں ہوگا، حلال کھانے والا نہیں ہوگا، کعبہ میں داخل ہونا بھی اس کی نجات کا باعث نہیں بن سکتا۔

تو آپ نے فرمایا کہ یہ قرضے اَلدَّيْنُ هَمٌّ بِاللَّيْلِ وَ مَذَلَّةٌ بِالنَّهَارِ اور آپ تو دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اللہ اکبر۔ میں قربان جاؤں اپنے آقا رسول ﷺ کی قدموں کی خاک پر۔ بھائیو اور بہنو۔ یہ دعائیں یاد کرنی چاہئیں۔ حضور کی دعائیں، مبارک دعائیں، مقدس دعائیں، پر اثر دعائیں، جامع دعائیں، دین اور دنیا کے مسائل کو جمع کرنے والی دعائیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَغَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ:

اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں فقر سے، غم سے، عاجزی سے، سُستی سے، بزدلی سے، بخل سے اور قرض کے مجھ پر چھا جانے سے اور مردوں کے غالب آجانے سے۔،، اے اللہ مجھ پر ایسا قرضہ نہ ہو کہ میں اس قرضہ کو اداء کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہوں، حدیث میں آتا ہے کہ: جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو حضور ﷺ پوچھتے اس مرنے والے کے ذمہ کوئی قرضہ تو نہیں ہے۔ اللہ اکبر۔ کون تھے مرنے والے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور پوری امت کا اتفاق ہے کہ سارے ولی جمع ہو جائیں ایک صحابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

حضور ﷺ مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے

لیکن ذرا معاملہ دیکھئے حضور ﷺ کا۔ پوچھتے اس کے ذمہ قرضہ تو نہیں ہے؟ عرض کیا جاتا: یارسول اللہ، قرضہ تو ہے آپ ﷺ نماز جنازہ ادا نہیں فرماتے تھے۔ صحابہ سے کہتے تم جنازہ پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ ہاں جب خوشحالی کا دور آیا، مال غنیمت کی فراوانی ہوئی پھر یہ کرتے تھے پوچھتے قرضہ ہے؟ عرض کیا جاتا ہے۔ فرماتے: اس کا قرض میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، تب نماز جنازہ ادا فرماتے تھے۔ کیوں ایسا کرتے تھے؟ معاذ اللہ وہ مرنے والے کافر تھے؟ منافق تھے؟ نہیں، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نہیں۔ وہ تو آسمانی رُشد و ہدایت کے ستارے تھے لیکن امت کے دل میں قرض کی نفرت پیدا کرنا تھی کہ مت لو قرضے۔ اور اگر مجبوراً لیتے بھی ہو تو پوری کوشش کرو ایسا انتظام کرو کہ دنیا سے جانے سے پہلے پہلے یہ قرضے ادا ہو جائیں۔ آپ

امت کے دل میں اس کی اہمیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔حقوق العباد کی اہمیت۔دنیا سے اس حال میں نہ جاؤ کہ تمہارے ذمہ کسی بھی انسان کا ایک بھی حق ہو۔

ہائے میرے اللہ کیا تھے ہمارا آقا، ہم نے تو صرف جلسے کر کے، جلوس نکال کر، جھنڈیاں لگا کر اور قمقمے جلا کر یہ سمجھ لیا کہ ہم نے آپ کا حق ادا کر دیا۔نہیں بھائیو! ہم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔کیا تھے ہمارے آقا ﷺ وفات سے چند دن پہلے لوگوں سے پوچھا لوگوں کسی کا میرے ذمے کوئی حق ہو تو بتا دے، ہوسکتا ہے میں بھول گیا ہوں۔اس لیے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا آپ کی خدمت میں مانگنے والے آتے۔آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو کسی سے قرض لے کر دے دیتے۔اس لیے کہ انکار کرنا تو آپ جانتے نہیں تھے۔تو خیال آیا کہ میں نے کسی سے کچھ لیا ہو اور واپس کرنا یاد نہ رہا ہو تو پوچھا: لوگو اگر کسی کا میرے اوپر کوئی حق ہو تو لے لو۔ایک صاحب نے بتایا کہ یا رسول فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے چند دراہم لیے تھے شاید آپ کو یاد نہیں رہا۔آپ نے ادا کرنے کا حکم دیا۔

حقوق العباد کی اہمیت

وہ تو مشہور ہے آپ نے سنا ہوگا ایک صحابی ایسے بھی تھے جنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے ڈنڈی ماری تھی میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا لے لو بدلہ۔لاؤ ڈنڈی، مار لو مجھے عرض کیا جب آپ نے ڈنڈی ماری تھی تو میری پیٹھ ننگی تھی آپ نے قمیص پہن رکھی ہے۔قربان جاؤں اپنے آقا ﷺ کے قدموں کی خاک پر، اپنی پیٹھ مبارک ننگی فرما دی۔فرمایا آؤ، ننگی پیٹھ پر ڈنڈی مار کر بدلہ لے لو، دنیا میں بدلہ لے لو آخرت میں نہیں لینا۔وہ آگے بڑھا اور اس نے آگے

بڑھ کر مہر نبوت پر بوسہ دے دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ، میری جرأت کہاں کہ آپ کے جسم اطہر پر ڈنڈی کا استعمال کر سکوں۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ حقوق العباد کی اتنی اہمیت۔ جنازہ تک نہیں پڑھتے اگر کسی کے ذمہ قرضہ ہوتا ہے۔ شہید، جس کا مقام اتنا بلند کہ اللہ کہتا ہے: ''اسے مردہ مت کہو یہ زندہ ہے،، اس نے زندہ دین کے لیے، اس نے زندہ اللہ کے لیے اپنی جان قربان کی ہے لہٰذا یہ بھی زندہ ہوں گے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

(سورۂ بقرۃ: ۱۵۴)

''وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کا پتہ نہیں کہ کیسی زندگی ہے؟۔،،

ایک صاحب حاضر ہوئے عرض کی: یارسول اللہ اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہوجاؤں میرے گناہ معاف ہوجائیں گے؟ اللہ اکبر۔ فکر تھی اپنے گناہوں کی کہ میرے گناہ معاف ہوجائیں گے؟ فرمایا کہ: ہاں سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ وہ خوش ہوکر واپس پلٹنے لگے تو آپ نے واپس بلایا کہ: ادھر آؤ۔ سارے گناہ معاف ہوجائیں گے اِلَّا الدَّین لیکن اگر کسی سے قرض لے رکھا ہے تو یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ شہید کو بھی یہ گناہ معاف نہیں ہے۔

دورِ جدید میں قرضے کی پرکشش پیش کش کا بڑھتا رجحان

آج ہمیں قرضوں میں مبتلا کرنے کی ان بینکوں نے مختلف ''ورتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ یہ جو کریڈٹ کارڈ کا حد درجہ بڑھتا ہوا استعمال ہے یہ بھی قرضوں کی لعنت میں مبتلا کرنے کے لیے ہے۔ لوگ اس کو اپنی شان وشوکت کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے ہیں

کہ کریڈٹ کارڈ لے کر داخل ہوا دکانوں میں، مارکیٹ میں، ہوٹل کے اندر، بیوی بچوں سمیت، شاپنگ کرتے ہوئے اور کریڈٹ کارڈ دکھایا اور باہر نکل گئے۔تو شان و شوکت کے اظہار کا ذریعہ ہے لیکن قرضوں کی لعنت میں مبتلا کرنے کا ذریعہ اور بینک اسلامی ہوں یا غیر اسلامی سارے کے سارے ترغیب دے رہے ہیں اپنا اپنا بنگلہ بنانے کی، اپنی اپنی گاڑیاں خریدنے کی، جو موٹر سائیکل نہیں خرید سکتا وہ گاڑی پر پھر رہا ہے۔ترغیب کے نتیجے میں۔قرضے لے لے کر، میں اس وقت بینک اسلامی اور غیر اسلامی کی بحث میں نہیں پڑتا اور میں معاشیات کے میدان کا آدمی بھی نہیں ہوں اور واضح طور پر کہہ دیتا ہوں کہ میں اس میں حجت سمجھتا ہوں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو۔بس یہ ہے لیکن جہاں تک یہ چیز ہے کہ تعیش کی عادت، اپنے وسائل سے بڑھ کر زندگی بسر کرنے کی عادت، اس میں اسلامی اور غیر اسلامی بینک سارے شریک ہیں۔سب کی ترغیب یہی ہے کہ اپنی چادر کو نہ دیکھو اور پاؤں کو پھیلا دو۔موٹر سائیکل نہیں خرید سکتے کار خرید لو، جھونپڑا نہیں بنا سکتے، بنگلہ بنا لو، بینک سے قرضہ لے لو۔تعیش کو رواج دے رہے ہیں۔

سودی اور غیر سودی قرضوں کا حکم

یہ جو سوال اٹھایا گیا کہ سودی اور غیر سودی قرضوں کا۔میرے ذہن پر یہ سوال تھا، اس میں اس لئے درج کیا گیا کہ دل میں یہ خیال تھا کہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کو اس طرف متوجہ کروں خدارا! قرض کی لعنت سے بچیں، قرض سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔شدید مجبوری کے تحت اگر قرضہ لیا جائے جائز بھی ہے اور قرضہ دینے کی فضیلت بھی آپ ﷺ نے بہت بیان فرمائی۔ایک حدیث میں آیا کہ رسول

اقدس ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جب شب معراج میں گیا تو میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا: ''صدقہ دینے والے کو دس گنا ثواب ملے گا، قرض دینے والے کو اٹھارہ گنا،، میں نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا: جبرائیل یہ کیا؟ عرض کیا یا رسول اللہ، جو سوال کرنے والے ہوتے ہیں، بعض اوقات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس کچھ ہوتا ہے اور ہمارے دور کے مانگنے والے تو بڑے سرمایہ دار ہیں۔ تو مانگنے والوں کے پاس کچھ ہوتا ہے پھر بھی مانگتے ہیں لیکن جو مخلص آدمی ہے مفلس ہے، ہم جانتے ہیں سفید پوش ہے اور قرض مانگ رہا ہے تو وہ اس حالت میں مانگ رہا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے لہٰذا اسے دینے کا اٹھارہ گنا زیادہ ثواب ہے۔ یہ اعتدال ہے۔ ایک طرف تو قرضہ دینے کی فضیلت بیان فرمائی دوسری طرف قرضہ لینے والے کو خبردار کیا۔ سُن لو اگر دنیا سے اس حال میں چلے گئے کہ تمہارے ذمہ کسی کا قرض تھا تو معاف نہیں ہوگا آج لوگ ڈکار مار جاتے ہیں دوسرے کے حقوق کھا کر۔

فکر ہی نہیں ہے ہضم کر جاتے ہیں جسے کہتے ہیں ''لکڑ ہضم پتھر ہضم،، میں تو کہتا ہوں: کتا ہضم، خنزیر ہضم، حرام ہضم، سب کچھ ہضم ہو جاتا ہے ایسے معدے، ظالم معدے بن گئے، دوسروں کے حقوق جو کھاتے ہیں وہ یاد رکھیں! کہ وہ دوزخ کی آگ بھرتے ہیں۔ مارکیٹوں میں بیٹھے ہیں، کاروبار کر رہے ہیں، دکانوں میں بیٹھے ہیں کاروبار کر رہے ہیں، دھڑلے سے قرضے لے کر دبا کر رکھ رہے ہیں۔ فکر ہی نہیں ہے کہ اداء کرنا ہے۔ قومی بینکوں سے لے رہے ہیں، فکر ہی نہیں ہے کہ قرضے ادا کرنے ہیں۔ تو آقا ﷺ نے منع فرمایا بھائیو، ایسے قرضوں سے۔ تعیشات کے لیے قرضے، نمود و نمائش کے لیے قرضے، اچھی گاڑی خریدنے کے لیے قرضے، اچھا بنگلہ

بنانے کے لیے قرضے اور شادی پر بہت سارا جہیز دینے کے لیے قرضے اور سوسائٹی میں اور اپنے خاندان میں ناک اونچی رکھنے کے لیے قرضے، یہ لعنت ہے جس میں ہم مبتلا ہیں، رواج ہے جس میں ہم مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔

یہ سرمایہ دارانہ نظام کی نحوست ہے نحوست۔ سرمایہ دارانہ نظام نے ہمیں کیا بتایا؟ کہ وسائل تو محدود ہیں اور خواہشات اور ضروریات لامحدود پیدا کریں، ایسی چیزیں جو ہماری ضرورت نہیں ہیں ان کو بھی ضرورت بنا دیا۔ آج ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں جو شاپنگ کرنے جاتی ہیں ان میں ایسی بھی ہیں جن کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میں نے کیا خریدنا ہے، بازار میں جا کر پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی خریدنا چاہئے۔ ضرورت تو وہ ہے کہ گھر بیٹھے بھی معلوم ہو کہ یہ میری ضرورت ہے اور ان پر حیرت ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ ہماری ضرورت کیا ہے؟ ہاں مارکیٹ میں ٹہلتے، ٹہلتے پتہ چل گیا: اوہو یہ بھی میری ضرورت ہے اس کے بغیر تو گھر ہے ہی بے کار، ڈرائینگ روم بے کار ہے اور دوسرے کمرے بے کار ہیں یہ شوپیس ہونا چاہئے اور یہ ہونا چاہئے اور یہ جیولری کا سامان ہونا چاہئے اور ہر دعوت پر نیا جوڑا ہونا چاہئے، نئے زیورات ہونے چاہئیں، میرے خاندان کی عورتیں کیا کہیں گی وہی زیور پہن کر آئی ہے جو پچھلی دعوت میں پہنے تھے۔ اللہ اکبر۔ شرم نہیں آئے گی مجھے سب کے سامنے اور شوہر کو جوش دلاتی ہیں تم کیا منہ دکھاؤ گے سب کے سامنے۔ تو ایسی چیزوں کو ضروریات بنا دیا جو ہماری ضرورت نہیں ہیں۔

پُرتعیش اور سادہ زندگی میں حدِ امتیاز

اسلام نے کیا کہا؟ اسلام نے کہا: خواہشات کو محدود کرو، ضروریات کو محدود

کرو۔ قربان جاؤں اپنے آقا ﷺ کی تعلیمات پر۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَلْيَقِيْنُ وَ الزُّهْدُ وَ اَوَّلُ فَسَادِهَا اَلْبُخْلُ وَ الْاَمَلُ

فرمایا کہ ''اس امت کی اصلاح کی ابتدا ہوگی دو چیزوں سے یقین سے اور زہد سے۔''

زھد کیا چیز ہے؟ میں آسان فہم زبان میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں کہ خواہشات کو محدود کرو ضروریات کو محدود کرلو یہ ہے زہد۔

فرمایا کہ: اس امت کی اصلاح کی ابتداء ہوگی یقین سے اور زہد سے اور اس امت میں فساد کی ابتداء ہوگی بخل سے اور لمبے لمبے منصوبے بنانے سے۔''

بالکل وہی بات ہے جو میں نے آپ سے کہی کہ امت کی اصلاح ہو سکتی ہے کہ ایک تو اندر یقین بن جائے، ایمان بن جائے، قرآن حق ہے، میرا اللہ برحق ہے، میرے اللہ کا کلام برحق ہے، میرے آقا ﷺ برحق تھے، قیامت برحق ہے، حلال میں کامیابی ہے، حرام میں ناکامی ہے، سچ میں کامیابی، جھوٹ میں ناکامی، یہ یقین بن جائے اور دوسرا خواہشات کو لگام ڈالیں۔ ضروریات کو محدود کریں یہ نہیں کہ لامحدود خواہشات، لامحدود ضروریات، اس کا بنگلہ ہے میرا بھی ہونا چاہیے، اس کے ہاں فلاں ماڈل کی گاڑی آئی میرے ہاں بھی آنی چاہیے، اس نے فلاں کلب میں دعوت کی تھی مجھے اس سے بھی مہنگے کلب میں دعوت کرنی چاہیے۔ ارے نہیں، ایسا نہیں خواہشات کو لگام ڈالو، مسائل حل ہوں گے اور فرمایا کہ فساد کب پیدا ہوگا؟ ایک تو بخل سے اور دوسرے لمبے لمبے منصوبے بنانے سے، بخل یہی ہے کہ مال سمیٹنا

جاتا ہے لیکن خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ چند ہاتھوں میں دولت سمٹتی جاتی ہے ارتکاز دولت ہوتا جاتا ہے اور منصوبے بڑے لمبے۔ اتنے لمبے منصوبے ہم نے بنا رکھے ہیں بھائیو کہ اگر نوح علیہ السلام جیسی زندگی بھی مل جائے تو بھی منصوبے پورے نہیں ہو سکتے۔ وہ سادہ سا ایک محاورہ ہے:

سیٹھ جی کو فکر ایک کو دس کیجئے
آیا عزرائیل اس نے کہا حضرت اب بس کیجئے

اب ہمارے تو اتنے لمبے منصوبے، پورے ہو ہی نہیں سکتے۔ لگے ہوئے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ:

اِیَّاکَ وَ التَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ

اے معاذ! تعیش سے بچنا، نزاکت والی زندگی، عیش و عشرت والی زندگی سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش و عشرت والی زندگی نہیں گزارتے، نمود و نمائش والی زندگی اور خود اپنا کیا حال تھا؟ اصل تو یہ ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کا کمال یہ ہے کہ صرف کہا نہیں، کر کے دکھایا، قول بعد میں ہے عمل پہلے ہے۔ آپ ﷺ کا عمل آپ کے قول کی تفسیر تھا۔ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملا کہ یا رسول اللہ ہمیں تو یہ کہا جا رہا ہے اور خود یہ۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ خود یہ حال ہے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے ایک موقع پر دیکھا کہ آقا ﷺ کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال۔ ہے اور وہ سر کے نیچے رکھا ہوا ہے جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے ہیں۔ درخواست کی: یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اُدْعُ اللّٰہ، اے اللہ کے نبی اللہ سے دعا کریں، اللہ آپ کی امت کو بھی مال و دولت

میں ایسے ہی فراوانی کر دے جیسے فارس اور روم کے لیے فراوانی ہے۔ حالانکہ وہ تو اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے ہم تو اللہ کی عبادت کرتے ہیں ہمارے لیے فراوانی ہو جائے۔ اللہ اکبر۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ لیٹے ہوئے تھے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اَبِی فِیْ هٰذَا اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّاب اے خطاب کے بیٹے ابھی بھی تمہاری یہی سوچ ہے؟ اب بھی یہی سوچ رہے ہو کہ ہمارے اوپر فارس اور روم کی طرح دنیا کی فروانی ہو جائے۔

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ لَهُمُ الدُّنْیَا وَلَنَا الْاٰخِرَةِ

''کیا تم پسند نہیں کرتے ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔''

آپ ﷺ کی یاد منانے کا بہترین طریقہ

تو جو کچھ فرمایا اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ تو میرے بھائیو میری بہنو، ربیع الاول کا مہینہ اور ہمارے آج کے اس موضوع میں سوال بھی اٹھایا گیا کہ آپ کی یاد منانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ میں اکثر عرض کیا کرتا ہوں ہم میں سے بعض حضور ﷺ کی یاد مناتے ہیں سال میں ایک دفعہ، اور صحابہ کرام حضور ﷺ کی یاد مناتے تھے ہر دن بلکہ ہر لمحہ، اس لیے کہ وہ ہر ہر قدم پر اتباع کرتے تھے حضور اقدس ﷺ کی۔ جب وہ تجارت کرتے تھے تو حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق تو حضور ﷺ کی یاد آتی تھی۔ اللہ اکبر۔ جب وہ سیاست کرتے تھے حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق تو حضور ﷺ کی یاد آتی تھی، میں کیسے بتاؤں کہ وہ دستر خوان پر بیٹھتے تھے تو حضور ﷺ کی یاد آتی تھی، اور بعض اوقات تو ایسی یاد آجاتی تھی کہ ان

کے لیے کھانا کھانا بھی محال ہو جاتا تھا، ہمارے لیے تو کھانا کھانا اور آسان ہو جاتا ہے، ہم حضور ﷺ کی شان بیان کرتے ہیں نعتیں بھی پڑھتے ہیں، شعر و شاعری بھی کرتے ہیں، تقریریں بھی کرتے ہیں اور آخر میں ڈٹ کر مٹھائیاں اور حلوے بھی کھاتے ہیں تو ہمارے لیے کھانا اور بھی آسان ہو جاتا ہے ان کے لیے کھانا مشکل ہو جاتا تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شدید بھوک ہوتی، دسترخوان پر کھانا چنا جاتا، تشریف رکھتیں، حضور ﷺ کی یاد آجاتی تو رونے لگتیں، فرماتیں: اٹھا کے لے جاؤ، مجھ سے نہیں کھایا جاتا، اس لیے کہ میرے سرتاج ﷺ نے پوری زندگی دن میں دو بار پیٹ بھر کر کھانا کبھی نہیں کھایا۔ آج میرے دسترخوان پر اتنی نعمتیں ہیں، کھانا مشکل ہو جاتا تھا تو انہیں قدم قدم پر حضور ﷺ کی یاد آتی تھی، وہ قدم قدم پر حضور ﷺ کی یاد مناتے تھے، حضور ﷺ کے فرائض کو یاد کرتے تھے، حضور ﷺ کے واجبات کو یاد کرتے تھے، حضور ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے تھے، حضور ﷺ کی یاد آتی تھی، حضور ﷺ کے طریقہ پر جہاد کرتے تھے، حضور ﷺ کے طریقہ پر دعوت دیتے تھے، حضور ﷺ کے طریقہ پر تبلیغ کرتے تھے، حضور ﷺ کے دین کے لیے تڑپتے تھے، سوچتے تھے، روتے تھے، فکر کرتے تھے، منصوبے بناتے تھے، امت کی سربلندی کے لیے سوچتے تھے، حضور ﷺ کی یاد آتی تھی۔ آج ہمیں یاد نہیں آتی۔ ہم تو سال میں ایک دفعہ یاد منا کر اکتفاء کرتے ہیں۔

آخری گزارش

تو بھائیو! نبی کریم ﷺ کی یاد منانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے قول و عمل

میں آپ ﷺ کی تعلیمات کو زندہ کریں، اپنے اقوال میں، اپنے اعمال میں، اخلاق میں، گھر میں، دکان میں، بازار میں، آپ کی زندگی کو، آپ کی سیرت کو، آپ کی تعلیمات کو زندہ کریں اور سب سے زیادہ ضرورت میری نظر میں اس وقت جو اکثر عرض کرتا بھی رہتا ہوں وہ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کو زندہ کرنے کی ہے۔ آپ کے اخلاق کو زندہ کیجئے! آج حضور ﷺ کے اخلاق ہم سے چھوٹ گئے۔ جھوٹ عام ہو گیا، خیانت عام ہوگئی، وعدہ خلافی عام ہوگئی، تو خدرا! ان سے بچیں، حرام سے بچیں، حلال پر اکتفاء کریں۔ جو اللہ کے نبی نے خواہشات کو محدود کرنے والی زندگی ہمیں بتائی اس زندگی کو اپنا ہدف بنائیں۔ یوں حضور اکرم ﷺ کی یاد زندہ ہوگی، میرے بھائیو، میرے عزیزو! آج سارے نظام ناکام ہو چکے اور ان کی ناکامی کا اعتراف ان نظاموں کے بنانے والوں نے کرلیا، کر رہے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں سوشلزم کا جنازہ نکل چکا، کمیونزم کا جنازہ نکل چکا، سرمایہ دارانہ نظام ہل رہا ہے، اس کی بنیادیں ہل چکیں، بینک دیوالیہ ہو رہے ہیں، تباہ ہو رہے ہیں اب دنیا متبادل کی طرف دیکھ رہی ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے متبادل پیش کرنا ہے۔ سرورِ دو عالم ﷺ کا لایا ہوا نظام دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے، یہی نظام دنیا کے مسائل کو حل کرسکتا ہے۔ حضور ﷺ کی غلامی، انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دے سکتی ہے۔ تو اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم سرورِ دو عالم ﷺ کی غلامی کو دل و جان سے اختیار کریں اور ہم سارا سال حضور اکرم ﷺ کی یاد مناتے رہیں۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت مبلغِ اعظم

ازافادات

داعیِ قرآن، مُفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۞ ......بحیثیت مبلغ نبی ﷺ کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟

۞ ......داعی یا مبلغ کیلئے کن صفات کا ہونا ضروری ہے؟

۞ ......دین کی دعوت دینا فرض ہے، واجب ہے یا مستحب؟

۞ ......مکی اور مدنی دور کی دعوت میں کیا فرق تھا؟

۞ ......کیا بے عمل شخص وعظ و نصیحت کرسکتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٦٧

(المائدة ۲۷ پارہ ٦ آیت ٦٧)

وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى : كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

(آلِ عمران آیت: ۱۱۰ پارہ ۴)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمِ

حضور ﷺ کی آمد سے پہلے فساد ہی فساد تھا

قابلِ احترام بھائیو!

جس زمانے میں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث

ہوئے وہ زمانہ بڑا عجیب تھا، ہر طرف فساد ہی فساد تھا، ظلمت ہی ظلمت تھی، ظلم ہی ظلم تھا اور اس دور کی بہترین نقشہ کشی کی ہے۔ خود رب تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾

(سورۃ الروم آیت ۴۱ پارہ ۲۱)

اللہ کہتا ہے ہر طرف فساد تھا، بر میں بھی فساد اور بحرین میں فساد، اور شہروں میں بھی فساد، عوام میں بھی فساد، اور خواص میں بھی فساد، رعایا میں بھی فساد، اور بادشاہوں میں بھی فساد، اور عورتوں میں فساد، مردوں میں فساد اور زندگی کے ہر شعبے میں فساد، عقائد میں فساد، نظریات میں فساد، اعمال میں فساد، اخلاق میں فساد، معیشت میں، معاشرت میں، حکومت میں، سیاست میں ہر جگہ فساد ہی فساد تھا۔

حضور ﷺ کی آمد سے پہلے عالم انسانی نے خودکشی کا ارادہ کرلیا تھا

اور دوسری جگہ میں بھی اللہ پاک نے یہی فرمایا:

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ

(سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳ پارہ ۴)

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، ایک بہت بڑا گڑھا ہے جس میں آگ جلائی گئی ہے، اور اس خندق میں گرنے کی تیاری ایک فرد نے نہیں کی، ایک جماعت نے نہیں کی، بلکہ سارے کے سارے

انسانوں نے اس خندق اور گڑھے میں گرنے اور چھلانگ لگانے کی تیاری کر رکھی ہے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہا ایسے لگتا تھا کہ کسی ایک فرد نے نہیں سارے عالم انسانی نے خودکشی کا ارادہ کرلیا ہے کہ اب ہمیں زندہ نہیں رہنا، یعنی ان کے انداز زندگی سے ایسا لگتا تھا کہ اب یہ مزید زندہ نہیں رہنا چاہتے اور سارے کے سارے خودکشی کر لینا چاہتے ہیں۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا

آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ نے تمہیں اس گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔

اور بچانے کا سبب کون بنا ظاہری طور پر؟ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس کی طرف تھوڑا سا اشارہ اس حدیث میں ملتا ہے جس میں اللہ کے نبی نے فرمایا کہ میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کہ آگ جل رہی ہو اور کچھ پتنگے، کچھ پروانے اور کچھ کیڑے مکوڑے اس آگ میں گرنا چاہتے ہو اور کوئی ان کو ہٹانا چاہتا ہو، لیکن وہ ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہے، تم آگ کے گڑھے میں چھلانگ لگانا چاہتے ہو اور میں تمہیں بچانے کی کوشش کرتا ہوں، کمر سے پکڑ پکڑ کر، منت سماجت کر کے کہ آگ میں چھلانگ نہ لگاؤ بچ جاؤ۔ تو یہ حال تھا اس وقت کے انسانوں نے گویا خودکشی کا ارادہ کیا اور میں نے عرض کیا کہ کسی ایک ملک میں نہیں، کسی ایک خطے میں نہیں، ساری دنیا میں۔ ایران والوں کا بھی یہی حال تھا اور روم والوں کا

بھی یہی حال، چین والوں کا بھی یہی حال، یونان والوں کا بھی یہی حال اور ہند والوں کا بھی یہی حال تھا اور خود جو عرب تھے آپ جانتے ہیں ان کے اندر شاید ہی کوئی ایسی معاشرتی اور اخلاقی برائی ہو جو نہ پائی جاتی ہو، بعض طبعی اور فطری خصوصیات اور اوصاف و کمالات بھی اُن کے اندر تھے، شجاعت تھی، سخاوت تھی غیرت تھی لیکن ان اخلاق کا رُخ بدلا ہوا تھا، شجاعت کا رُخ بدلا ہوا تھا، سخاوت کا رُخ بدلا ہوا تھا، غیرت کا رُخ بدلا ہوا تھا، حمیت کا رُخ بدلا ہوا تھا اور ان کے اندر چوری عام تھی، ڈاکہ زنی عام تھی، آپ کو حیرت ہوگی کہ بڑے بڑے معزز لوگ ڈاکہ زنی کے کارنامے بڑے فخر سے بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے ڈاکہ کیسے ڈالا اور کیسے نقب لگائی اور کیسے لوٹ مار کی اور کیسے صفائی سے میں بچ کر واپس آ گیا۔

حضور ﷺ کی آمد سے پہلے زنا کی کثرت

اس چیز کو سرعام اپنے اشعار میں بیان کیا کرتے تھے، زنا اور بدکاری کا حال یہ تھا کہ بعض گھرانے ایسے ہوتے تھے جہاں جھنڈے لگے ہوتے تھے، مخصوص قسم کے جھنڈے اور ان جھنڈوں کا لگنا اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہاں جو چاہے وہ آ کر اپنی جنسی پیاس بجھا سکتا ہے۔

بدکاری کے اڈے عام، مسافر سفر پر جاتے تھے تو انہیں سفر کے دنوں میں چند یوم کے لئے عورتیں مل جاتی تھیں، خدمت کے لیے بھی اور شہوانی پیاس بجھانے کے لیے بھی، بسا اوقات ایک عورت سے کئی کئی

مردوں کا تعلق ہوتا اور جب اس سے کوئی بچہ پیدا ہو جاتا تو آپ کو سن کر شاید حیرت ہو کہ معززین بیٹھتے تھے، معاذ اللہ! میں ان کو معزز نہیں کہہ رہا میں ان کو اس وقت کے معاشرے کے اعتبار سے معزز کہہ رہا ہوں، وہاں کے سر برآوردہ وہاں کے بڑے لوگ آج کی زبان میں کہہ سکتے ہیں، وہاں کے فنکار لوگ وہاں کے کھلاڑی لوگ، وہاں کے لیڈر لوگ، وہاں کے سرمایہ دار بیٹھتے اس عورت کے اردگرد جس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا اور سب کا اس سے تعلق تھا، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی قیافہ شناس یہ کہہ دیتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے تو وہ بغیر کسی شرم وحیا کے اس بچے کو اپنا بنالیتا تھا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ عورت اشارہ کر دیتی کہ یہ بچہ اس سردار کا ہے چنانچہ وہ اس کو اختیار کر لیتا۔

جیسے آج کے دور میں بالخصوص مغربی دنیا میں اور دین سے بے زار دنیا میں اور مادّیت کی پرستار دنیا میں اور فحاشی اور عریانیت میں ڈوبی ہوئی دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ غلط تعلقات کے نتیجے میں بچے پیدا ہوتے ہیں، اور ان بچوں کی ولادت پر نہ مرد شرم محسوس کرتا ہے نہ عورت شرم محسوس کرتی ہے۔

اور اخباروں میں، میڈیا میں یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ فلاں کھلاڑی، فلاں فنکار، فلاں گلوکار اور فلاں بڑے کا فلاں عورت سے ناجائز تعلق تھا اور اس کے نتیجے میں بچہ نہیں بعض اوقات بچے پیدا ہو جاتے ہیں، کئی کئی بچے، کیوں کہ نکاح کو بوجھ سمجھتے ہیں، نکاح بہرحال ایک ذمہ داری ہے جو اسلام نے ڈالی مرد پر بھی، عورت پر بھی۔ نکاح کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، مرد کے بھی حقوق، عورت

کے بھی حقوق ادا کرنے پڑتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ نکاح کے بندھن میں مقید ہونے کے بجائے آزادانہ زندگی گذاری جائے۔

مجھے جب گذشتہ سال جنوبی افریقہ جانے کا اتفاق ہوا، مجھے وہاں ساتھیوں نے بتایا کہ یہاں کے اکثر لوگ بغیر شادی اور نکاح کے زندگی گذارتے ہیں۔ ایک مفتی صاحب نے بتایا کہ ہمارے ایک جاننے والے غیر مسلم ہیں ان کے غلط تعلقات کی وجہ سے، چار بچے پیدا ہو گئے ایک عورت کے ساتھ ان کا تعلق تھا تو میں نے کہا اب تو نکاح کرلو، کہنے لگے نہیں ابھی بھی مجھے اس عورت پر پورا بھروسہ نہیں ہے کہ یہ ازدواجی حقوق ادا کرسکتی ہے یا نہیں۔

جاہلیت قدیمہ اور جاہلیت جدیدہ

یقین جانیں وہ جاہلیت قدیمہ تھی، یہ جاہلیت جدیدہ ہے یہ اسی جاہلیت کا ایک نیا ایڈیشن ہے، وہی کچھ ہو رہا ہے جو اس وقت ہوتا تھا، شراب نوشی عام تھی اور کتنی عام تھی بعض اوقات بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسے گھٹی میں کھجور اور شہد کی بجائے شراب دی جاتی تھی، یہ خیال تھا کہ گھٹی میں شراب دی جائے گی تو بچہ بڑا بہادر ہوگا اور تاجر صرف اسے کہا جاتا تھا جو شراب بیچتا تھا گویا کہ اصل تجارت شراب کی تجارت تھی، باقی چیزوں کی تجارت ان کی نظر میں تجارت شمار نہیں ہوتی تھی۔شراب بیچنے اور خریدنے والے کو تاجر کہا جاتا تھا۔

حضور ﷺ سارے عالم کے لیے ہدایت ورحمت

یہ وہ ماحول تھا جس میں ہمارے آقا ﷺ نبی بن کر آئے اور جس ماحول کی درستگی اور انسانوں کی تربیت اور تعلیم اور تزکیہ کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ڈالی گئی، میں اور آپ اگر چھوٹا سا محلہ ایسا ہو، گاؤں ایسا ہو جہاں اس قسم کے لوگ ہوں، شراب نوش، زانی اور بدکار، چور اور ڈاکو اور پھر اَن پڑھ، عملی اخلاقی، معاشرتی برائیوں میں مبتلا اور ہمیں کہا جائے اس محلے کو ٹھیک کرنا ہے تو آپ سوچیے! کہ ہمیں کتنا بڑا مشکل کام محسوس ہوگا، اللہ جانتا ہے وہ تو کافر اور مشرک تھے، آج بعض مسلمان اتنے سخت ہوتے ہیں کہ اگر ہمیں کوئی کہہ دے کہ اس کو ٹھیک کرنا ہے تو ایسے معلوم ہوگا جیسے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور میرے اور آپ کے آقا ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اس سارے عالم کو ٹھیک کرنا ہے، یہ حکم نہیں تھا کہ مکہ والوں کو ٹھیک کرنا ہے، بلکہ حکم یہ تھا کہ سارے عالم کو ٹھیک کرنا ہے آپ کو کسی ایک قوم کیلئے نہیں، کسی ایک علاقے کیلئے نہیں، کسی ایک شہر اور بستی کیلئے نہیں، بلکہ سارے عالم کے لئے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

میں سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں اللہ کا رسول ہوں جو ربّ العالمین ہے، وہ ربّ العالمین ہے اور میں رحمۃ للعالمین ہوں، وہ

سارے جہانوں کا ربّ ہے اور میں سارے جہانوں کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہوں تو آپ کی ذمہ داری لگائی تو آپ کپکپا رہے تھے، پریشان تھے۔

حضور ﷺ کی کامیابی میں ازواجِ مطہرات کا کردار

زوجہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو کردار ادا کیا، کہا جاتا ہے کہ ہر مرد کی کامیابی کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے، میرے آقا ﷺ اپنی ذات میں باکمال تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے جو تاریخ انسانی کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا، اس کارنامے کے انجام دینے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ازواج مطہرات کا جو کردار اور حال ہے کوئی کور چشم اور بدنصیب ہوگا جو انکار کرے ورنہ کوئی بھی کھلی آنکھوں سے اور غیر متعصب عقل سے سوچنے والا ان کے کردار سے انکار نہیں کرسکتا۔

پہلے آپ ﷺ نے خفیہ خفیہ دعوت دی، سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی دعوت کو پیش کیا۔ اے خدیجہ! میرے کندھوں پر نبوت کا بوجھ ڈالا گیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ،خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ،الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ،عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ

یہ پانچ آیات ہیں جو ابتداء میں نازل ہوئیں، سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایمان کی دعوت کو پیش کیا اور حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا نے بلا چوں و چراں آپ کی دعوت پر ایمان قبول کر لیا۔

حضور ﷺ کی ذات باکمال تھی

کہا جاتا ہے کہ بڑے بڑے باکمال ایسے ہوتے ہیں کہ باہر کے لوگ ان کے کمال کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان کی بیوی ان کے کمال کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس کے سامنے اپنے شوہر کی بہت ساری کمزوریاں بھی ہوتی ہیں، جو دوسروں کے سامنے نہیں ہوتی، وہ واقعہ آپ نے سنا ہوگا جن کی اہلیہ ہر وقت طعنے دیتی رہتی تھی، کمال تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتی، لیکن قربان جایئے اپنے آقا ﷺ کی سیرت پر، آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ کی طہارت پر، آپ کی نفاست پر، آپ کی زندگی پر کہ جو جتنا زیادہ قریب تھا اس نے اتنی ہی جلدی ایمان قبول کر لیا اور ایمان قبول کرنے میں تاخیر نہیں کی، دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہوگی کہ لوگ تعریف کریں گے کہ فلاں شہر میں، فلاں قصبے میں فلا قبیلے میں ایک بڑی قدآور شخصیت ہے لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ قریب سے جا کر دیکھیں گے تو کچھ بھی نہیں ہوگا، اسے پروپیگنڈہ کہتے ہیں۔ اڑتے نہیں اڑائے جاتے ہیں، پروپیگنڈے کے زور پر اڑا دیا جاتا ہے، ایسے ہیں اور ڈینسے ہیں۔

اس لئے کہ قریبی جو ہوتے ہیں ان کے دِل میں قدر نہیں ہوتی، لیکن

میرے آقا ﷺ کے جو جتنا قریب تھا اس نے اتنی ہی جلدی ایمان قبول کرلیا، سب سے پہلے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایمان قبول کیا، جنہوں نے پندرہ سال گذارے تھے اور جب آپ نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فوراً ایمان قبول کرلیا، دیر نہیں لگائی پھر ایمان قبول کیا اس مخلص اور رازدان دوست نے جس نے بچپن بھی دیکھا تھا اور جوانی بھی ساتھ ہی گذاری تھی، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر ایمان قبول کیا۔

متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (منہ بولے بیٹے) غلام تھے، بطور غلام ہی کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور عام طور پر غلاموں کو مالک سے شکوہ رہتا ہے اور یہ غلام بنا کر پیش کئے گئے، خادم تھے حضور ﷺ نے منہ بولا بیٹا بنالیا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن کریم میں آیا ہے اور کسی صحابی کا نام قرآن میں نہیں آیا، پھر ایمان قبول کیا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے، نو سال کے بچے جن کی تربیت اور کفالت حضور ﷺ نے اپنے ذمے لے لی تھی، یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنہوں نے سب سے پہلے ایمان قبول کیا تھا، اب اللہ نے حکم دیا کہ قریبی رشتہ داروں تک اس پیغام کو پہنچائے

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾

(الشعراء: ۲۱۴)

صرف چند افراد تک اس دعوت کو محدود نہ رکھیں، اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی سمجھائیں۔

چنانچہ آپ نے قریش کے سرداروں کے سامنے اپنی دعوت کو رکھا، ایک دفعہ صفا پر چڑھ کر ان کو اکھٹے کیا، ان سے پوچھا کہ میں نے تمہارے اندر اپنی زندگی کے چالیس سال گزارے ہیں، کیا آج تک تم نے مجھے جھوٹ بولتے ہوئے سنا سب نے بیک زبان کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں یوں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، کہنے لگے تصدیق کریں گے، کیوں نہیں۔

آج تک اے محمد! تم نے جھوٹ نہیں بولا حضور ﷺ کو، صادق اور امین کا لقب دے رکھا تھا، حضور کی ﷺ تعریف کرتے تھے اور تعریف کرنے پر مجبور تھے۔

نام محمد میں ایک عجیب نکتہ

ایک نکتہ بیچ میں یاد آرہا ہے، حضور ﷺ کا نام تھا محمد اور محمد کا معنی ہے (جس کی تعریف کی جائے) محمد کا ایک معنی ہے جس کا ہر جز قابل تعریف ہو۔

اب حضور ﷺ کا نام تھا محمد (جس کی تعریف کی جائے) جس کی تعریف پر انسان مجبور ہو، مشرک بھی کہتے تھے ''محمد''۔

ایک دن ان کے ذہن میں یہ بات آئی، ہم کتنے بیوقوف ہیں اس کو کہتے ہیں ''محمد'' (محمد کا معنی ہے جس کی تعریف کی جائے) تو گویا کہ ہم تو تعریف کر رہے ہیں، ان کے دانشوروں کو، چودھریوں کو اچانک خیال آیا ہم تو خود اپنی زبان سے کہہ رہے ہیں کہ ''محمد'' قابل تعریف محمد کہتے

ہیں تو اب ان میں سے کسی نکتہ ور نے کہا، آج کے بعد ''محمد'' نہیں کہیں گے۔ مذمم کہیں گے۔

''مذمم'' جو قابل مذمت ہے، اللہ اکبر میں قربان جاؤں اپنے آقا ﷺ کی بصیرت پر، بصارت پر، ذکاوت پر، عفو و درگذر پر، اخلاق پر کہ آپ کو صحابہ نے کہا یارسول اللہ وہ آپ کو گالیاں دیتے ہیں، کوئی کہتا ہے مذمم، کوئی کہتا ہے ساحر ہے، کوئی کہتا ہے مجنون ہے، کوئی کہتا ہے مذمم، ایسا ہے ویسا ہے۔

آقا ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ارے تم سنتے ہو:

یشتمون مذمما و أنا محمد

وہ تو مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور میں تو محمد ﷺ ہوں

تو خود انہوں نے اپنی طرف سے یہ بات نکالی کہ انہیں مذمم کہا کریں اور پھر گالیاں دیتے ہیں مذمم کو، حضور ﷺ نے فرمایا دیتے رہو تو مجبور ہیں تعریف کرنے پر، کہنے لگے تصدیق کریں گے۔

حضور ﷺ کی قریبی رشتہ داروں کو دعوت اور ان کا ردِّ عمل اسلام

آپ ﷺ نے فرمایا پھر میں ایک بات کہتا ہوں وہ بھی مان لو کہنے لگے کہو کیا کہتے ہو آپ ﷺ نے فرمایا:

قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ تُفْلِحُونَ

کامیاب ہو جاؤ گے اور ساری دنیا کے مالک بن جاؤ گے اب ایک

دم ان کی زبانیں اٹھی:

تَبًّا لَکَ یَا مُحَمَّد! اِلِھٰذَا جَمَعْتَنَا

اے محمد تباہ ہو جائے کیا یہ بات کہنے کے لئے جمع کیا تھا۔

جب اللہ نے حکم دیا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

(الشعراء:۲۱۴)

آپ اپنے قریبیوں کو سمجھائیں تو آپ نے ایک طریقہ تو یہ اختیار کیا، صفا پر چڑھ کر ان کو جمع کر کے سمجھایا۔

دوسرا طریقہ یہ بھی کیا کہ ان کی دعوت کی، دعوت میں آگئے کھایا پیا اور کھانے کے بعد حضور ﷺ نے اپنی دعوت کو ان کے سامنے رکھا، لیکن سب برا بھلا کہتے ہوئے منتشر ہو گئے اور پھر وہ وقت آیا کہ اللہ نے حکم دیا

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

(سورۃ الحجر آیت:۹۴)

میرے نبی اس دعوت کو کھول کر بیان کر دیں، سرِعام اور مشرکوں کی پروانہ کریں، ہم آپ کیلئے کافی ہو جائیں گے، ہم آپ کا دفاع کریں گے۔

مجمع عام میں دعوتِ اسلام

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے پھر عام لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دی، بعض اوقات میلوں میں جاتے اور وہاں جا کر دین کی بات سمجھاتے، جب

دیکھا کہ مکّہ والے نہیں سمجھ رہے تو آپ طائف تشریف لے گئے کہ شاید طائف والے مان جائیں اور طائف والوں نے وہ کیا جو مکّہ والوں نے بھی نہیں کیا تھا، کسی نے زبان کے نشتر چلائے، زبان کے پتھر مارے اور دِل کو زخمی کیا اور کسی نے پہاڑوں کے پتھر مارے اور جسم کو زخمی کیا، دندان مبارک اور آپ کے نعلین مبارک خون سے تر بتر ہو گئے۔

لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی زبان پر کیا تھا

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے دے یہ جانتے نہیں ہیں۔

تیرہ سال تک آپ نے مکّہ میں دعوت دی، اب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے؟ مدینہ میں بھی دعوت وتبلیغ کا یہ سلسلہ جاری رہا، جس میں انفرادی تبلیغ بھی تھی، ایک ایک کو سمجھانا اور اسی طریقے سے اجتماعی تبلیغ بھی تھی کہ مجمع عام میں عیدین کے مجمع میں یا دوسرے اجتماعات میں آپ ان تک اللہ کا پیغام پہنچاتے۔

تبلیغی وفود کے ذریعے دعوت

تیسرا طریقہ یہ کیا گیا کہ تبلیغی وفود بھیجے گئے، اِدھر اُدھر جہاں پر بھی ممکن ہوا۔ اور چوتھا کام یہ ہوا جب دیکھا کہ بعض لوگ دعوت کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہیں اور مذہبی آزادی کا گلا گھونٹ رہے ہیں، تو پھر تلوار اٹھانے کا بھی حکم دیا گیا کہ تلوار اٹھائیں اور رکاوٹ بننے والوں کی گردنیں

توڑ دیجئے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

(سورۃالحج آیت: ۳۹)

اب اجازت دے دی گئی

تبلیغی خطوط

اور چوتھے نمبر پر آپ نے یہ کیا کہ مختلف ممالک کے حکمرانوں اور سرداروں کو تبلیغی اور دعوتی خطوط لکھے، یمامہ کے حاکم کو خط لکھا اور روم کے قیصر کو خط لکھا، کسریٰ کے بدبخت بادشاہ خسرو پرویز کو خط لکھا، جس نے آپ کا نام مبارک دیکھتے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور میرے آقا کو جب اطلاع ملی فرمایا جیسے اس نے میرے خط کو ٹکڑے ،ٹکڑے کیا ہے، اللہ پاک اس کی بادشاہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ چنانچہ جو نبی ﷺ کی زبان سے نکلا وہ پورا ہو کر رہا۔

اسی طرح آپ نے حبشہ کے نجاشی کو خط لکھا اور چونکہ مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تھی اس لئے یہاں دعوت کا میدان وسیع ہو گیا اب جو احکام نازل ہو گئے، عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے احکام ان کو بھی نافذ کیا گیا اور حدود کا اجراء ہوا اور اسلامی احکام کا اجراء ہوا، زندگی کے ہر شعبے میں نفاذ ہوا، اور اسی سے مسلمانوں کو امن وسکون ملا۔

جملہ معترضہ کے طور پر کہہ رہا ہوں، آج روئے زمین پر ایک

مگر ابھی ایسا نہیں جہاں پر ہم اللہ کے احکام کو، پورے دین کو نافذ کرنے کی کوشش کریں۔

یاد رکھیں! کہ اسلام پوجا پاٹ کا مذہب نہیں کہ چند رسمیں پوری کرو اور ہفتے میں ایک دن عبادت کا نکال دیا، مہینے میں ایک دن نکال دیا جائے، مندر میں جا کر اور گرجے میں جا کر اور دوسرے کلیسا میں جا کر عبادت کر لی جائے تو اس مذہب کا ماننے والا شمار ہوتا ہے کہ اس نے مذہب کو زندہ کر لیا۔

مسلمان کیلئے مذہب یہ ہے

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً۔

(سورۃ البقرہ آیت: ۲۰۸)

اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ

اور کیا فرمایا اللہ پاک نے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ

(البقرہ آیت: ۸۵)

کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

جو ایسا کرتا ہے اس کی سزا کیا ہے۔

اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

دنیا کی زندگی میں رسوائی

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ

اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا

عبادت کرتے رہو، شریعت کے مطابق اور تجارت کرتے رہو ہندو کے مطابق، اور سیاست کرتے رہو انگریزوں کے مطابق اور ساری معاشرت یہودیوں کے مطابق ہو تو اللہ پاک کہہ رہے ہیں، سزا یہی ہے دنیا کی زندگی میں رسوائی اور اس رسوائی سے ہم گزر رہے ہیں اور قیامت کے دن سخت وعید کا وعدہ ہے۔

مدینہ میں چونکہ اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی، لہٰذا یہاں پر دعوت کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا، تبلیغ کی جو خصوصیات تھی۔

حضور کی دعوت کی خصوصیات

پہلی خصوصیت ...... میرے آقا ﷺ کی دعوت کی وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کی دعوت انسانی تجربات پر مبنی نہیں تھی، ذاتی سوچ پر مبنی نہیں تھی جیسے بعض لوگ اٹھتے ہیں کسی نے سوشلزم کی دعوت دی، کسی نے کمیونزم کی دعوت دی، کسی نے جمہوریت کی دعوت دی، ان سے پوچھئے آپ کے پاس نظام کہاں سے آیا، وہ کہیں گے تجربات سے، مشاہدات سے، اور انسانی نظریات سے اور فلسفیوں سے اور خود بخود غور و فکر سے۔

لیکن ہمارے آقا ﷺ نے جو دعوت دی یہ آپ کے ذاتی تجربہ، مشاہدہ اور استفادہ پر مبنی نہیں تھی بلکہ آپ کی دعوت صرف وحی پر مبنی تھی، جو اللہ کہتا تھا وہ آپ بندوں تک پہنچاتے تھے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

رسول اللہ ﷺ نے دعوت کو معاذ اللہ! خود نہیں گھڑا بلکہ رسول اللہ ﷺ پر پیغام اتارا گیا اور رسول نے آگے پہنچایا، اسی لئے جب بعض اوقات یوں کہا گیا کہ آپ اس میں کچھ تبدیلی کرلیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تبدیلی کرنا میرے اختیار میں نہیں ہیں:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ

(سورۂ یونس:۱۵)

جب ان کو قرآن سنایا جاتا تو کہتے کہ یہ تو بڑا سخت قرآن ہے، ہمارے سارے فلسفہ زندگی سے، سارے نظام اور نظریات سے ٹکراتا ہے۔ لہٰذا یا تو آپ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں یا یہی رکھنا ہے تو اس میں کچھ تبدیلی کرلیں تو اللہ نے کیا فرمایا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ

(سورۂ یونس:۱۵)

میرے حبیب فرما دیجئے! میں اس میں تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتا یہ قرآن میرا ذاتی کلام نہیں ہے

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

میں خود اتباع کرنے والا ہوں اس وحی کی جو وحی میرے اوپر نازل کی جاتی ہے۔ اسی طریقے سے اللہ نے سورہ نجم میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

(سورۃ النجم ۴،۳)

میرے نبی! تم تک جو پیغام پہنچا تا ہے تو اپنی خواہش سے نہیں، اپنی سوچ سے نہیں، اپنی فکر سے نہیں بلکہ جو میں وحی کرتا ہوں وہی وحی میرا نبی تم کو پہنچا تا ہے۔

دوسری خصوصیت:...... میرے آقا کی دعوت وتبلیغ کی وہ یہ تھی کہ آپ اپنی دعوت پر کسی اجرت اور معاوضے کے روادار، طلب گار نہیں تھے واضح طور پر فرمایا:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝

(سورۃ ص:۸۶)

کوئی اجرت نہیں چاہتا لیکن کم از کم جو میری تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے اس کا خیال کرو:

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورۃ شعراء:۱۰۹)

میرا معاوضہ صرف اللہ کے ذمہ ہے۔

آپ کی دعوت میں سادگی تھی

تیسری خصوصیت:...... آپ ﷺ کی دعوت کی وہ یہ تھی کہ آپ کی دعوت بہت سادہ تھی قرآن کی دعوت اور آپ کی دعوت کی انتہائی سادہ ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں اور فلسفیانہ انداز میں پردوں میں چھپا چھپا کر نہیں کہا گیا،

دو اور دو چار کی طرح واضح کیا گیا۔ قرآن کریم میں جو سادہ انداز اختیار کیا گیا تو نہ معلوم اس انداز میں کتنے ہی نظریوں اور کتنے ہی فلسفوں کی تردید کی گئی لیکن سادہ انداز میں میری اور آپ کی نظر اس زمانے تک محدود ہے اور اللہ سارے زمانوں کو دیکھتا ہے۔

نہ معلوم کتنے فلسفی، کتنے مفکر، کتنے دانشور اور کتنے ذہین لوگ اور کتنے لیڈر پیدا ہوئے اور انہوں نے مختلف نظریات پیش کئے، اللہ سیدھے سادھے انداز میں ان کے نظریات کا قلعہ قمع کرتے جاتے ہیں، جن لوگوں کی نظر مذاہب عالم پر اور فلاسفہ دنیا کے نظریات پر ہے وہ بتاتے ہیں اپنی تفسیروں میں کہ یہاں فلاں صدی میں جو فلاں فلسفی گزرا اور فلاں مذہب گزرا اس کی تردید، اس کے نظریات کی تردید کی جارہی ہے۔

سورۂ غاشیہ میں اللہ فرماتے ہیں:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ﴿۲۰﴾

(الغاشیۃ:۱۷ تا ۲۰)

کیا یہ دیکھتے نہیں کہ اونٹ کو کیسے پیدا کیا گیا، اور زمین کو کیسے بچھایا گیا:

اب دیکھئے عرب کا شہری ہو یا دیہاتی وہ جانتا تھا اونٹ کو بھی پہاڑوں کو بھی، آسمان کی بلندی کو دیکھتا تھا اور زمین کے فرش کو دیکھتا تھا

تو اللہ پاک انہی چیزوں کو ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

ارے ان میں غور و فکر تو کرو، تم ان میں غور و فکر کرو گے، مخلوق میں غور و فکر کرو گے تو خالق تک پہنچ جاؤ گے اور ایسا ہوا کسی نے اونٹ کی تخلیق میں فکر کیا اللہ کو پہچان لیا، کسی نے ندی نالوں اور ادلتے بدلتے موسموں اور چھوٹی بڑی رات کے اندر، دن کے اندر غور و فکر کیا، اللہ کو پہچان لیا، کسی نے ریشم کے کیڑے کو دیکھ کر اللہ کو پہچان لیا، کسی نے انڈے کو دیکھ کر اللہ کو پہچان لیا، لیکن اللہ نے سیدھے سادھے انداز میں بیان فرمایا۔

اور الفاظ بھی دیکھیے، دل میں اُتر جانے والے اللہ سورۂ عبس میں فرماتے ہیں:

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

(عبس:۲۵تا۳۲)

ہم نے آسمان سے پانی اتارا، ہم نے زمین کے سینے کو چیر دیا، ہم نے اس میں مختلف قسم کے پھل اور پھول پیدا کر لئے، تمہارے لئے بھی اور تمہارے چوپاؤں کیلئے بھی، وہ جنہیں تعجب ہوتا تھا کہ ہم مر جائیں گے اور ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائے گی تو کیسے دوبارہ پیدا کئے جائیں گے۔

تو اللہ نے فرمایا سورۂ نازعات کے اندر:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا

فَسَوّٰىهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ
ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝

(النازعات:۲۷ تا ۳۱)

دل کھینچ لینے والا انداز اور دلیل کتنی سادہ، ارے تم کہتے ہو ہمیں کون پیدا کرے گا، وہ اللہ جو آسمان کو پیدا کر سکتا ہے کیا وہ تمہیں پیدا نہیں کر سکتا یہ دلیل عرب کے بدو کو بھی متاثر کرتی تھی اور آج کے ایک صحیح فکر رکھنے والے سائنس دان کو بھی یہ دلیل متاثر کرتی ہے۔

عرب کا بدو بس یوں دیکھتا تھا کہ واقعی آسمان بڑا طویل و عریض ہے اس کی کوئی انتہاء نہیں جو اس کو پیدا کر سکتا ہے وہ میرے جیسے ایک ذرّے کو بھی پیدا کر سکتا ہے اور آج کا سائنسدان جب آسمان کی بلندی میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ تو اللہ کی مخلوق میں دنگ رہ جاتا ہے کہ ہم تو صرف ایک سورج کو دیکھتے ہیں، اللہ نے ان آسمانوں میں ایسے لاکھوں سورج پیدا کر رکھے ہیں، لاکھوں چاند، کروڑوں سیارے اور ستارے پیدا کر رکھے ہیں تو وہ جب آسمان کی وسعتوں میں غور و فکر کرتا ہے تو پکار اٹھتا ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

اس کی گردن اللہ کی قدرت اور اللہ کی حکمت اور اس کے ثنائی کے سامنے بے اختیار جھک جاتی ہے۔

آپ کی دعوت حکمت و موعظہ حسنہ سے لبریز تھی

چوتھی خصوصیت:...... نبی ﷺ کی دعوت کی تھی وہ حکمت اور "موعظۂ حسنہ" سے بھرپور تھی اللہ نے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(سورۃ نحل:۱۲۵)

ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دیجئے، حکمت کے ساتھ اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ۔

حکمت کیا ہے؟ وہ بات جو دل میں اتر جائے۔ موعظۂ حسنہ کیا ہے؟ وہ بات جو دل کو مطمئن کردے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے زور بیان کی بناء پر، اپنی لفاظی کی بناء پر، اپنے مخاطب کو خاموش تو کردیتے ہیں لیکن اس کے دِل کو مطمئن نہیں کرپاتے۔ نبی کا انداز یہ نہیں تھا، بہت سے لوگ ہوتے ہیں جھگڑالو، بحث کرنے والے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے اپنی برتری کو ثابت کرنا اور دوسرے کو شکست دینا اور نیچا دکھانا، وہ صرف زبان کو تو چپ کرادیتے ہیں، اپنی تیز طراری کی بناء پر، لیکن ان کے دل کو مطمئن نہیں کرسکتے، لیکن میرے آقا کی جو دعوت تھی نہ اس میں اپنی برتری کا پہلو تھا، نہ اپنے مخاطب کی کمتری کا پہلو تھا، نہ اپنے آپ کو غالب کرنا، نہ مخاطب کو مغلوب کرنا، بلکہ دل کو مطمئن کرنا، زاویہ نگاہ، انداز فکر بدلنا۔

ایک اعرابی کی خدمت اقدس میں آمد

نبی کا کیا انداز تھا سمجھانے کا؟ ایک اعرابی آیا، آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اس کو پیشاب کی حاجت ہوئی، اٹھا اور تھوڑی دور جا کر ایک طرف بیٹھ کر پیشاب کرنا شروع کیا۔

صحابہ کرامؓ اٹھے اس کو پکڑنے کیلئے حضور ﷺ نے فرمایا رک جاؤ، جب وہ فارغ ہو گیا اب بلایا اور فرمایا کہ دیکھو! یہ اللہ کا گھر ہے، یہ عبادت کیلئے ہے، پیشاب کیلئے نہیں ہے، اس طریقے سے بات کو سمجھایا کہ بات دل میں اتر گئی اور اس نے وعدہ کیا: یارسول اللہ! ﷺ آج کے بعد ایسا نہیں کروں گا اور آپ سے بہتر سمجھانے والا میں نے نہیں دیکھا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور آ کر کہنے لگا

أتأذن لی فی الزنا

اے محمد! ﷺ مجھے زنا کی اجازت دے دیں

فَصَاحَ النَّاسُ بِهٖ لوگ چیخنے لگے ارے کیا کہتے ہو، پکڑو اس کو، گستاخ، بدتمیز ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب خاموش ہو جاؤ اور فرمایا

فَقَرِّبُوْهُ

اس کو میرے قریب کرو

آپ ﷺ نے فرمایا:

تُحِبُّہٗ لِأُمِّکَ

کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری ماں کے ساتھ کوئی زنا کرے،

کہنے لگا:

لَا جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاکَ نَفْسِیْ

نہیں میں آپ پر قربان جاؤں! اللہ مجھے آپ پر قربان کردے۔ میں یہ برداشت نہیں کرتا۔

دیکھئے بیشک جہالت کی بناء پر اس نے زنا کی اجازت مانگی، لیکن الفاظ بتادیتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ سے محبت کرنے والا تھا، دل میں ہرحال ایمان تھا اسی طریقے سے پھر حضور ﷺ نے بیٹی کا حوالہ دیا، بہن کا حوالہ دیا، پوتی کا حوالہ دیا، خالہ کا حوالہ دیا جتنے قابلِ احترام رشتے تھے کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری بہن کے ساتھ، بیٹی کے ساتھ، پھوپھی کے ساتھ، خالہ کے ساتھ کوئی بدکاری کرے، کہنے لگا

لَا جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاکَ نَفْسِیْ

میں آپ کے قدموں کی خاک پر قربان

حضور ﷺ نے فرمایا:

کَذٰلِکَ النَّاسُ لَا یُحِبُّوْنَ

جیسے تم برداشت نہیں کرتے تو ایسے ہی دوسرے لوگ یہ برداشت نہیں کرتے۔

یوں بات سمجھادی پھر اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھا، پھر اللہ

سے دعا کی:

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبَہٗ اَغْفِرْ ذَنْبَہٗ، وَاَحْصِنْ فَرْجَہٗ

اے اللہ! تو اس کے دل کو پاک کر دے، اس کے گناہ کو معاف کر دے، اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

حدیث میں آتا ہے وہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ کے ہاتھ رکھنے کے بعد مجھے دنیا میں سب سے زیادہ جس گناہ سے نفرت ہوئی وہ زنا ہی تھا۔ موعظِ حسنہ کے ساتھ سمجھا دیا، شرمندہ نہیں کیا۔

حضور ﷺ کو غلبہ اسلام کا یقین تھا

پانچویں خصوصیت:......وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کو اپنی دعوت کی سچائی کا بھی یقین تھا اور غالب آنے کا بھی یقین تھا کہ جو میں دعوت دے رہا ہوں یہ سچ ہے، آپ نے بہت سے لیڈر دیکھے ہوں گے، تذبذب کا شکار ہیں اس لئے اپنے نظریات کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔

لیکن آپ ﷺ کو اپنی دعوت کی سچائی کا بھی یقین تھا اور اس بات کا بھی یقین تھا کہ یہ دعوت غالب آ کر رہے گی، سب مخالف تھے، ایک چچا تھا جو ساتھ دے رہا تھا ایک وقت آیا کہ چچا کے قدم بھی ڈگمگا گئے۔

قریش کا وفد آیا اور اس نے کچھ ایسی دھمکی آمیز لہجے میں بات کی کہ چچا کے قدموں میں بھی لغزش پیدا ہوگئی اور چچا نے پھر بھتیجے کو سمجھانا چاہا، بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال، ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہا کر، میرے آقا ﷺ نے کیا فرمایا:

اللہ کی قسم! اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اس دعوت سے باز آنے والا نہیں، یہاں تک کہ اللہ اس دعوت کو غالب کر دے۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ آئے یہ وہی صحابی ہیں جن کو مشرکین نے دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا تھا، پھر وہ دہکتی ہوئی آگ ان کی کمر کی چربی پگھل کر بجھتی تھی، یارسول اللہ ﷺ اب تو ظلم وستم کی انتہاء ہوگئی، اب تو برداشت نہیں ہوتا، بہت ظلم کرتے ہیں، کسی کو انگاروں پر لٹاتے ہیں، کسی کے گلے میں رسیاں اور کسی کی ٹانگوں میں رسیاں ڈال کر گلیوں میں گھسیٹتے ہیں، کسی کا گلا دباتے ہیں، کسی کو چمڑے میں بند کر کے دھونی دیتے ہیں، کسی کی ٹانگیں کھینچ کر ٹکڑے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یارسول اللہ ﷺ اب تو ظلم ناقابلِ برداشت ہوگیا۔

حدیث میں آتا ہے حضور ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور فرمایا ابھی سے گھبرا گئے، ابھی تک تو تم پر ویسے حالات نہیں آئے جیسے حالات تم سے پہلی قوموں پر آئے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ط

(البقرہ: آیت ۲۱۴)

اللہ تیری مدد کب آئے گی، تیری زمین ظلم وستم سے بھر گئی اور اللہ کہتا ہے:

اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ

حضور ﷺ نے فرمایا، خباب رضی اللہ عنہ ایسا بھی ہوا ہے ان میں سے بعض کیلئے گڑھے کھودے گئے، ان میں ان کو گاڑ دیا گیا اور پھر آرہ سر پر چلا کر ان کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے گئے، ایسا بھی ہوا کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم سے گوشت کو نوچ لیا گیا تم پر تو ایسے حالات نہیں آئے اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم کن حالات میں آپ فرما رہے ہیں، جبکہ وڈیرے چھائے ہوئے ہیں، مسلمان دبے ہوئے ہیں، جسے چاہتے ہیں مارتے ہیں، جسے چاہتے ہیں تڑپاتے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس، جنگل کا قانون ہے، درندے ہیں چھائے ہوئے ہیں، لیکن اس ماحول میں اللہ کی قسم! اللہ اپنے اس دین کو غالب اور مکمل کر کے رہے گا۔

وہ وقت آئے گا کہ ایک سوار صنعاء سے چلے گا حضر موت تک پہنچے گا اکیلا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا، نہ ابو جہل کا ڈر ہوگا، نہ ابولہب کا ڈر ہوگا، کسی کا ڈر نہیں ہوگا، آپ کو اپنی دعوت کی سچائی پر اتنا یقین تھا۔

آپ کی دعوت میں آپ کا دلی درد شامل تھا

چھٹی خصوصیت:......میری نظر میں یہ ہے یہ بہت بڑی خصوصیت ہے آپ کی اور میری نظر میں بنیادی چیز دعوت اور بیان میں اثر پیدا کرنے والی وہ دل کا درد ہے، دل میں درد ہو تو سادہ بیان میں اللہ پاک اثر پیدا فرما دیتے

ہیں اور دِل میں درد نہ ہو تو لیکچرار کی تقریریں بے اثر رہتی ہیں۔ اللہ نہ کرے ہم ایسے بن جائیں لیکن میں اس سوچ کی، کاروباری سوچ کی تردید میں کہہ رہا ہوں، بہت سے خطیب ہیں جو اکڑ کے چلتے ہیں، جن کی ایک ایک تقریر کے ہزاروں اور لاکھوں روپے معاوضے کے طور پر ادا کئے جاتے ہیں، مجمع کو تڑپا دیتے ہیں، رُلا دیتے ہیں، ہنسا دیتے ہیں، اور ایک سحر طاری کر دیتے ہیں لیکن زندگی ایک کی بھی نہیں بدلتی، لوگ کہتے ہیں بڑا اچھا بیان ہے، بڑی لفاظی لیکن زندگی کسی کی نہیں بدلتی، زندگی بدلتی ہے اس وقت جبکہ دل میں درد ہو، میرے آقا ﷺ کا سینہ درد سے بھرا ہوا تھا، اتنا درد کہ میرے اللہ کو اپنے نبی پر ترس آ گیا، اللہ نے فرمایا

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳

(الشعراء: آیت ۳)

میرے حبیب ایسا لگتا ہے کہ اگر یہ ایمان نہ لائے تو آپ اپنی جان ہی دے دیں گے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶

(الکھف: آیت ۶)

اگر یہ ایمان نہ لائے اس کلام پر تو آپ ان کی وجہ سے اپنی جان دے دیں گے

طٰهٰ ۝۱ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝۲

(سورۂ طٰہٰ: آیت ۲، ۱)

میرے حبیب! ہم نے یہ قرآن اس لئے آپ پر نازل نہیں کیا کہ آپ کو مشقت میں ڈالدیں آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔

بعض اوقات آپ بہت دکھی ہو جاتے، حضور ﷺ کے دل میں ایسا درد تھا صبح سے نکلے دعوت کیلئے، گھر سے جو ملا اس کو دعوت دی، فرد ملا تو اس کو دعوی دی، جماعت ملی تو اس کو دعوت دی اور دعوت ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی، لیکن جو ملا اس نے طعنہ دیا، اس نے گالی دی، ٹھکرایا، اس نے انکار کیا، ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ گھر آئے اور بستر پر لیٹ گئے اللہ کیا کروں کوئی سنتا ہی نہیں ہے، کوئی مانتا ہی نہیں ہے۔

اے اللہ! اس بھری ہوئی زمین میں کوئی تیرے کلام کو سننے کے لیے تیار نہیں؟ ایک حضرت خدیجہ ؓ تسلی دینے والی تھی اور ایک میرا اللہ تھا، اللہ نے کیا پیار کا انداز اختیار فرمایا:

يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ۔ (سورۃ المزمل: آیت ۲،۱)

يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ (سورۃ المدثر: ۲،۱)

اے چادر اوڑھ کر لیٹ جانے والے کھڑے ہو جاؤ سمجھایئے

اللہ فرماتے ہیں چادر اوڑھ لینے والے کھڑے ہو جایئے اگر آپ بیٹھ گئے تو پھر کھڑا کون ہوگا؟ آپ تو سب کو کھڑا کر دینے کیلئے آئے ہیں، آپ نے دوسروں کو دین کی دعوت کیلئے کھڑا کرنا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ راتوں کو روتے اور یہ رونا اس لئے نہیں تھا کہ اللہ مجھے بیٹا دے دیں، اس لئے نہیں تھا کہ اللہ میرا کارخانہ

چلا دے، میری فیکٹری چلا دے، میری دکان چلا دے، اللہ بھوکا ہوں اس رزق میں وسعت پیدا کر دے، اللہ! میری نسلیں کہیں فقر و فاقہ کا شکار نہ ہو جائیں۔

نہیں! یہ رونا اس لئے نہیں تھا، رونا تو اس لئے تھا کہ اللہ انسانوں کو ہدایت دے دے ان کے دلوں کو نرم کر دے

اللّٰھم اھد قومی فإنھم لا یعلمون

روتے تھے اور ایسا روتے کہ زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ ﷺ کے سینے سے رونے کی آواز ایسی آتی تھی جیسے آگ پر ہنڈیاں اُبلتی ہے، آپ کو پتہ چلا ایک دن اور اس وقت پتہ چلا جب آپ بخار کی حالت میں تھے۔

بعض سیرت کی کتابوں میں ہے کہ بخار تھا، تھکے ماندے گھر آئے لیٹے اور اسی وقت پتہ چلا کہ مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک قافلہ اترا ہے، آپ اسی وقت کھڑے ہو گئے کہ میں جاتا ہوں اس تک پیغام پہنچاتا ہوں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کل دیکھ لیجئے گا آج آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

میرے آقا ﷺ نے فرمایا ہو سکتا ہے میں کل تک زندہ نہ رہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قافلہ یہاں سے کوچ کر جائے تو کون ہو گا جو اُس تک اللہ کے پیغام کو پہنچا سکے گا۔

میرے بھائیو اور میری بہنو! ایسا بھی ہوا کہ مکہ والوں نے بائیکاٹ

کیا، آپ کے قبیلے کے بچوں کی، خواتین کی رونے کی آوازیں آتی تھیں اور مشرک قہقہے لگاتے تھے، ایسا بھی ہوا جو دنیا کو عقل سکھانے کیلئے آئے تھے، ان کو پاگل کہا گیا، بیوقوف کہا گیا، ایسا بھی ہوا وہ جسم اطہر، جس کی طہارت اور نورانیت پر کروڑوں جسم قربان کئے جا سکتے ہیں اس جسم پر گندگی ڈالی گئی، نجاست ڈالی گئی، پتھر برسائے گئے، اور ایسا بھی ہوا کہ آپ کو وطن سے بے وطن ہونے پر مجبور کیا گیا۔

لیکن آپ اپنی دعوت مسلسل دیتے رہے تو ایک دل کا درد تھا جو آپ کو مجبور کرتا تھا کہ دعوت دی جائے۔

آٹھویں خصوصیت:...... میرے آقا ﷺ کی دعوت کا سب سے بڑا ہدف کیا تھا؟ سب سے بڑا ہدف وہ یہ تھا کہ اللہ اور بندے کا تعلق درست ہو جائے، یہ جو رشتہ ٹوٹا ہوا ہے بندے کا اللہ سے یہ رشتہ دوبارہ جڑ جائے، نہ مال، نہ دولت، نہ سرداری، نہ بادشاہی، نہ اقتدار اور نہ یہ حکمران بدل جائیں، نہیں اصل ہدف بندے اور خدا کے تعلق کو درست کرنا تھا اور یہ تعلق درست ہو جائے تو پھر سب کچھ درست ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ اپنی دعوت پر خود بھی عامل تھے

نویں خصوصیت:...... دعوت و تبلیغ کی جو ہمارے خطباء، مبلغین، واعظین اور مقررین کو خصوصاً اختیار کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ جو دعوت دیتے تھے سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے تھے،

آپ کا قول، آپ کے عمل کی تفسیر ہوتا تھا، عمل تھا، اور پھر قول ایسا نہیں کہ دوسروں کو کہا جائے، خود عمل نہ کیا جائے، ایمان کا مسئلہ تھا تو آپ نے فرمایا

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ

ارے میں سب سے پہلے ایمان لایا ہوں

پھر تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم ایمان لاؤ، دوسروں کو عبادت کا کہو، اللہ کی عبادت کیا کرو، اللہ کیلئے تہجد پڑھا کرو اور خود اپنا حال یہ ہے کہ رات بھر کھڑے رہتے ہیں، یہاں تک کہ قدم مبارک میں ورم آجائے دوسروں کو صدقہ خیرات کا حکم دیا کرو اور اپنا حال یہ ہے کہ زندگی کی آخری شب چند دراہم یا چند دنانیر ہیں گھر میں اور فرماتے ہیں اے عائشہ! جلدی نکالو ان کو، کل میں اللہ کو کیا جواب دوں گا، میں دنیا سے اس حال میں گیا تھا کہ میرے گھر میں دولت جمع تھی، دوسروں کو فرض روزے رکھنے کا حکم دیا کرو، اور خود حال یہ ہے کہ سال کا بہت سارا حصہ روزوں میں گزرتا ہے، جو کہا عمل کر کے دکھایا۔

ہمارے لیڈروں اور قائدین کے لئے بھی بڑا نمونہ ہے، جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں، خندق کے موقع پر بڑے سخت دن تھے، سردی کے دن، فقر و فاقہ کا عالم، کھانے کو کچھ نہیں اور خندق کی کھدائی بڑی مشکل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھود تو رہے ہیں لیکن بھوکے پیٹ، عرض کیا یا رسول اللہ! پیٹ میں کچھ نہیں گیا لیکن ہم نے اپنی کمر کو سیدھا رکھنے کیلئے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں، آقا ﷺ اپنے راز کو ظاہر تو نہیں کرنا چاہتے تھے، فرمایا کہ مت

سمجھو، محمد وہ قائد ہے جس کے مقتدی بھوکے ہوں، اور وہ پیٹ بھر کر کھاتا ہو۔
اگر تم نے ایک پتھر باندھ رکھا ہے تو میں محمد نے دو پتھر باندھ رکھے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ تم فقر و فاقہ میں ہو اور میرے گھر میں دولت کی فراوانی ہو۔ میں بھی فقر و فاقہ سے ہوں، جو کہا اس پر خود عمل کر کے دکھایا، یہ میرے آقا ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی چند خصوصیات تھیں۔

دین کی دعوت کیا فرض ہے یا واجب یا مستحب

ایک اور سوال جو کیا گیا کہ دین کی دعوت دینا کیا فرض ہے یا واجب یا مستحب تو جان لیجئے! اہل علم کہتے ہیں دعوت و تبلیغ یہ فرض کفایہ ہے، اللہ فرماتے ہیں

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

(آلِ عمران: آیت ۱۰۴)

اور اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۱۰)

تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی نفع رسانی کے لئے پیدا کیا گیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا

من سرهاان یکون من هذه الامة شرط الله فیها

جس کا دل چاہتا ہے کہ اس کا شمار اس امت میں ہو اسے چاہیے کہ وہ اس امت میں ہونے کی اللہ نے جو شرط لگائی ہے وہ شرط پوری کرے اور وہ شرط کیا ہے:

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو۔

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ومن لم یتصف بذالک

جو شخص اس شرط کے ساتھ متصف نہیں ہے، دعوت نہیں دیتا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتا تو وہ یہود ونصاریٰ جیسا ہے، یہ میرے الفاظ نہیں ہے، تفسیر ابن کثیر سے نقل کر کے بتا رہا ہوں جن کے اندر یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ ان یہود ونصاریٰ جیسا ہے جن کی اللہ نے مذمت کی ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

(المائدہ: آیت ۷۹،۷۸)

اللہ کہتا ہے لعنت ہے بنی اسرائیل پر

کیوں؟ ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ برائی سے روکتے نہیں ہیں۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول سن لیجئے! اور ان کی روایت

ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، حضور ﷺ نے فرمایا جس قوم میں برائی ہو وہ قدرت کے باوجود برائی سے نہ روکے تو اللہ پر لازم ہے

ان یعسہ اللہ بالعقوبۃ جمیعًا

کہ اللہ ان سب پر اپنا عذاب نازل کریں اور وہ دعائیں کریں تو ان کی دعائیں قبول نہ ہوں، یہ کہنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال دی اور فرمایا:

اَنْ لَّا اَکُوْنَ سَمِعْتُہٗ مِنَ الْحَبِیْبِ صُمَّتَا

اگر میں نے یہ الفاظ اپنے حبیب ﷺ سے نہیں سنے تو اللہ میرے کانوں کو بہرا کر دے:

میرے بھائیو، میری بہنو! ایک دور تھا جب ہر مسلمان داعی تھا اور حیرت کی بات اونٹوں کو چرانے والے بادشاہوں کو دعوت دیتے تھے، دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں کو دعوت دیتے تھے، میرے آقا ﷺ کے شاگرد داعی تھے، ہر مسلم داعی، چرواہا تھا تو داعی، تاجر تھا تو داعی، اور حکمران تھا تو داعی ہر شخص دین کی دعوت دینے والا تھا۔

دعوت ہر مسلمان دے

اور یہ سوال جو کیا گیا کہ دعوت ہر مسلمان دے، یاد رکھیں! دعوت کی دو قسمیں ہیں ایک ہے دعوتِ عامہ اور ایک ہے دعوتِ خاصہ اور مخصوص دعوت یہ ہر مسلمان پر لازم ہے، باپ پر لازم ہے، بیٹے پر لازم ہے بیٹی

پر لازم ہے، مرد وعورت سب پر لازم ہے، اپنے اپنے حلقے میں، اپنے گھر میں نماز کی دعوت دے، نیکی کی دعوت دے، برائی سے روکنے کی دعوت دے یہ ہم میں سے ہر ایک پر لازم ہے۔

اور ایک ہے دعوت کلیہ عامہ درس قرآن، درسِ حدیث، افتاء اور یہ دوسرے سلسلے یہ صرف ان کو اجازت ہے جو کتاب وسنت کا علم رکھتے ہوں اور جو نبی کی سیرت سے واقف ہوں اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے واقف ہوں۔

ایسا نہیں کہ جس نے قرآن کا ترجمہ پڑھ لیا اور اب وہ درس دینا شروع کر دے، خود بھی گمراہ ہو اور لوگوں کو بھی گمراہ کرے، لیکن جو جزئی دعوت ہے، انفرادی دعوت، مخصوص دعوت وہ ہر ایک پر لازم ہے، آج برائی کی دعوت دینے والے، سب سے زیادہ، برائی کی دعوت دینے والا ہمارا میڈیا، ہمارے اخبار، ہمارے رسالے، ہمارے ٹی وی سب سے زیادہ برائی کی دعوت دینے والے اور برائی کو پرکشش کر کے پیش کرنے والے یہی ہیں۔

ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا ٹیلیفون پر اور ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہنے لگے بہن سے زنا ہو گیا، اب کیا کیا جائے؟ میں نے کہا توبہ، بار بار پوچھ رہے ہیں واقعی توبہ! کیا توبہ کے علاوہ اور کچھ راستہ ہے، تو رات میں نے ایک ساتھی کو سنایا کہ بھائی اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ،لوگ اس قسم کے سوالات اب کر رہے ہیں تو انہوں نے ایک ٹی وی چینل

کا نام لیا کہ اس میں با قاعدہ ایک طرح کا پروگرام آیا جس میں اشارۃً کنایۃً اس طرح کی بات پیش کی گئی، بھائی کا بہن سے تعلق، باپ کا بیٹی سے تعلق، آج برائی کا سب سے بڑا علمبردار ہمارا میڈیا ہے۔

میں یہاں یہ بھی کہہ دوں بعض علماء نے ٹی وی پر درس قرآن، درسِ حدیث کے سلسلے شروع کئے مجبور ہو کر اور دوسروں کے اعتراضات کا جواب دینے کیلئے بھی یہ سلسلے شروع ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے بھی اور میرا درس بھی شروع ہوا میں واضح طور پر بتانا چاہتا ہوں، حق ٹی وی پر روزانہ پیر، بدھ کو ہمارا درس دس بجے آتا ہے اور جمعرات کو سات بجے پھر دو بجے، لیکن اس کے باوجود میں یہ وضاحت کر رہا ہوں ہم اس کے باوجود ٹی وی نہ گھر میں رکھتے ہیں، نہ دوسروں کو اجازت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں شر غالب ہے اور ہم اپنے بچوں کو اس شر سے بچا نہیں سکتے۔

چوبیس گھنٹے ان کی نگرانی نہیں کرتے، کھلی بدکاری اور بے حیائی کی دعوت دی جارہی ہے۔ سب سے بڑا مؤثر دعوت دینے والا میڈیا ہمارا ہے۔

میرے بھائیو! اور میری بہنو میں یہ بات خطیبانہ جوش میں نہیں کہہ رہا کہ برائی کی دعوت دینے والے تو بہت ہیں لیکن برائی سے روکنے والے اور نیکی کی دعوت دینے والے بہت کم نظر آتے ہیں ہم سب پر لازم ہے نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔

یہ صرف عالم یا مفتی کی ذمہ داری نہیں، ہر تاجر پر، دکاندار پر،

ملازم پر، مزدور پر جو محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی ہونے کا دعوٰی کرتا ہے، اس پر لازم ہے اپنے مال، اپنے وقت، اپنی جان، اپنی صلاحیتوں میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دین کی دعوت اور تبلیغ کیلئے ضرور وقف کرے اور جیسے ہمارے آقا ﷺ کو یقین تھا کہ یہ دین غالب آئیگا۔

اللہ کی قسم! ہمیں بھی یقین ہے کہ یہ دین غالب آئے گا

هُوَالَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ

(سورۂ الصف: آیت ۲۸)

کاش اس کے غلبے میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہو جائے۔ یہ درس قرآن کے سلسلے یہ دعوت و تبلیغ کے سلسلے ہیں۔

"وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین"

کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

از افادات

داعیِ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۞ ......دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

۞ ......دورِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور بعد میں فتوحات کے دوران غیر مسلم اقوام کو زبردستی دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا؟ ثبوت اس دور کی ارتدادی تحریکیں ہیں؟

۞ ......قرآنی آیت ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' (زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں) اسلام کو تلوار سے پھیلانے اور زبردستی دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی مخالفت کرتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ

سوال یہ ہے کہ

۞ ......اسلام نے تلوار کہاں اُٹھانے کی اجازت دی ہے؟

۞ ......فتوحات کے دور میں مفتوح اقوام اور غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ کیا رہا ہے؟

۞ ......بعض دانشوروں کا یہ کہنا کہ ''اسلام صرف اخلاق اور صوفی ازم'' سے پھیلا کہاں تک صحیح ہے؟

۞ ......کیا دور حاضر میں تشدد کا ذمہ دار اسلام اور قرآن ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ‌ۙ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ‌ۚ

(سورۃ البقرۃ: ۲۵۶/۲)

میرے بزرگو اور دوستو، بہنو اور بیٹیو! آج کی اس فکری نشست کے لیے منتظمین نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ اشتہار کے ذریعے آپ کے علم میں آچکا ہے یہ موضوع ایک سوال کی شکل میں ہے یعنی یہ کہ ''کیا دنیا میں اسلام تلوار سے پھیلا؟'' یہ سوال بہت پرانا ہے اور اس کے جوابات بھی عرصہ دراز سے علماءِ کرام دے رہے ہیں، میری ناقص سوچ کے مطابق اس سوال کو اچھالنے میں مستشرقین کی کوششوں کا خصوصی دخل ہے، مستشرقین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے مشرقی اور اسلامی علوم اور تاریخ میں مہارت حاصل کی، یہ لوگ کتاب وسنت سے گہری واقفیت رکھتے ہیں، ان میں سے بعض عربی زبان اور فقہ وغیرہ میں بھی بڑے ماہر ہوتے ہیں،

تاریخ کے مدوجزر پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے، ظاہری طور پر یہ اپنے بارے میں خالص علمی انسان ہونے کا تاثر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو غیر متعصب باور کراتے ہیں، قرآن کی ادبیت، فصاحت، تاثیر، تازگی اور جامعیت کا اقرار کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت کے انداز، شجاعت و بسالت اور تاریخی انقلاب کی بڑی تعریف کرتے ہیں لیکن چلتے چلتے درمیان میں کوئی ایسی بات لکھ جاتے ہیں کہ دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں، یہ کام صرف مستشرقین اور ان مصنفین نے نہیں کیا جنہوں نے مذہب اور تاریخ کے موضوع پر کام کیا ہے بلکہ سائنس، میڈیکل اور ادب کے موضوع پر لکھنے والوں نے بھی اپنے قارئین کے ذہنوں میں کانٹوں کی فصل کاشت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مولانا دریا آبادی

میں اکثر مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہوں یہ بڑے ذہین، صاحب علم اور مذہبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مگر ایک وقت ایسا آیا کہ مذہب سے متنفر اور بیزار ہو گئے، انہیں مذہب سے دور کرنے میں مغربی دانشوروں کی کتابوں کا بڑا ہاتھ تھا چونکہ مطالعہ کے شوقین تھے اس لئے جس موضوع پر بھی کوئی کتاب ہاتھ لگتی یہ اسے پڑھ ڈالتے، انہوں نے لکھا ہے کہ میں نے جب ڈاکٹر دریسڈی کی کتاب Elemetsofsocial Science کا مطالعہ کیا تو دل میں مذہب اور اخلاقیات کے بارے میں شکوک پیدا ہو گئے۔

عین اسی زمانہ میں لکھنو کی لائبریری میں TionalLibraryofFamous LiteratureinTerna کے نام سے کتاب دیکھی جس میں دنیا کے ادبیات کے

بہترین انتخابات کو جمع کیا گیا ہے، اس کی ایک جلد میں قرآن اور اسلام کا ذکر ہے، اسی جلد میں بانی اسلام کا فوٹو بھی پورے صفحہ کا دیا گیا ہے جس کے نیچے مستند حوالہ درج ہے کہ فلاں قلمی تصویر کا یہ عکس ہے، تصویر یوں تھی کہ ایک عرب کے جسم پر عبا، سر پر عمامہ اور چہرہ مہرہ پر بجائے کسی قسم کی نرمی کے، تیوروں پر خشونت سے بل پڑے ہوئے، ہاتھ میں کمان، شانہ پر ترکش، کمر میں تلوار، نعوذ باللہ جلاد قسم کے بدوی سردار کی تصویر۔ چونکہ مغرب کی تحقیق پر اندھا اعتماد تھا اس لیے دل نے کہا حضور ﷺ کے کرم اور رحمت کے سارے قصے تو بے اصل تھے، حقیقت تو آج معلوم ہوئی۔

اس کے بعد ڈاکٹر ماڈسلی کی کتاب مرضیاتِ دماغی دیکھی جس میں نفسیاتی بیماریاں بیان کرتے ہوئے اچانک اس نے مثال میں وحی محمد ﷺ کا ذکر کیا ہے اور آپ کا نام لکھ کر وہ کہتا ہے کہ بعض اوقات پاگل بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دے دیتے ہیں۔ حوالہ میں یہ بتا رہا تھا کہ ''تلوار کے زور پر اسلام کی اشاعت'' کا پروپیگنڈا کرنے میں مستشرقین کی کوششیں کسی سے کم نہیں، یہ پروپیگنڈا آج بھی ہو رہا ہے مگر آج الفاظ بدل دیے گئے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ پوری دنیا میں تشدد کا ذمہ دار اسلام اور قرآن ہے۔

روشن خیالی

میں ''روشن خیالی'' کے نام پر ''تاریک خیالی'' پھیلانے والے اپنے مسلمان بھائیوں کی خوابیدہ غیرت بیدار کرنے کے لیے سنا رہا ہوں کہ وہ غور فرمائیں ان کی کتابِ مقدس اور نبی محترم ﷺ کے خلاف کیسی گندی زبان استعمال کی جا رہی

ہے، میں نے ۲۰ نومبر کے روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحہ میں پاکستان کے ایک مشہور صحافی کا کالم پڑھا، اس صحافی کو امریکہ کے ایک شہر لاس ویگاس میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، جس کا موضوع تھا ''اسلامی شدت پسندی کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟'' مگر اس موضوع پر بات کرنے کی بجائے اکثر مقررین نے قرآن، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو تنقید کا ہدف بنایا، ڈاکٹر بروس جو نیو یارک پولیس کا مشیر ہے اس نے کہا:

''قرآن مسلمانوں کو جھوٹ بولنے کی ترغیب دیتا ہے۔''

پینٹا گون میں اسلام پر لیکچر دینے والے رابرٹ سپنر نے کہا:

''اسلام کوئی دین نہیں دنیا میں بڑھتے ہوئے تشدد کی وجہ قرآن ہے، جب تک مسلمان قرآن کو نہیں بدلیں گے روشن خیال نہیں ہو سکتے۔''

ایک بگڑی ہوئی شامی خاتون جسے نیوز ویک نے ۲۰۰۶ کی سب سے طاقتور شخصیات میں سے ایک قرار دیا ہے اس نے کہا:

''ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو روشن خیال بنانے کے لیے ضروری ہے کہ محمد (ﷺ) کے توہین آمیز کارٹون بار بار شائع کیے جائیں، جب مسلمان احتجاج کرنا چھوڑ دیں گے تو ہمیں ان کے ماڈرن ہونے کا یقین آ جائے گا۔''

کانفرنس ہال کے باہر ڈاکٹر رابرٹ مور کے کتابچے فروخت ہو رہے تھے جو نبی کریم ﷺ کے خلاف گالیوں سے بھرے ہوئے تھے۔

کالم نگار کہتا ہے کہ رابرٹ سپنر نے میری طرف بار بار اشارہ کرتے ہوئے کہا جو مسلمان قرآن کو جھٹلانے کی ہمت نہیں رکھتا ہم اسے ماڈرن تسلیم نہیں کر سکتے، جس

پر میں نے کہا:

''تم ہمیں ماڈرن سمجھو یا نہیں سمجھو، ہم قرآن کو جھٹلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

یہ ہے وہ روشن خیالی جسے اہل مغرب، مسلمانوں میں عام کرنا چاہتے ہیں۔

متعصب دیوانے

تلوار سے اسلام کی اشاعت اور قرآن کو تشدد پھیلانے کا ذمہ دار ٹھہرانے کا پروپیگنڈا بھی انہی ''تاریک خیالوں'' کا ہے جو روشن خیال ہونے کے دعویدار ہیں، یہ وہ انتہائی متعصب لوگ ہیں جو اسلام کی تیز ترین اشاعت کو دیکھ کر پاگل ہو گئے ہیں، یہ پاگل پن آج سے نہیں، بہت پرانا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں بڑے مذاہب چھ ہیں، بدھ، ہندو، زرتشت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، پہلے پانچ مذاہب کے مقابلہ میں اسلام سب سے کم عمر مذہب ہے، اسلام پر وہ محاورہ صادق آتا ہے کہ ''وہ آیا اس نے دیکھا اور فتح کر لیا'' نبی کریم ﷺ کی وفات کو ابھی سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ اسلام دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گیا، سب سے پہلے شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ اور ایران نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا، پھر مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے نام لیوا اسپین تک جا پہنچے اور مشرق میں اس کی تعلیمات کی خوشبو دریائے سندھ کو عبور کر گئی، صرف سو سال کے اندر مسلمانوں کی حکومت روم اور ایران کی حکومتوں سے کہیں زیادہ وسیع، طاقتور اور خوشحال ہو چکی تھی، جس کے عدل امن و سلامتی، رواداری، علم پروری اور استحکام کے چرچے بچے بچے کی زبان پر تھے۔

میں صرف کل کی کامیابی کی خبریں سنا کر آپ کو خوش کرنا نہیں چاہتا، میں آج کی

دنیا پر بھی نظر ڈالتا ہوں تو دنیا میں سب سے زیادہ قبول کیا جانے والا مذہب اسلام ہی ہے، چند دن پہلے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یورپ میں روزانہ پانچ سو افراد اسلام قبول کر رہے ہیں، جرمنی کے ایک بہتر سالہ پادری نے اسلام قبول کرنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر اپنے آپ کو زندہ جلالیا، ایسے متعصب دیوانوں کو کہا جاسکتا ہے:

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ

(سورۃ آل عمران: ۱۱۹/۴)

''اپنے غصے میں مرجاؤ''

اور یہ کہ:

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸

(سورۃ صف: آیت ۸)

''اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔''

ریڈرز ڈائجسٹ المانک برائے ۱۹۸۴ء میں مذاہب کے پھیلاؤ کے بارے میں ایک مضمون شائع ہوا بعد میں یہی مضمون ''دی پلین ٹرتھ'' نامی جریدے میں بھی شائع ہوا اس میں اقرار کیا گیا کہ گزشتہ پچاس سال کے عرصے میں اسلام کا پھیلاؤ ۲۳۵ فیصد رہا جبکہ عیسائیت کا پھیلاؤ ۴۷ فیصد رہا۔

غلط فہمی

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی ہے اور مسلمان دوسرے نمبر پر ہیں مگر میں اسے ایک غلط فہمی قرار دیتا ہوں اس لیے کہ مغربی ممالک کا حال یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت مذہب سے باغی ہو چکی ہے

نہ وہ خدا کا وجود تسلیم کرتے ہیں، نہ وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ نبوت ورسالت اور آسمانی تعلیم پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنی شہوت پرستی اور مادیت پرستی میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتے خواہ وہ خدا ہی کیوں نہ ہو، ایسے لوگوں کو یقیناً خود عیسائی بھی عیسائی نہیں مانتے، جب کہ مسلمان اگرچہ عملی اور اخلاقی اعتبار سے کمزور ہی کیوں نہ ہوں کم از کم ان بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں جن کے بارے میں تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات مشترک ہیں اس لیے میرا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔

مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کا ایک بڑا سبب

قبولِ اسلام کے علاوہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افروزوں اضافے کا ایک سبب توالد وتناسل کی کثرت بھی ہے، یہ حقیقت ہے کہ شہوت پرستی کو مقصدِ زندگی بنالینے کی وجہ سے مغربی عورت اور مرد اولاد کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتے، وہ بچوں کی ولادت کو اپنی آزادی کے راستے میں بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اس لیے اول تو وہ بچے پیدا ہی نہیں کرتے اگر پیدا کریں تو ایک دو بچوں سے آگے نہیں بڑھتے، انہوں نے ہمارے ہاں بھی یہ تحریک چلانے کی کوشش کی، خاندانی منصوبہ بندی کا محکمہ جس کے لیے وہ اربوں روپے امداد دیتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے پیدا نہ کیے جائیں اور اگر بہت زیادہ خواہش ہو تو ایک دو بچوں سے دل بہلایا جائے، آپ کو ہر چوراہے پر ''بچے دو ہی اچھے'' کا سلوگن دکھائی دے گا لیکن زیادہ تر مسلمان اس نعرے سے متاثر نہیں ہوتے، وہ نہ صرف زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں بلکہ اس نیت سے پیدا کرتے ہیں کہ یہ بڑے ہو کر اسلام کے مبلغ، خادم اور مجاہد بنیں اور پوری دنیا

میں اسلام کا جھنڈا بلند کریں، میں ایک ایسے مسلمان کو جانتا ہوں جو امریکا میں رہتا ہے اور اس کے تیرہ بچے ہیں ان میں سے گیارہ بچے دین کا علم حاصل کر رہے ہیں میرے سامنے ایک دن وہ اپنے بچوں سے کہہ رہا تھا:

''تم نے امریکہ کو مسلمان کرنا ہے۔''

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، اسلام کے ساتھ ان کی قلبی وابستگی اور دعوت کے جوش نے پوری دنیا کے اسلام دشمنوں کو پاگل کر دیا ہے، ان سے جب دائرۂ اسلام کی وسعت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، بعض مسلمان بھی ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر ہو جاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کیا دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟

قبول اسلام کے لئے تلوار اُٹھانے کی اجازت ہی نہیں

میں بڑے ادب سے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ نہیں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا اس لیے کہ خود اسلام کسی کافر کو قبولِ اسلام پر مجبور کرنے کے لئے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، آپ پورے قرآن سے ایک آیت اور ذخیرۂ احادیث میں سے ایک حدیث پیش نہیں کر سکتے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کسی کا مذہب اور نظریہ تبدیل کرنے کے لئے تلوار اُٹھانے کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور مسلمانوں کی ذمہ داری صرف دعوت و تبلیغ ہے، اس سے آگے بڑھ کر کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے، میں چند آیات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے میرے دعوی کی تائید ہوتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ آپ نے بارہا سنی ہوگی، میں نے خطبہ میں بھی یہی

آیت کریمہ تلاوت کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ

”دین میں کوئی جبر نہیں، تحقیق ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح ہو چکا۔“

یعنی حق اور باطل، کفر اور ایمان بالکل واضح ہو چکے، اللہ تعالیٰ نے دوٹوک دلائل کے ذریعے ہدایت اور ضلالت کے درمیان فرق بیان کر دیا تا کہ جو ایمانی زندگی کا طلبگار ہے وہ بھی دلائل کی روشنی دیکھ کر راہ راست پر چلے اور جو کفر وشرک پر مرنا چاہتا ہے وہ بھی دلیل سن کر ہی مرے۔

سورۂ انفال کی آیت نمبر ۴۲ میں ہے:

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ

”تا کہ جو ہلاک ہو دلیل جان لینے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی حق پہچان لینے کے بعد زندہ رہے۔“

سورۂ یونس کی آیت ۹۹ میں ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ

(سورۂ شوزی آیت ۴۸)

اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔“

تلوار میں یہ طاقت کہاں؟

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری دعوت و ابلاغ، انذار و بشارت، تخویف و ترغیب اور سمجھانے تک محدود تھی، تلوار کے زور پر

لوگوں کو قبولِ ایمان پر مجبور کرنے کی آپ کو اجازت نہیں تھی اور جب آپ کو اجازت نہیں تھی تو کسی دوسرے کو اس کی اجازت کہاں ہو سکتی ہے؟ ویسے میں عرض کرتا ہوں کہ تلوار میں یہ طاقت کہاں کہ وہ کسی کے نظریہ اور عقیدہ کو بدل دے، تلوار جسم کو جھکا سکتی ہے مگر دل اور دماغ کو نہیں جھکا سکتی۔

آپ مجھے بتایئے تیرہ سالہ مکی دور میں کون سی تلوار تھی جس نے سینکڑوں دلوں میں ایمان کی شمع روشن کر دی، تلوار شمع کو گل تو کر سکتی ہے مگر روشن نہیں کر سکتی، اسلام کے ابتدائی دور کا مطالعہ کرنے والا ہر انصاف پسند تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ تلوار اسلام دشمنوں کے ہاتھ میں تھی، اسلام قبول کرنے والوں کے ہاتھ میں نہیں تھی۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ تلوار عمر بن خطاب کے ہاتھ میں تھی، ظلم کا نشانہ بننے والی بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی خباب کے ہاتھ میں نہیں تھی، آپ بتایئے، جب میرے آقا ﷺ مکہ والوں کے رویے سے بے حد دل شکستہ تھے وہ کونسی تلوار تھی جس نے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا نور پھیلا دیا؟؟؟

آپ بتایئے وہ کونسی تلوار تھی جس نے اسلام کے بدترین دشمن ابو جہل کے بیٹے عکرمہ اور اس کی بہو کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا؟

وہ کون سی تلوار تھی جس نے غزوۂ احد میں لشکرِ کفار کی قیادت کرنے والے ابو سفیان کو اسلام کا مجاہد بنا دیا؟

وہ کون سی تلوار تھی جس نے میدانِ احد میں میرے آقا ﷺ کے شفیق اور محسن چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانے اور مثلہ کرنے والی ہندہ کی زبان سے کہلوا دیا:

''اے محمد (ﷺ)! آج سے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کسی چہرے سے نفرت نہ تھی اور آج کے بعد مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ کسی چہرے سے محبت نہیں رہی۔''

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

وہ کون سی تلوار تھی جس نے یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو حلقہ بگوشِ اسلام کر دیا تھا، مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے تین دن کے لیے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا، حضور ﷺ اس سے روزانہ سوال کرتے اے ثمامہ! میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ثمامہ کہتے میرا گمان آپ کے ساتھ اچھا ہے اگر آپ قتل کریں تو ایک خونی کو قتل کریں گے جو قتل کا مستحق ہے اور اگر انعام و احسان فرمائیں تو آپ کا شکر گزار ہوں گا اور اگر مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں حاضر کروں......تین دن کے بعد آپ نے ثمامہ کو معاف اور آزاد کر دیا، ثمامہ چونکہ تین دنوں میں مسلمانوں کے اخلاق اور اعمال قریب سے دیکھ چکے تھے اس لیے رہا ہوتے ہی مسجد کے قریب ایک نخلستان میں گئے وہاں جا کر غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

فتحِ مکّہ کے موقع پر رحم و کرم کی انتہاء

وہ کون سی تلوار تھی جس نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کا خون بہائے بغیر ان کے دل مسخر کر لیے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کا ایک ایک ظلم یاد تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا گلیوں میں گھسیٹا جانا......

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا انگاروں پر تڑپنا......

آلِ یاسر رضی اللہ عنہ کی دل ہلا دینے والی چیخیں......

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا کٹا پھٹا جسم......

اسی لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان پر یہ رجز تھا:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْیَوْمُ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ

آج بڑائی کا دن ہے آج بیت اللہ کی حرمت اٹھا دی جائے گی

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے ایک حرف بدل کر معنی کچھ سے کچھ کر دیے، فرمایا: سعد! یوں کہو:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ

آج کا دن رحم اور معافی کا دن ہے

آپ نے قریش کے ستمگروں کی ساری زیادتیاں اور سارے ظلم معاف کر دیے اور معاف کرنے کے لیے ایمان قبول کرنے کی شرط نہیں لگائی، بلکہ فرمایا تو بس یہ فرمایا کہ جو ہتھیار ڈال دے گا اس کے لیے امن ہے، جو مسجد میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے اور جو ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے۔

عکرمہ، مسلمانوں سے عداوت اور نفرت رکھنے میں اپنے باپ ابوجہل کے مشابہ تھے اسی لیے وہ فتح مکہ کے بعد روپوش ہو گئے، یمن جانے کے لیے جہاز پر سوار ہو رہے تھے کہ ان کی بیوی ام حکیم تلاش کرتے ہوئے آ پہنچیں اور کہنے لگیں:

جِئْتُکَ مِنْ عِنْدِ اَحْلَمِ النَّاسِ وَ اَوْصَلِهِمْ وَ اَکْرَمِهِمْ

''میں ایسے شخص کے پاس سے آئی ہوں جو انسانوں میں سب سے زیادہ حلیم،

کریم اور صلہ رحمی کرنے والا ہے۔''

فاتحِ زمانہ کون؟

چنانچہ عکرمہ شرمندہ ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے آپ نے اسے امن دیا اور اس کی اور اس کے باپ کی ساری زیادتیوں کو یکسر معاف کر دیا۔

بے گناہ اور نہتے انسانوں پر کارپٹ بمباری کرنے والے غور کریں کہ دلوں کو کیسے جیتا جاتا ہے؟ فاتحِ زمانہ وہ نہیں جو جسموں پر قبضہ جما لیتے ہیں، فاتحِ زمانہ وہ ہے جو دلوں کو مٹھی میں لینے کا ہنر جانتا ہے اور یہ ہنر میرے آقا ﷺ کے پاس تھا، تلواروں، نیزوں، خنجروں، بمبار طیاروں، تباہی مچاتے ٹینکوں اور ہلاکت خیز گیسوں میں یہ طاقت اور تاثیر کہاں کہ وہ دلوں اور دماغوں کا رخ موڑ دیں۔

فتنۂ ارتداد

بعض لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد پھیلنے والے فتنۂ ارتداد سے بھی شبہ ہوا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد ہزاروں لوگوں کا دین کو چھوڑ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ ڈر کر مسلمان ہوئے تھے حالانکہ یہ استدلال انتہائی بودا اور فضول ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کے کسی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا گیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ انتقال صرف حضورِ اکرم ﷺ کا ہوا تھا، آپ کی تیار کردہ جماعت اور فوج تو اسی طرح موجود تھی جس طرح آپ کی زندگی میں تھی ان کے پاس اسلحہ کی طاقت بھی تھی افرادی قوت بھی تھی، جذبۂ جہاد بھی تھا تو کیا صرف نبی

کریم ﷺ ہی کا خوف تھا جو منافقوں کو کھلم کھلا مرتد ہونے سے روکے ہوئے تھا؟

اصل بات یہ ہے کہ جب مکہ فتح ہوگیا، قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور اشاعتِ اسلام کے راستے میں حائل ایک بڑی دیوار گر گئی اور قبیلے کے قبیلے فوج در فوج ایمان قبول کرنے لگے تو بعض ایسے افراد اور جماعتیں بھی تھیں جنہوں نے عمومی فضا دیکھ کر بظاہر ایمان قبول کرلیا مگر ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تھا۔

سورۂ حجرات کی آیت ۱۴ میں باری تعالیٰ نے انہی لوگوں کا ذکر کیا ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ

(الحجرات آیت: ۱۴)

"دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے آپ فرمادیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے اور ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔"

یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپے ہوئے کفر اور نفاق کے اظہار کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے اور ہمارے آقا ﷺ کی رحلت کے موقع پر انہیں وہ مناسب موقع مل گیا اس لیے کہ اس وقت مسلمان سخت پریشانی اور انتشار کی حالت میں تھے، بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے کبھی اپنے آقا ﷺ کی جدائی کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا، پہاڑ جیسے اس صدمے نے انہیں نڈھال کر کے رکھ دیا تھا، ان کے صدمے کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہمیں اگر والدین یا اولاد یا عزیز واقارب کی جدائی کی صورت میں صدمہ پیش آتا تھا تو ہم اپنے

آقا کی جدائی کا تصور کر لیتے تھے تو یہ خاندانی حادثہ ہمیں ہیچ محسوس ہوتا تھا۔

حکومت وعدالت، فتویٰ وقضا، بیت المال اور عمال کی نگرانی، مجاہدین کی تربیت اور بیرونی وفود سے ملاقاتیں، فقراء اور مساکین کی دیکھ بھال، نومسلموں کی تعلیم و تربیت، سالکین کا تزکیہ اور تذکیر سمیت نہ معلوم کتنے ہی شعبے اور معاملات تھے جن کی ذمہ داری نبوت کے کندھوں نے اٹھا رکھی تھی اور اب ان شعبوں کی بقا اور ترقی کا بار آپ کے جانشینوں نے اٹھانا تھا، گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کو صرف اپنی یتیمی کا غم نہ تھا ان شعبوں کی یتیمی کا بھی غم تھا، چند منافقوں نے اس المناک صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ارتداد کا جو راستہ اختیار کیا تو ہزاروں ان کے راستے پر چل پڑے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں اپنے ہم خیال دوستوں کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ تم چند دن کے لیے ایمان قبول کرلو، پھر یہ کہتے ہوئے دوبارہ پرانے مذہب میں لوٹ آنا کہ ہمیں اسلام میں کوئی خوبی دکھائی نہیں دی، ہم نے اندر جا کر دیکھ لیا کہ مسلمانوں میں تو شر ہی شر ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسے لوگ جو متذبذب ہیں وہ بھی دائرۂ ایمان سے نکل آئیں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ تدبیر وقتی طور پر بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔

فتنہ ارتداد پھیلنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ بے شمار ایسے نومسلم تھے جن کی نظریاتی اور عملی تربیت ٹھیک طرح نہیں ہو سکی تھی، انہوں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں اسلام قبول کیا تھا اور انہیں آپ کی صحبت میں بیٹھنے، آپ کے فرمودات سننے اور اپنے آپ کو بنانے، سنوارنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہیں یہ باور کرایا گیا تھا کہ اسلام کی عمر محمد رسول اللہ

ﷺ کی حیاتِ طیبہ تک تھی، آپ گئے تو اسلام بھی گیا، ان لوگوں نے بھی مرتد ہونے میں جلد بازی سے کام لیا۔

عجوبہ روزگار

ارتداد کی تیسری وجہ یہ تھی کہ بعض بدنصیبوں کے دل میں بڑا بننے کا شوق پیدا ہوگیا، ان کی عقلیں اور آنکھیں دھوکہ کھا گئیں، انہوں نے سوچا کہ جیسے محمد ﷺ دعویٰ نبوت کے بعد قریش کو اکٹھا کر کے بادشاہت قائم کر لی ہے ہم بھی قائم کر سکتے ہیں، مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور طلیحہ اسدی اسی قسم کے لوگ تھے بلکہ ایک ''محترمہ'' کے دل میں بھی اسی شوق نے انگڑائی لی تھی لیکن یہ ''نبیہ'' مسیلمہ کذاب کی باتوں میں آگئی اور اس نے اسے اپنے نکاح میں لے لیا اور مہر میں صبح اور شام کی دو نمازیں معاف کر دیں مگر جلد ہی اس خناس سے اسے چھٹکارا مل گیا اور وہ تائب ہو کر سچی مسلمان ہوگئی۔

مسیلمہ، بنو حنیفہ جیسے بڑے قبیلے کا سردار تھا، قبیلہ اسد اور غطفان ملک اور مال کے لالچ میں اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس نے ہمارے آقا ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور اس نے بذریعہ خط آپ ﷺ سے گزارش کی تھی کہ مجھے اپنا شریک بنالیں اور نصف ملک کی حکومت میرے سپرد کر دیں، آپ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا:

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾

(سورۃ الاعراف آیت: ۱۲۸)

''تمام زمین کا مالک اللہ ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا

ہے اور اچھا انجام پرہیز گاروں کا ہے۔''

مسیلمہ کے پیروکار اپنے عجوبہ روزگار نبی کی حقیقت سمجھنے کے باوجود قبائلی عصبیت کی بناء پر اس کا ساتھ دیتے تھے اسی لیے اس کا مؤذن اذان میں یہ الفاظ کہتا تھا:

اَشْهَدُ اَنَّ مُسَيْلَمَةَ يَزْعَمُ اَنَّهُ رَسُوْلُ اللهِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ اپنے آپ کو اللہ کا رسول سمجھتا ہے۔''

طلحہ نمیری نے مسیلمہ سے کہا تھا:

اَشْهَدُ اَنَّكَ كَاذِبٌ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَادِقٌ وَلٰكِنْ كَذَّابُ رَبِيْعَةَ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ صَادِقِ مُضَرَ۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد ﷺ سچے ہیں مگر قوم ربیعہ کے جھوٹے کو ہم مضر کے سچے سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

معجزے

یہ جو قومی اور قبائلی عصبیت ہوتی ہے انسان کی عقل پر پردے ڈال دیتی ہے جیسا کہ مسیلمہ کے پیروکاروں کی عقلوں پر پردے پڑ گئے تھے ورنہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے، کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ جن سے اس کے جھوٹا ہونے پر مہر لگ گئی۔

ایک دفعہ کسی شخص نے مسیلمہ سے کہا کہ محمد ﷺ بچوں کے سر پر برکت کے لیے ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں کھجور کی گٹھلی دیا کرتے تھے تم بھی ایسا کرو، اس نے یہی کچھ کیا تو جس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ گنجا ہو گیا اور جسے اس نے گٹھلی دی اس کی زبان میں لکنت ہو گئی۔

ایک عورت نے آکر کہا کہ ہمارے باغات اور کنوؤں کے لیے دعا کرو کہ خوب پھل دیں اور پانی کی فراوانی ہو، مسیلمہ نے اپنے خصوصی معتمد کو بلا کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ محمد ﷺ نے دعا کی تھی، کنوؤں میں پانی کی کلی کی تھی جس سے درخت اچھی طرح پھل دینے لگے اور پانی بھی خوب ہو گیا تھا، مسیلمہ نے یہی کچھ کیا تو درخت سوکھ گئے اور رہا سہا پانی بھی خشک ہو گیا۔

مسیلمہ کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو ''یک چشم گل'' تھا یعنی اس کی ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو گئی تھی، اس نے بتایا کہ محمد ﷺ نے اپنے ایک صحابی کی جنگ میں شہید ہو جانے والی آنکھ کو لعابِ دہن لگا کر اپنی جگہ جما دیا تھا اور وہ آنکھ پہلے سے بھی زیادہ روشن ہو گئی تھی، مسیلمہ نے بھی یہی نسخہ استعمال کرنے کی کوشش کی مگر نہ تو ہاتھ رحمۃ للعالمین ﷺ کا تھا، نہ لعاب سید المرسلین ﷺ کا اور نہ دہن شفیع المذنبین ﷺ کا! بلکہ ایک کذاب کا ہاتھ تھا اسی کا دہن اور اس کا لعاب، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص جو یک چشم گل تھا، لعاب لگنے کے بعد ''بالکل'' اندھا ہو گیا۔

بالکل کا مطلب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کی دوسری آنکھ بھی بے نور ہو گئی، بہر حال ارتداد عام ہونے کے یہ تین بڑے اسباب تھے، یہ ارتداد بہت بڑا فتنہ تھا، یہودیوں، نصرانیوں کے سر اٹھانے اور رومیوں کے لشکر کی اسلامی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کی افواہ نے اس فتنے کو اور مدینہ کی فضا کو انتہائی خوفناک بنا دیا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں، صورتحال ایسی تھی:

كَالْغَنَمِ فِي اللَّيْلَةِ الْمَطِيرَةِ لِفَقْدِ نَبِيِّهِمْ وَ قِلَّتِهِمْ وَ كَثْرَةِ عَدُوِّهِمْ۔

''مسلمان اپنے نبی کی وفات، تعداد کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے

بے یار و مددگار رہ گئے جیسے بکریوں کا ریوڑ تاریکی اور بارش والی رات میں چرواہے کے بغیر رہ جاتا ہے۔

لیکن اس فتنہ میں بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ تھیں، ایک بڑی حکمت اس میں یہ تھی کہ کھرا اور کھوٹا، مخلص اور منافق، دوست اور دشمن کھل کر سامنے آ گیا، ان لوگوں کا پتہ چل گیا جو حبِ مال اور حبِ جاہ جیسی بیماریوں میں مبتلا تھے، منافقوں، سرکشوں اور فصلی بیڑوں کی صفائی کے بعد مسلمان، جہاد اور دعوت و تبلیغ کے لیے یکسو ہو گئے اگر فاسد مواد جسد میں باقی رہتا تو مخلص اہل ایمان پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے مدینہ سے باہر جا ہی نہیں سکتے تھے، انہیں ہمیشہ گھر کی فکر لگی رہتی لیکن اس سرکش گروہ کے قلع قمع کے بعد انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں ان لوگوں تک ایمان کا آبِ صافی پہنچانے کے لیے وقف کر دیں جو ہدایت کے ایک ایک قطرے کے پیاسے اور منتظر تھے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں مشرق سے مغرب تک کئی علاقے ایمان کے نور سے جگمگا اٹھے۔

جہاد کا مقصد

اس فتنۂ ارتداد کی وجہ سے یہ اشتباہ دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چونکہ تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا تھا اس لیے حضور اکرم ﷺ کی وفات کے فوراً ان مجبور لوگوں نے ارتداد کا راستہ اختیار کر لیا۔

یونہی جہاد کی مشروعیت کو بھی جبر کی بھیانک صورت میں پیش کیا جاتا ہے جہاد کی وجہ سے غلط فہمی پیدا کرنے والے نام نہاد دانشور دو جھوٹ بولتے ہیں،

پہلا جھوٹ تو یہ کہ جہاد اور قتال ہم معنی ہیں یعنی جہاد کا مطلب صرف جنگ اور

خونریزی ہے......

دوسرا جھوٹ یہ کہ جہاد کا مقصد مذہبی آزادی کا حق پامال کرتے ہوئے سارے انسانوں کو کلمہ طیبہ پڑھنے پر مجبور کرنا ہے......

حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، قتال، جہاد کا حصہ تو ہے مگر دونوں ہم معنی نہیں ہیں، جہاد کا لفظ قرآن کریم میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔

سورۂ فرقان کی آیت ۵۲ میں ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

(سورۃ الفرقان آیت: ۵۲)

''آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اوران کے ساتھ قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کریں۔''

اس آیتِ کریمہ میں قرآن کی بنیاد پر دعوت اور وعظ وتلقین کو جہادِ کبیر قرار دیا گیا ہے۔

سورۂ عنکبوت کی آیت ۶ میں ہے:

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ

''ہر کوشش کرنے والا اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش کرتا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں ہر عملِ صالح اور اچھی کوشش پر جہاد کا اطلاق ہوا ہے جو انسان اپنی اصلاح یا دین کی سربلندی کے لیے کرتا ہے۔

سورۂ عنکبوت کی آخری آیت ۶۹ میں ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں

ضرور دکھائیں گے۔"

اس آیتِ کریمہ میں دین پر عمل کرنے میں جو مجاہدہ کیا جاتا ہے اور جو مشکلات برداشت کی جاتی ہیں انہیں جہاد کہا گیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ دین اسلام کی حفاظت اور اشاعت کے سلسلہ میں مال، قلم اور زبان سے جو کوشش کی جاتی ہے وہ جہاد ہے جس کی سب سے بلند چوٹی یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت اس مقصد کے لیے اپنی جان بھی قربان کردی جائے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، ان مقامات پر جہاد بالمال کا ذکر جہاد بالنفس سے پہلے ہے۔

پروپیگنڈا کرنے والوں کا دوسرا دعویٰ بھی سراسر جھوٹ پر مبنی ہے یعنی یہ کہ جہاد کا مقصد مذہبی آزادی کا حق چھین کر عالم انسانیت کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ہے، جہاد کا یہ مقصد نہ کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں ہے اور نہ ہی خیر القرون میں ایسا کوئی واقعہ پیش آیا جس میں مجاہدین نے اپنے قیدیوں اور دشمنوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا ہو، اگر دورِ ملوکیت میں اسلامی تعلیمات سے ناواقف کسی شخص نے ایسا فعل کیا ہو تو ہم اسے عین اسلام قرار نہیں دے سکتے اس لیے کہ کسی مذہب کے حقائق اور اصولوں سے واقفیت کے لیے اس کی متفق علیہ کتاب کو بنیاد بنایا جاتا ہے، اعتدال سے ہٹے ہوئے کسی شخص کے ذاتی فعل کو حجت اور سند کا درجہ نہیں دیا جاتا، ہمارے دور کے امریکی صدر مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف شروع کی جانے والی جنگ کو وہ کروسیڈ یعنی صلیبی جنگ کہتے ہیں لیکن

اس کے باوجود ہم ان کے جور و جفا کو تورات اور انجیل کی تعلیم کا نتیجہ قرار نہیں دیتے۔

عالم اسلام کے غلامانہ ذہنیت رکھنے والے سربراہ آئے دن بیان دیتے رہتے ہیں کہ ہمیں اسلام اور قرآن کے بارے میں پائے جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہیے حالانکہ جن لوگوں نے جان بوجھ کر قرآن کے بارے میں جھوٹ بولے ہیں، انہیں غلط فہمی کہاں ہے وہ تو تعصب اور عناد کی بیماری میں مبتلا ہیں، حقیقی غلط فہمی تو بائبل کے بارے میں ہے جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کو معاذ اللہ جھوٹا، شرابی، زانی، بت پرست اور جادوگر تک کہتی ہے اور فحش مضامین پوری دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، اس وقت میرا یہ موضوع نہیں ہے انشاء اللہ کسی موقع پر آپ کے سامنے قرآن کریم اور بائبل کا تقابلی مطالعہ پیش کروں گا اور آپ میرے دعوے کی تصدیق پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے، اس وقت جو ہمارا موضوع ہے میں اسی کی طرف واپس آتا ہوں، بتا یہ رہا تھا کہ اسلام کی اشاعت جبر اور قہر سے نہیں ہوئی۔

ٹی ڈبلیو کی گواہی

مشہور مصنف پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا اردو میں ترجمہ "اشاعتِ اسلام" کے نام سے ہو چکا ہے اس کتاب میں اس نے مغربی ایشیا، افریقہ، اندلس، یورپ، ایران، وسطی ایشیا، مغلوں اور تاتاریوں، ہندوستان، چین، ملائیشیا اور انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت کے اسباب بیان کیے ہیں اور تسلیم کیا ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کے پھیلنے میں جبر و اکراہ اور طاقت کے استعمال کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس کے برعکس سنجیدہ مسلمان ہمیشہ جبر کے مخالف رہے ہیں۔

ٹی ڈبلیو نے اس کتاب کے صفحہ ۳۷۵ پر جزیرہ سلیبیز کی ایک ریاست مکسر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وہاں کے حکمران نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ایسا سرگرم مبلغ ثابت ہوا کہ اس کی تبلیغ سے مکسر زبان بولنے والے تمام قبیلے مسلمان ہو گئے، مکسر قوموں کے دلوں میں نئے مذہب نے ایسا جوش مارا کہ انہوں نے بونی کی ہمسایہ قوم اور بونی کے راجہ کو بھی مسلمان کر لیا، بونی کے راجہ نے اپنی رعایا اور قرب وجوار کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جبراً مسلمان کرنا چاہا، تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کی غیر مسلم رعایا نے مکسر کے مسلمان حکمران سے امداد طلب کی جس نے اپنے سفیر راجہ بونی کے پاس بھیجے اور اسے جبر کرنے سے منع کیا مگر راجہ بونی باز نہ آیا تو اس نے راجہ بونی کے ملک پر چڑھائی کر کے اسے شکست دی۔

آپ مذاہب عالم کی تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ جب کسی بادشاہ نے اپنے ہم مذہب بادشاہ پر صرف اس لیے حملہ کر دیا ہو کہ وہ اپنی رعایا کو اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتا تھا۔

ٹی ڈبلیو نے لکھا ہے کہ مکسر کے راجہ نے بونی کے راجہ سے سوال کیا کہ کیا اس جبر پر تمہارے پاس قرآن اور حدیث کی کوئی دلیل ہے؟ یا تمہیں الہام ہوا ہے؟ یا تم اپنی خواہش سے ایسا کر رہے ہو؟ ظاہر ہے اس کے پاس ان میں سے کسی سوال کا بھی جواب نہ تھا۔

رواداری

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے ملک پر ملک اور شہر پر شہر فتح کیے۔ لیکن وہ

مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو مذہب کی تبدیلی پر مجبور نہیں کرتے تھے بلکہ مذہبی آزادی دیتے تھے، فتوحات کی تیزی کا بڑا سبب ان ملکوں کا سڑا ہوا نظام تھا جس میں چند افراد بلا شرکتِ غیرے عوام کی عزت و آبرو، مال و جان اور ذرائع آمدنی کے مالک بنے بیٹھے تھے، ذرا ذرا سی حکم عدولی پر لرزہ خیز سزائیں دی جاتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ مذہبی اختلاف کے باوجود مفتوحہ شہروں کے باشندے مسلمان فاتحین کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے، ان فاتحین نے رعایا کو ایسی مذہبی آزادی دی اور ان کے ساتھ ایسی رواداری اختیار کی کہ ایسی رواداری کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ٹی ڈبلیو نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۸ میں لکھا ہے کہ:

جب اسلامی لشکر اردن کی وادی میں پہنچا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فحل کے مقام پر اپنے خیمے گاڑے تو ملک کے عیسائی باشندوں نے انہیں لکھا:

''اے مسلمانو! ہم تمہیں رومیوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ ہم مذہب ہیں کیونکہ تم ہمارے ساتھ عہد و پیمان کی پابندی کرتے ہو اور ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہو اور بے انصافی سے احتراز کرتے ہو، تمہاری حکومت ہمارے اوپر ان کی حکومت سے بہتر ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے گھروں اور مال و متاع کو لوٹ لیا ہے۔''

اسی طرح جب ہرقل کی فوج حمص کے قریب آئی تو شہر والوں نے فصیل کے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور انصاف کو رومیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔

رومی سلطنت کے جن صوبوں کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا انہیں ایسی مذہبی آزادی حاصل ہوئی جو انہیں مونوفزائٹ اور نسطوری عقائد کی وجہ سے کئی صدیوں

سے نصیب نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں اب بالکل آزاد تھے، اس قسم کی مذہبی آزادی ساتویں صدی عیسوی کے زمانے میں ایک عجوبہ تھی۔

بجائے اس کے کہ اسلامی سلطنت کے قیام سے عیسائی کلیسا کی ترقی رک جاتی، نسطوری فرقے کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ فرقہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں آیا تو اس کی مذہبی زندگی میں ایک حیرت انگیز ولولہ اور جوش پید ہوگیا اور انہوں نے چین اور ہندوستان وغیرہ کی طرف اپنے مشنری روانہ کیے اور تبلیغی کوششیں تیز کردیں۔

اعلیٰ اخلاق

یہ جو اردن کے عیسائی باشندوں نے مسلمانوں کے ایفاءِ عہد اور دوسرے اخلاق کی تعریف کی تو یہ صرف عوام کی رائے نہیں تھی بلکہ ان کے خواص بھی مسلمان مجاہدین کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے اور آپ یہ بات نوٹ کرلیں کہ مجاہدین کی تلوار نے صرف ملک اور شہر فتح کیے جبکہ ان کے اعلیٰ اخلاق، حسن معاملات اور اجلے کردار نے ان ملکوں اور شہروں کی رعایا کے قلب و دماغ فتح کرلیے۔

رستم جسے فارس کا سپہ سالارِ اعظم کہا جاتا تھا، فارس کے بادشاہ اور عوام وخواص اسی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے لیکن اس شخص کا دل بھی مسلمانوں کے اخلاق کا گرویدہ ہوچکا تھا اور ان کے مقابلے میں آنے سے بچنا چاہتا تھا لیکن بدقسمتی اور بادشاہ کے مجبور کرنے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے مقابلے میں آنا ہی پڑا وہ مسلمانوں کے بتیس ہزار کے لشکر کے مقابلے میں ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہوکر

ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج لے کر نکلا لیکن اسے ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا، میں اس جنگ کی تفصیل آپ کو سنانا نہیں چاہتا اصل بات جو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ رستم کا لشکر ''برس'' نام کے ایک مقام پر ٹھہرا ہوا تھا یہاں انہوں نے خوب بدمستیاں کیں، شرابیں پی کر عورتوں پر دست درازیاں کیں، لوگوں کے مال غصب کیئے اور جو نہ کرنا تھا سب کچھ کیا، لوگ گھبرا اٹھے اور رستم کے پاس فریاد لائے، رستم نے اپنے فوجیوں کو شرم دلاتے ہوئے کہا:

''بیشک وہ عربی (جسے میں نے ابھی ناحق قتل کیا) اس نے سچ کہا تھا کہ ہم اپنے اعمال ہی کی بدولت اس حالت کو پہنچے ہیں، باوجودیکہ مسلمان ملک فتح کرنے اور لڑنے آئے ہیں مگر وہ ان دیہات والوں کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کرتے ہیں اور تم باوجودیکہ وہ تمہاری رعایا ہیں اس قدر ظلم کرتے ہو؟ بے شک تم اسی قابل ہو کہ تمہارا ملک تم سے سلب کرلیا جائے اور بے شک ایسا ہی ہوگا۔''

آپ رستم کی اس تقریر سے جان سکتے ہیں کہ وہ اسلامی افواج کو اپنے ملک کے مظلوموں کا نجات دہندہ سمجھتا تھا، ویسے تو مغربی ممالک خصوصاً امریکہ صاحب بھی اپنے آپ کو نجات دہندہ سمجھ کر مختلف ملکوں پر چڑھائی کرتے ہیں مگر آپ نے دیکھا کوئی دن نہیں جاتا جب ان کے خلاف عراق اور افغانستان میں خودکش حملے نہ ہوتے ہوں مگر ان کے ڈھیٹ پن کا یہ حال ہے کہ پھر بھی اپنے آپ کو نجات دہندہ کہتے ہیں، جاپان وغیرہ ممالک جہاں امریکیوں نے اپنی چھاؤنیاں قائم کی ہوئی ہیں وہاں سے آئے دن ان کے فوجیوں کی جانب سے عصمت دری اور لوٹ مار کے واقعات میڈیا میں شائع ہوتے رہتے ہیں مگر مسلمان فوجیوں کا کردار ایسا تھا کہ خود

دشمن کہتے تھے کہ

"رُهبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ"

''وہ رات کو راہب بن جاتے ہیں اور دن کو شہسوار۔''

وہ حسیناؤں کے جھرمٹ میں سے نظریں جھکا کر گزر جاتے تھے، سونے چاندی کے انبار دیکھ کر ان کے دل میں خیانت کا خیال نہیں آتا تھا، وہ وعدے کے پکے اور زبان کے سچے تھے، بعض اوقات دشمن دھوکہ دے کر اپنے لیے امان حاصل کر لیتا تھا مگر وہ پھر بھی اپنی زبان کا پاس کرتے تھے، میں آپ کو ایفاءِ عہد کا صرف ایک واقعہ سناتا ہوں، جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان، خونریزی اور جبر و اکراہ سے کس قدر پرہیز کرتے تھے۔

عہد کی پاسداری

ہرمزان فارس کے ان سات مشہور گھرانوں میں سے ایک خاندان کا معزز ممبر تھا جو پورے فارس میں شریف اور خاندانی نواب کہلاتے تھے، وہ قادسیہ کے معرکہ میں پیش پیش تھا، کئی مسلمانوں کو قتل کرنے اور بار بار عہد شکنی کا گناہ بھی اسی کے سر تھا اسے جب گرفتار کر کے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے باز پرس کی، اس نے کہا مجھے چونکہ قتل کیے جانے کا اندیشہ ہے اس لیے میں اپنا عذر بیان نہیں کر سکتا اگر آپ مجھے امان دیں تو بیان کر سکتا ہوں، آپ نے اسے امان دے دی تو اس نے پینے کے لیے پانی مانگا جو لکڑی کے سادہ سے پیالے میں لا کر دیا گیا، وہ دوسرے عجمی سرداروں کی طرح ناز و نعمت میں پلا ہوا تھا ایسے پیالے میں پانی کیسے پی سکتا تھا؟ اس نے کہا اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤں تب بھی

ایسے پیالہ میں نہیں پی سکتا، اس پر اس کی مرضی کے موافق گلاس میں لا کر پانی دیا گیا، اس نے گلاس ہاتھ میں لے کر سخت پریشانی ظاہر کی اور کہا میں ڈرتا ہوں کہ مجھے پانی پینے کی حالت میں قتل کر دیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَابَاْسَ عَلَیْکَ حَتّٰی تَشْرَبَہٗ

''پانی پینے تک تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔''

ہرمزان نے یہ سن کر پانی گرا دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا:

''اَعِیْدُوْا عَلَیْہِ وَلَا تَجْمَعُوْا عَلَیْہِ بَیْنَ الْقَتْلِ وَالْعَطْشِ''

''اسے اور پانی دے دو، پیاس اور قتل کو اس کے لیے جمع نہ کرو۔''

یعنی مناسب نہیں کہ اسے پیاس کی حالت میں قتل کیا جائے ایسا کرنے سے دو سزائیں جمع ہو جائیں گی۔

ہرمزان نے کہا نہ تو مجھے پیاس ہے اور نہ ہی پانی پینا چاہتا ہوں میں تو اس بہانہ سے امن حاصل کرنا چاہتا تھا، جس پانی کے بارے میں آپ نے کہا تھا کہ اس کے پینے تک مجھے قتل نہیں کیا جائے گا، اسے میں گرا چکا ہوں، گویا اس کا پینا تو ناممکن ہو چکا ہے اور آپ اس کے پینے تک مجھے امن دے چکے ہیں۔

ظاہر ہے یہ دھوکہ اور فراڈ تھا اس لیے امیر المؤمنین نے فرمایا:

میں تجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا،

اس نے کہا آپ مجھے امن دے چکے ہیں،

آپ نے فرمایا: ہرگز امن نہیں دیا تم چالاکی کر رہے ہو،

اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ بولے امیر المؤمنین! یہ سچ کہتا ہے آپ نے اسے امن

دیا ہے، آپ نے فرمایا میں براء بن مالک اور مجزءة بن ثور جیسے لوگوں کے قاتل کو کیسے امن دے سکتا ہوں؟ تم یا تو اس کی کوئی دلیل بیان کرو ورنہ تمہیں بھی باطل کی تائید میں سرزنش کی جائے گی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ اسے کہہ چکے ہیں:

"لَا بَأسَ عَلَيكَ حَتّٰى تُخبِرَنِي وَلَا بَأسَ عَلَيكَ حَتّٰى تَشرَبَهُ"

"جب تک تم اپنا عذر بیان نہ کردو اور جب تک پانی نہ پی لو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

حاضرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تائید کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا اور ہرمزان سے کہا:

"خَدَعتَنِي وَلَا اَنخَدَعُ اِلَّا لِمُسلِمٍ"

"تو نے مجھے دھوکہ دیا اور میں تو کسی مسلمان ہی کے دھوکے میں آسکتا ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا کہ میں صرف مسلمان ہی کے دھوکہ میں آسکتا ہوں، تو اس کا مطلب اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئے تھے کہ ہرمزان مسلمان ہوجائے گا، وہ چاہتا یہ ہے کہ اطمینان کی حالت میں اسلام قبول کرے تاکہ اسے کوئی یہ طعنہ نہ دے کہ وہ جان کے خوف سے مسلمان ہوگیا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ فیصلہ کیجئے کہ ایسے واقعات کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا گیا تھا؟ اور مسلمان کافروں کو ایمان لانے پر مجبور کرتے تھے؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ دشمن پر قابو پالینے کے باوجود بھی کسی پر جبر نہیں کرتے تھے۔

اسلام خود ایک طاقت

سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام اپنی اشاعت کے لیے کسی مادی طاقت اور ہتھیار کا محتاج ہے ہی نہیں، اسلام خود ایک طاقت ہے، اس کی اپنی بادشاہت اور سلطنت ہے، وہ خود ایک فوج ہے، اس کی تعلیمات ایٹم بم سے زیادہ سریع الاثر ہیں، ایٹم بم توڑ پھوڑ تو کر سکتا ہے تعمیر نہیں کر سکتا، موت دے سکتا ہے زندگی نہیں دے سکتا، جبکہ اسلام تعمیر کرتا اور دائمی زندگی عطا کرتا ہے اسلام ایک خوشبو ہے جو خود پھیلتی ہے، اسے پھیلنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سیاسی اور فوجی زوال اور شکست کے زمانے میں بھی اسلام کی روحانی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، میں نے ایک مضمون لکھا تھا اور اس کا عنوان قائم کیا تھا ''مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح'' اس مضمون میں بتایا تھا کہ کئی اقوام ایسی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست دے دی لیکن بالآخر اسلام نے انہیں فتح کر لیا اس کی مثال میں ہم سلجوقی ترکوں اور تاتاریوں کو پیش کر سکتے ہیں ان وحشی کافروں نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ پامال کیا مگر ان دونوں موقعوں پر فاتحین نے اسی قوم کا مذہب اختیار کر لیا جسے انہوں نے مغلوب اور مفتوح کیا تھا۔

فتنۂ تاتار

بالخصوص تاتاریوں کا فتنہ ایسا تھا کہ اس سے پہلے کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ جیسا حوصلہ مند مورخ جب تاتاریوں کی سفاکی اور غارت گری کے بارے میں لکھنے لگا تو ان کے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے کہ

ایسا شخص کون ہوگا جس کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی خبر مرگ کا لکھنا اور اس کا

بیان کرنا آسان ہو، کاش کہ میری ماں مجھ کو نہ جنتی اور میں اس سے پہلے ہی مر جاتا اور دنیا مجھ کو بالکل بھول جاتی، یہ مصیبت جو مسلمانوں پر نازل ہوئی اس کی نظیر لانے سے لیل و نہار قاصر ہیں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اس وقت سے آج تک اہلِ دنیا ایسی سخت مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے تو وہ بالکل حق بجانب ہوگا بلکہ شاید اہل علم دنیا کے خاتمہ تک ایسا عظیم حادثہ نہیں دیکھیں گے۔

مغلوں کی درندگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہرات شہر میں ایک لاکھ مسلمان تھے جن میں سے صرف چالیس زندہ بچ سکے کیونکہ وہ ادھر ادھر چھپ گئے تھے، ایسے بد اندیشوں کی کمی نہیں تھی جو عالمِ اسلام کی تباہی دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ اب مسلمان اٹھ نہیں سکیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے وحشی تاتاریوں ہی کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا حالانکہ یہ کام بڑا دشوار تھا کیونکہ بدھ مت اور عیسائیت کے پیروکار بھی تاتاریوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ تاتاریوں کو اسلام کے قریب لانے میں ان مسلمان خواتین کا ہاتھ ہے جنہیں مُغلوں نے لونڈیاں بنا کر اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا، ان بے سہارا خواتین نے نئی نسل پر ایمانی محنت کی اور انہیں مسلمانوں کے عقائد اور اطوار سکھا دیئے۔

بعض کہتے ہیں کہ مسلمان مبلغین نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا ان مبلغین نے اخلاص کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا کہ چند ایک کے سوا ان کے

نام بھی کسی کو معلوم نہیں، جو چند نام مورخین کو معلوم ہو سکے ان میں سے ایک نام شیخ جمال الدین کا بھی ہے۔

حیرت انگیز واقعہ

ان کا واقعہ حیرت انگیز بھی ہے اور عبرت آموز بھی، اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب درد مبلغ اپنے کام سے کتنے مخلص ہوتے ہیں اور ان کا اخلاص کیسے کیسے کرشمے اور کرامتیں دکھاتا ہے۔

شیخ جمال الدین رحمہ اللہ سیاح قسم کے انسان تھے، چلتے چلاتے کاشغر جا پہنچے اور چند مسافروں کے ساتھ نادانستہ طور پر تو تغلق کی شکار گاہ میں داخل ہو گئے، خان نے حکم دیا کہ ان کی مشکیں باندھ کر میرے سامنے حاضر کیا جائے، جب حاضر کر دیا گیا تو خان نے ان سے غضبناک ہو کر پوچھا کہ تم لوگوں نے ہمارے شکار میں خلل ڈالنے کی کیسے جرأت کی؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم بالکل اجنبی ہیں اور اس بات سے مطلق بے خبر تھے کہ ہم کسی ممنوعہ علاقے میں داخل ہو رہے ہیں، جب خان کو ان کے مسلمان اور ایرانی ہونے کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ ایک ایرانی سے تو کتا بھی بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا ہاں یہ سچ ہے اگر ہم دینِ حق پر نہ ہوتے تو اس صورت میں یقیناً کتوں سے بھی بدتر تھے۔ شیخ کے اس جواب سے خان بہت متاثر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو اس جرأت مند ایرانی کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے، جب آپ پیش ہوئے تو خان نے شیخ کو الگ لے جا کر پوچھا کہ دین برحق کیا چیز ہے؟ اور اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ یہ سن کر شیخ نے اسلام کے عقائد ایسی گرم جوشی اور دینی ولولے سے بیان کیے کہ خان کا دل جو پہلے پتھر کی

طرح سخت تھا، موم کی مانند پگھل گیا، پھر شیخ نے حالتِ کفر کا ایسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا کہ خان کو اپنے بے بصیرت اور گمراہ ہونے کا یقین ہو گیا لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اسی وقت دین اسلام کا اظہار کروں تو میں اپنی رعایا کو اس راستے پر نہیں لاسکوں گا لہٰذا تم کچھ عرصے کے لیے صبر و تحمل سے کام لو جب میں اپنے باپ دادا کی سلطنت کا مالک بنوں گا تو اس وقت تم میرے پاس پھر آنا۔

اس زمانے میں چغتائی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی، کئی برسوں کے بعد تغلق تیمور سلطنت کو جمع کرنے اور اس پر اپنی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا، اسی اثناء میں شیخ جمال الدین اپنے ملک واپس جا چکے تھے، وطن پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گئے جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے رشید الدین کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تغلق تیمور بادشاہ بننے والا ہے اس وقت اس کے پاس ضرور جانا اسے میرا اسلام پہنچانا اور اسے بے خوف و خطر وہ وعدہ یاد دلانا جو اس نے مجھ سے کیا تھا، چند سال کے بعد جب تغلق تیمور اپنے باپ دادا کا تخت و تاج حاصل کر چکا تو شیخ رشید الدین اس کے لشکر میں جا پہنچے تا کہ اپنے والد کی وصیت پر عمل کر سکیں لیکن ہر طرح کی کوشش کے باوجود وہ خان تک نہ پہنچ سکے، آخر کار مجبور ہو کر انہوں نے یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصبح خان کے خیمے کے پاس اذان کہنی شروع کر دی، اذان کی آواز سن کر تغلق ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اور اس کی نیند خراب ہو گئی اس نے ''شور'' کرنے والے کو حاضر کرنے کا حکم دیا، شیخ رشید آئے اور اپنے والد کا پیغام پہنچایا تغلق کو بھی اپنا وعدہ یاد تھا اس نے کہا:

''جب سے میں تخت پر بیٹھا ہوں مجھے اپنا وعدہ یاد آ رہا تھا لیکن جس شخص سے

میں نے وعدہ کیا تھا وہ پھر کبھی نہیں آیا، بہرحال باپ نہ سہی تو بیٹا ہی سہی میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔''

اس کے بعد تغلق نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہو گیا، اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ تبلیغ اسلام کے لیے مغل شہزادوں سے فرداً فرداً گفتگو کرنی چاہیے سب سے پہلے انہوں نے جس شخص کے سامنے اپنا پروگرام رکھا وہ امیر تولک تھا، خان نے اس سے پوچھا کیا تم اسلام قبول کرو گے؟ اس پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ تین سال ہو گئے جب کاشغر کے چند مقدس آدمیوں نے میرے سامنے اسلام کی تبلیغ کی تھی اور میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن تمہارے خوف سے میں نے اس کا اعلان نہیں کیا؟ تغلق خان اٹھا اور امیر تولک کو گلے لگا لیا، پھر ان تینوں نے یکے بعد دیگر تمام شہزادوں سے بات کی اور ان سب نے اسلام قبول کر لیا، سوائے ایک شخص کے جس کا نام جراس تھا، اس نے یہ عجیب وغریب تجویز پیش کی کہ شیخ اور میرے ملازم کے درمیان مقابلہ ہونا چاہیے، اگر شیخ جیت گئے تو میں ان کا مذہب قبول کرلوں گا، یہ ملازم بڑا قدآور، تنومند اور پہلوان قسم کا تھا، وہ اکیلا دو سال کے اونٹ کو اٹھا سکتا تھا، شیخ اس کے مقابلے میں کمزور اور پہلوانی کے اسرار و رموز سے بالکل ناواقف تھے اس کے باوجود انہوں نے یہ کہتے ہوئے مقابلہ منظور کرلیا کہ ''اگر میں تمہارے خادم کو گرا نہ سکا تو میں تمہیں مسلمان ہونے کے لیے نہیں کہوں گا'' تغلق وغیرہ نے سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت! آپ اس سانڈ کا مقابلہ نہیں کر سکتے خواہ مخواہ اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالیں مگر حضرت اپنے قول پر قائم رہے اور فرمایا اگر اللہ کی مرضی ہے کہ مغل مشرف باسلام ہوں تو وہ

مجھے بے شک اس آدمی کو مغلوب کرنے کے لئے کافی طاقت بخشے گا۔

ایک وسیع وعریض میدان میں ہزاروں تاتاری جمع ہوگئے، دونوں حریف بھی میدان میں آ گئے، پہلوان جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، پرغرور انداز میں اتراتا ہوا آگے بڑھا، اس کے مقابلے میں شیخ طفل معصوم نظر آتے تھے، دونوں ایک دوسرے کے خلاف داؤ پیچ آزمانے لگے، شیخ نے اللہ کا نام لے کر اچانک اس کافر کی چھاتی پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اٹھ کر شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور کلمۂ شہادت اس کی زبان سے جاری ہوگیا، لوگوں نے آفرین اور ستائش کے نعرے بلند کیے۔

ٹی ڈبلیو نے ابوالغازی کی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس دن ایک لاکھ ساٹھ ہزار مغلوں نے اپنے سروں کی بودیاں کٹوا ڈالیں اور مسلمان ہوگئے، اس وقت سے اسلام ان تمام شہروں میں مضبوطی سے قائم ہوگیا جو چغتائی خاں کے زیر نگیں تھے۔

میں عرض یہ کررہا تھا کہ اسلام اپنے پھیلاؤ کے لیے کسی حکومت اور مادی طاقت کا محتاج نہیں ہے یہ خود پھیلتا ہے، اگر اس کے ماننے والے اپنے اخلاق اور اعمال اسلام کے مطابق بنالیں تو اسلام کے پھیلنے کی رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوسکتا ہے اس لیے کہ لوگ باتوں سے زیادہ عمل سے اور تقریر سے زیادہ کردار سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ آج کا مسلمان کردار اور اخلاق کے شعبہ میں پستی کی آخری حد تک پہنچا ہوا ہے، خصوصاً مال اور عورت اس کی ایسی دو کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے یہ ناٹک کی پتلی بنا ہوا ہے، زر پرستی اور شہوت پرستی

کی بیماری نے اسے کہیں کا نہیں رکھا، اس کی بدکرداری اور بداخلاقی کی وجہ سے اسلام بھی بدنام ہوتا ہے کیونکہ درخت اپنے پھل سے، استاذ اپنے شاگردوں سے اور مذہب اپنے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے، آپ ہندو مذہب کو لے لیں، محققین کہتے ہیں کہ ہندو مذہب کی جو بنیادی کتابیں ہیں یعنی بھگوگیتا، اپنشداد اور ویدان، میں توحید کی تعلیم ہے، اپنشد میں واضح طور پر ہے کہ ''وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے کے بغیر'' لیکن چونکہ ہندو عملی طور پر بت پرستی میں مبتلا ہیں اس لیے انہیں ساری دنیا بت پرست ہی سمجھتی ہے، یہی حال مسلمانوں کا ہے، ان کا مذہب عفت و عصمت، امن اور سلامتی، اتحاد اور اتفاق، حلال پر قناعت اور حرام سے بچنے کا سبق دیتا ہے مگر ان کی عملی زندگی اس کے برعکس ہے، جسے دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے دور بھاگتے ہیں۔

خوش نصیب لوگ

یقیناً وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو اس ماحول اور سوسائٹی میں رہتے ہیں جہاں دن رات اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کی عملی اور اخلاقی پستی کو بھی دیکھتے ہیں پھر بھی وہ اسلام کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتے ہیں، ہمارے دور میں جو مشہور اور غیر مشہور شخصیات اسلام قبول کر رہی ہیں وہ تو بے شمار ہیں میں اپنا اور آپ کا ایمان تازہ کرنے کے لیے ان میں سے صرف چند کا ذکر کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں سابق روسی ایجنٹ الیگزینڈر لٹوینکیو کا تذکرہ کرتا ہوں جس کے بارے میں مجھے آج ہی اخبار کے ذریعے پتہ چلا، اس کی عمر ۴۴ سال تھی، اس

نے ۸۰ کی دہائی میں سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے کے جے بی میں شمولیت اختیار کی، ۲۰ سالہ کیریئر میں اس کا شمار روس کے انتہائی ذہین اور چوٹی کے جاسوسوں میں ہونے لگا، اس کی مردانہ وجاہت سے بھرپور شخصیت کو دیکھ کر اسے روس کا جیمز بانڈ بھی کہا جاتا تھا، روسی حکومت سے اختلاف کے بعد اسے جیل میں ڈال دیا گیا، رہا ہوا تو جعلی پاسپورٹ کے ذریعہ ترکی کے راستے برطانیہ فرار ہو گیا جہاں اسے پہلے سیاسی پناہ اور پھر شہریت بھی دے دی گئی، انگلینڈ میں اس نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے وہ اہم راز افشا کیے جو روسی حکومت کے لیے نہایت شرمندگی کا سبب بنے، اس نے اپنی کتاب میں جو انکشافات کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ۱۹۹۹ء میں ماسکو کی عمارتوں میں جو دھماکے ہوئے جن میں ۳۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور جن کی ذمہ داری چیچن مسلمانوں پر عائد کی گئی تھی وہ دراصل روسی خفیہ ایجنسی نے کروائے تھے، اس کے علاوہ ۲۰۰۲ء میں ماسکو تھیٹر میں لوگوں کو یرغمال بنانے کا جو واقعہ پیش آیا اس میں بھی چیچن مسلمانوں کو ملوث ظاہر کیا گیا جبکہ اس میں بھی روسی سیکرٹ سروس کے ایجنٹ ملوث تھے جو روسی خفیہ ایجنسی کے لیے کام کر رہے تھے، روس میں ہونے والے ان واقعات کا اصل مقصد چیچن مسلمانوں کو بدنام کرنا، اسلام کے نام لیواؤں کے خلاف عالمی سطح پر نفرت کی فضا پیدا کرنا اور چیچنیا کے خلاف فوج کشی کا جواز پیدا کرنا تھا جس کے نتیجے میں پیوٹن کو ہیرو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جو چیچن مسلمانوں کو کچل سکتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، پیوٹن کی قیادت میں روسی فوج نہتے مسلمانوں پر چڑھ دوڑی اور اس ٹڈی دل نے ہنستی مسکراتی بستیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔

یقیناً الیگزینڈر اور اس کے ساتھی اپنی سازشوں، ہلاکت خیزیوں اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر بڑے خوش تھے، ان کی ہر تدبیر کامیاب ہوئی تھی، دنیا کے سامنے ہیرو بھی بن گئے اور مسلمانوں کو کچل بھی دیا ان کا خیال تھا کہ اب مسلمان کبھی سر نہیں اٹھا سکیں گے، مسلمانوں نے تو سر اٹھایا نہیں لیکن تباہ حال کھنڈرات اور کٹی پھٹی بے گور و کفن لاشوں میں سے اسلام نے سر اٹھایا، ہم نہیں جانتے اسلام نے کتنے ستمگروں کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کیا ہوگا لیکن الیگزینڈر نے تو زندگی کے آخری دنوں میں پوری دنیا کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔

دو روسی سیکرٹ ایجنٹوں نے لندن کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں اس سے ملاقات کی اور نہایت چالاکی سے نمک کے ذروں کے برابر پلوٹینیم ۲۱۰ اس کے گلاس میں ڈال دی، جیمز بانڈ کی طرح نظر آنے والے الیگزینڈر کے کچھ ہی دنوں میں تمام بال گر گئے، اس کا گوشت گل گیا اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر تین ہفتوں میں کربناک موت کا شکار ہو گیا، اسے جب موت کا یقین ہو گیا تو وہ اپنے باپ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا، اس نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دیا اور اپنے والد سے درخواست کی کہ مرنے کے بعد اس کی تدفین اسلامی روایات کے مطابق کی جائے، چنانچہ جمعہ کے مبارک دن اس کی تدفین عمل میں آئی جس میں سینکڑوں مسلمانوں نے حصہ لیا، اسی دن ریجنٹ مسجد میں اس کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کی گئی جس میں اسی چیچنیا کے جلاوطن مسلم رہنما احمد زکایو نے بھی شرکت کی جس چیچنیا کو خون میں نہلانے میں الیگزینڈر بھی شریک رہا تھا اور جس چیچنیا میں اس نے سینکڑوں مسلمانوں کو سرکاری درندوں کے ہاتھوں قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

آپ مجھے بتایئے ایک غیر اسلامی ملک میں وہ کون سی تلوار تھی جس نے الیگزینڈر کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا، مجھ سے پوچھا جائے تو میں کہوں گا کہ یہ اسلام کی روحانی تلوار تھی جسے چلانے کے لیے ہاتھوں کو حرکت دینے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی جس کا شکار تو دکھائی دیتا ہے مگر وہ خود دکھائی نہیں دیتی۔

میں آپ کے سامنے دوسرا نام لیتا ہوں اپنی قومی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی محمد یوسف کا جو کل تک یوسف یوحنا تھا اور گراؤنڈ میں سینچری بنانے کے بعد اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا کرتا تھا، آج وہ محمد یوسف ہے اور سینچری بنانے کے بعد پاکستان میں ہو یا پاکستان سے باہر رب کے حضور سجدۂ شکر بجالاتا ہے، مجھے اس کے ایک قریبی دوست نے بتایا کہ فرض نماز تو کجا، محمد یوسف کی کوشش ہوتی ہے کہ تہجد بھی قضا نہ ہو، وہ اپنے اہل و عیال کو اسلام کی تعلیم دے رہا ہے اور وہ اپنا آئیڈیل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو قرار دیتا ہے، بعض ماڈرن مسلمان داڑھی رکھنے کو دقیانوسی سوچ سمجھتے ہیں جبکہ محمد یوسف نے سنت کے مطابق یکمشت داڑھی رکھی ہوئی ہے، اگر نماز کا وقت ہو جائے تو وہ برسرِ میدان بھی نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اپنی ان اداؤں کی وجہ سے بجائے اس کہ کہ اس کی تعریف کی جاتی بعض ''روشن خیال'' مسلمان ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مسلمان ہونا اچھی بات ہے مگر اتنا بھی مسلمان نہیں ہونا چاہیے، وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں دیکھو ہم بھی مسلمان ہیں، کبھی کبھار نماز پڑھ لیتے ہیں، داڑھی روزانہ شیو کرتے ہیں، سودی کاروبار کرتے ہیں، رقص و سرود کی محفلوں میں ذوق و شوق سے شریک ہوتے ہیں، ہماری خواتین پردہ نہیں کرتیں، پھر بھی ہمارا اسلام

متاثر نہیں ہوتا، اصل بات یہ ہے کہ محمد یوسف نے اسلام قبول کیا ہے، جبکہ ہمیں اسلام وراثت میں ملا ہے، اسلام قبول کرنے والے قربانی دے سکتے ہیں مگر موروثی مسلمانوں میں یہ جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، آج اگر محمد یوسف داڑھی منڈوادے تو اسے ملٹی نیشنل کمپنیاں کروڑوں روپے کے اشتہارات میں لے سکتی ہیں، وہ قومی ٹیم کا کپتان بن سکتا ہے مگر اس کے دل میں ایک لگن ہے، ایک جوش ہے ایک ولولہ ہے وہ سنتِ رسول کو کروڑوں روپے اور کپتانی سے زیادہ گرانقدر چیز سمجھتا ہے، مجھے بتائیے وہ کون سی تلوار ہے جس کے خوف سے محمد یوسف مسلمان ہی نہیں آپ کے بقول بنیاد پرست مسلمان بن گیا ہے۔

ذاتی محاسن

اگر اللہ کا کوئی بندہ تعصب کی عینک اتار کر تحقیق کرے تو وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائے گا کہ دنیا میں اشاعتِ اسلام کا پہلا اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید ہے، دوسرا سبب مسلمان مبلغین کی مسلسل کوششیں اور تیسرا سبب اسلام کے ذاتی محاسن ہیں، اسلامی شریعت کے اصول اور فروع ہیں، نبی کریم ﷺ کے اخلاق اور کردار میں ایسی کشش، ایسا حسن اور ایسی سادگی اور فطرت کی ایسی آواز پائی جاتی ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا جس نے اپنی فطرت کو مسخ نہ کرلیا ہو اور جو عصبیت میں اندھا نہ ہوگیا ہو، پھر مسلمانوں کے پاس قرآنِ کریم جیسی بے مثال کتاب ہے جس کی فصاحت اور تاثیر، اعجاز اور جامعیت اپنے قاری اور سامع کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے، اس کے مضامین آج بھی تازہ ہیں، پڑھنے والا بعض آیات کے بارے میں محسوس کرتا ہے کہ یہ آج ہی نازل ہوئی ہیں۔

آپ اسلام کے عقیدہ توحید کو دیکھیں، اس کی قدر آپ کو اس وقت ہو گی جب آپ دوسرے مذاہب میں ''تصورِ خدا'' کا مطالعہ کریں گے، عیسائیوں میں سے کسی نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے......

کسی نے کہا مسیح ابن مریم ہی خدا ہے......

کسی نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے......

یہودی ایک خدا کو مانتے ہیں لیکن بائبل کہتی ہے کہ خدا انسانی جسم میں بھی زمین پر آ سکتا ہے اور یہ کہ خدا کی ابراہام کے ساتھ رات بھر کشتی ہوتی رہی۔

مجوسی کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں ایک نیکی کا خالق ہے اور دوسرا برائی کا خالق ہے۔

ہندوؤں میں سے بعض تین خدا مانتے ہیں اور بعض ۳۳ کروڑ خداؤں کو مانتے ہیں وہ انسانی شرمگاہ کو بھی معبود کا درجہ دیتے ہیں، چوہے اور بندر بھی ان کے ہاں بڑا تقدس رکھتے ہیں، بدھ مت اور زرتشت کو دیکھیں تو ان کے ہاں بھی خدا کا تصور موجود ہے، مگر بہت الجھا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ایک واضح تعارف

لیکن اسلام میں اللہ کا تصور بالکل واضح ہے، اس کے لیے آپ قرآن کریم کی مختصر سورت سورۂ اخلاص ہی کا مطالعہ کریں۔

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اللہ ایک ہے اپنی ذات میں بھی ایک ہے صفات میں بھی ایک ہے، وہ بے نیاز ہے وہ کسی بھی چیز میں کسی کا محتاج نہیں مگر اس کا ہر کوئی محتاج ہے، نہ اس کی کوئی اولاد

ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہمسر اور شریک نہیں۔

مسلمانوں کا خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے لیے فنا نہیں......

وہ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے......

اس کا نہ کوئی وزیر ہے نہ مشیر......

انسانوں کی عبادت سے اس کی کبریائی میں اضافہ نہیں ہوتا اسے نہ نیند آتی ہے نہ وہ اونگھتا ہے......

نہ تھکتا ہے نہ بیمار ہوتا ہے......

نہ بھولتا ہے نہ خطا کرتا ہے......

اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جو نازیبا ہو......

وہ انسانوں بلکہ ساری کائنات پر بڑا رحیم و کریم ہے......

وہ ساری مخلوق کا رازق اور نگہبان ہے......

مسلمان اسی ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں......

اسی کی اطاعت کرتے ہیں......

اسی سے ڈرتے ہیں......

اسی سے محبت کرتے ہیں......

اسی سے امید رکھتے ہیں......

اسی سے مانگتے ہیں......

ان کا جینا اور مرنا......

محبت اور نفرت......

نذر و نیاز اور صدقہ خیرات......

دینا اور منع کرنا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے......

اسی کی رضا کو وہ ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں، دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال بھی وہ صرف اللہ کے لیے کرتے ہیں۔

توحید کا یہ وہ تصور تھا جس نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی، توحید پر ایمان لانے والے ایک نئے انسان کے روپ میں دنیا کے سامنے آئے، وہ نہ مظاہر فطرت سے ڈرتے تھے اور نہ ہی قیصر و کسریٰ کو خاطر میں لاتے تھے، انہیں دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ عرب کے صحراؤں اور پہاڑوں کے دامن میں حیوانی زندگی گزارنے والوں کے اندر انسانی اور ملکوتی صفات کہاں سے آگئیں، اور انہیں روم و ایران کو للکارنے اور ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟

رومی اور فارسی عربوں کو بہت ذلیل قوم سمجھتے تھے، اسی لیے جب مسلمانوں کی فوجیں قادسیہ تک جا پہنچیں اور فارس کا نامور اور بہادر سپہ سالار مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑی فوج لے کر آیا تو اس نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو عربوں کا ماضی یاد دلا کر شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت مغیرہ نے جواب میں فرمایا تھا:

”ہاں ہم واقعی ویسے ہی تھے جیسے تم بیان کرتے ہو مگر اب ہم بدل گئے ہیں اور ہمارے اندر یہ تبدیلی ایمان کی وجہ سے آئی ہے۔“

اسلام کا نظامِ عبادات

عقیدۂ توحید کے علاوہ آپ اسلام کے نظامِ عبادات پر نظر ڈالیں تو ان میں بھی

آپ فطری حسن، سادگی اور جسم وروح کے تقاضوں کی تکمیل پائیں گے۔

نماز تو بعد کی بات ہے آپ وضو ہی کو لیں، وضو طہارت اور صفائی کا ایک ایسا عمل ہے جو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا، ایسا عمل جس سے بدن کے وہ سارے حصے صاف کیے جاتے ہیں جن کے ذریعے جسم میں امراض داخل ہوتے ہیں۔

وضو میں پہلے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں کیونکہ اگر ہاتھوں کے ساتھ جراثیم ہوں گے تو وہ منہ کے راستے معدے میں داخل ہو جائیں گے، ہاتھوں کے ساتھ کیمیکلز بھی ہو سکتے ہیں، مٹی بھی ہو سکتی ہے، گندگی بھی ہو سکتی ہے، کوئی زہریلا مواد بھی ہو سکتا ہے۔

کلی کرنے سے منہ سے سڑے ہوئے غذائی ذرات نکل جاتے ہیں علاوہ ازیں پانی کی بو اور ذائقے کا پتہ چل جاتا ہے اور اگر کلی کے ساتھ مسواک بھی کر لیں تو دانت چمکدار ہوں گے، گلے کے غدود ٹھیک ہوں گے، منہ کا تعفن دور ہوگا، دماغ روشن ہوگا، بصارت تیز ہوگی، معدہ درست کام کرے گا، ایک مشہور دانشور کہتے ہیں جب سے ہم نے مسواک چھوڑی ہے اس دن سے ڈینٹل سرجن کی ابتداء ہوئی ہے۔

ناک میں پانی ڈالنے سے ناک میں جراثیم پرورش نہیں پا سکتے۔

چہرہ دھونے سے مہاسے اور دانے یا تو نکلتے ہی نہیں یا ان کے نکلنے کی شرح کم ہو جاتی ہے اور فضا میں پھیلی ہوئی آلودگی سے اگر چہرہ متاثر ہوا ہو تو اس سے نجات مل جاتی ہے۔

کہنیاں دھونے کا اثر دل ودماغ اور جگر تک پہنچتا ہے۔

مسح کرنے سے پاگل پن سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

پاؤں دھونے سے ڈپریشن، بے سکونی اور دماغی خشکی ختم ہوجاتی ہے۔

غرضیکہ وضو میں ایسی حکمتیں اور فوائد ہیں جنہیں جدید سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔

نماز سے قبل اذان کہی جاتی ہے، یوں تو دوسرے مذاہب میں بھی عبادت کے لیے جمع کرنے کے مختلف طریقے ہیں، کہیں گھنٹہ بجایا جاتا ہے، کہیں آگ جلائی جاتی ہے اور کہیں کچھ اور کیا جاتا ہے لیکن آپ کو اذان جیسی دعوت کہیں نہیں ملے گی کہ مختصر الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی، حضرت محمد ﷺ کی نبوت ورسالت اور فلاح وکامرانی کے پروگرام کی طرف انسانوں کو دن میں پانچ بار بلایا جاتا ہے،

یہ پرخلوص دعوت سمندر میں بھی دی جاتی ہے اور خشکی میں بھی......

آبادی میں بھی اور صحرا میں بھی......

شہروں میں بھی اور دیہاتوں میں بھی......

اسلامی ممالک میں بھی اور غیر مسلم حکومتوں میں بھی......

بلکہ زمین پر بھی اور شمس وقمر میں بھی......

شمس وقمر کی بات میں اس لیے کررہا ہوں کہ چند سال پہلے ہم نے چاند پر جانے والے ایک سائنسدان کے بارے میں پڑھا تھا کہ وہ سیاحت کے دوران مصر گیا اور اس نے اذان سنی تو ایمان قبول کرلیا، جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ جب میں چاند پر گیا تو میں نے یہی آواز اور الفاظ وہاں بھی سنے تھے۔

آپ اس پہلو پر بھی غور کریں کہ شب وروز میں کوئی وقت ایسا نہیں جب دنیا کے

کسی نہ کسی خطے، ملک اور شہر میں اذان نہ ہو رہی ہو، اس لیے کہ زمین گول ہے، سورج اس کے چاروں طرف طلوع ہوتا اور گھومتا ہے، کسی ایک ملک میں دن ہوتا ہے تو دوسرے ملک میں رات ہوتی ہے، ایک جگہ صبح ہوتی ہے تو دوسری جگہ دوپہر اور تیسری جگہ شام ہوتی ہے، زمین کے انتہائی مشرق میں ایک علاقہ ہے جسے فجی کہتے ہیں وہاں دنیا میں سب سے پہلے نئی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، وہاں جب اذانِ فجر کا وقت ختم ہوتا ہے تو آسٹریلیا میں فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس کے بعد انڈونیشیا، پھر ملیشیا، بنگلہ دیش، بھارت اور پاکستان وغیرہ میں ترتیب سے فجر کا آغاز ہوتا ہے، جب مصر میں فجر کی اذان ہوتی ہے تو فجی میں عصر کی اذان ہو رہی ہوتی ہے، جب لیبیا اور الجزائر میں مسلمان فجر کی اذان کہتے ہیں تو فجی میں مغرب کی اذان ہو رہی ہوتی ہے، پھر جب مراکش میں اذانِ فجر دی جاتی ہے تو فجی میں اذانِ عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، مختصر یہ کہ پانچوں نمازوں کے یہ اوقات روئے زمین کے گرد مسلسل گھومتے رہتے ہیں اور ہر وقت کہیں نہ کہیں اذان ہوتی رہتی ہے یہ مقدس آواز ساڑھے چودہ سو سال سے دنیا میں مسلسل گونج رہی ہے۔

نماز

وضو اور نماز کے علاوہ آپ نماز کے ارکان کا جائزہ لیں کئی حضرات نے طویل ریسرچ کرنے کے بعد تسلیم کیا ہے کہ نماز ایک بہترین ورزش ہے جو کہ بیرونی اور اندرونی اعضاء کی صحت اور خوبصورتی کی ضامن ہے، یہ نفسیاتی امراض سے بچاتی ہے، دل کو سکون ملتا ہے، انسان چاق و چوبند ہو جاتا ہے، اس کے اوقات کا انتخاب یقیناً ایسی ہستی نے کیا ہے جو ہر وقت کے اثرات کو بھی جانتی ہے اور انسان کی جسمانی

اور روحانی ضروریات کو بھی جانتی ہے ان اوقات کی پابندی کرنے سے زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے، نمازی شخص شاذ و نادر ہی خودکشی کے بارے میں سوچتا ہے، جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے طبقاتی تقسیم کرنے میں مدد ملتی ہے، محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، جماعت کا نظارہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، ٹی ڈبلیو نے اسکندریہ کے ایک یہودی سعید بن حصن کا واقعہ لکھا ہے جس نے ۱۲۹۸ء میں اسلام قبول کیا، یہ نومسلم اپنے قبولِ اسلام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ''جمعہ کی نماز باجماعت کا جو نظارہ میں نے مسجد میں دیکھا تھا وہ میرے لئے تبدیلی مذہب کا فیصلہ کن سبب ثابت ہوا، ایک سخت بیماری کے دوران میں نے ایک خواب دیکھا جس میں مجھ سے ایک آواز کہہ رہی تھی کہ تم اپنے اسلام کا اعلان کر دو، اس کے بعد جب میں ایک مسجد میں داخل ہوا اور مسلمانوں کو دیکھا کہ فرشتوں کی طرح صفیں باندھ کر کھڑے ہیں تو میرے دل سے آواز اٹھی کہ یہی وہ امت ہے جس کی آمد کی انبیاء علیہم السلام نے بشارت دی تھی، جب خطیب نمودار ہوا جو ایک سیاہ جبے میں ملبوس تھا تو میرے دل پر ایک ہیبت چھا گئی، جب اس نے اپنے خطبہ کو اس آیت کے ساتھ ختم کیا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

تو میں بے حد متاثر ہوا جب نماز شروع ہوئی تو مجھے ایسا معلوم ہوا گویا مسلمان نمازیوں کی صفیں فرشتوں کی صفیں ہیں، ان کے رکوع وسجود کے وقت خدا اپنی تجلی دکھا رہا ہے اور میرے اندر ایک ایک آواز مجھے کہہ رہی ہے کہ اگر خدا بنی اسرائیل

سے اس تمام عرصے میں دو مرتبہ مخاطب ہوا ہے تو وہ اس امت سے ہر نماز کے وقت مخاطب ہوتا ہے، مجھے اپنے دل میں اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لیے پیدا ہوا تھا۔"

مشہور فرانسیسی مصنف رہنا من نے اپنے ایک مقالے میں لکھا تھا کہ "میں جب کبھی کسی مسجد میں داخل ہوا ہوں تو میں نے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کی ہے اور اگر اجازت ہو تو کہہ دوں کہ وہ کیفیت کیا تھی؟ وہ اس بات کی حسرت تھی کہ میں مسلمان کیوں نہیں ہوں؟"

یہ حقیقت ہے کہ نماز کی صورت میں مسلمان کا مذہب ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور ایسی پرکشش صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ نمازی اور تماشائی دونوں کے دل میں اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

زکوۃ، روزہ، حج

نماز کے علاوہ اسلام کے دوسرے بنیادی ارکان یعنی زکوہ، روزہ اور حج کی حکمتوں اور فوائد کا مطالعہ کیا جائے تو ضرور دل سے پکار اٹھتی ہے کہ اسلامی شریعت ہی ایسی شریعت ہے جو ہر زمانے اور ہر علاقے کے انسان کے مادی اور روحانی سارے مسائل حل کر سکتی ہے۔

زکوۃ ایک ایسی عبادت ہے جسے ادا کرنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، نفس بخل اور خود غرضی سے پاک ہو جاتا ہے، دل کی قساوت اور سختی دور ہو جاتی ہے، مالدار مسلمان غریب مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی دعائیں لیتے ہیں، اسلامی معاشرہ میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ چند افراد عیاشی کرتے رہیں اور باقی

نان جویں کو بھی ترستے رہیں، سرمایہ داروں کے بچے بیرون ملک مہنگے اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں اور غریبوں کی اولاد ٹاٹ اسکولوں سے بھی محروم رہے، اصحاب ثروت اپنی معمولی بیماریوں کا علاج یورپ میں کروائیں اور غرباء مہلک بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے جھونپڑوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجائیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ واجب اور نفلی صدقات کا پورا نظام ہے، اگر اللہ کی راہ میں یا اپنے کسی فرضی دیوتا کو خوش کرنے والوں کا عالمی سطح پر جائزہ لیا جائے تو آج بھی غریبوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں، بیماروں، مذہبی اداروں اور رفاہی ہسپتالوں اور تعلیم گاہوں پر خرچ کرنے میں مسلمان پیش پیش دکھائی دیں گے۔

روزے کے جسمانی فوائد

اسلام کے چوتھے رکن روزہ کے بارے میں آج ڈاکٹر اور سائنسدان کہہ رہے ہیں کہ اس میں جسمانی طور پر فٹ رہنے کے راز پوشیدہ ہیں، کوئی کہتا ہے کہ روزہ رکھنے سے نظامِ ہضم درست ہوجاتا ہے اور معدے میں پیدا ہونے والی زہریلی رطوبتیں ختم ہوجاتی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ معدے کے ورم اور نفسیاتی امراض کا خاتمہ ہوجاتا ہے، آنتوں کو توانائی اور آرام حاصل ہوتا ہے، روزہ ضبطِ نفس اور اپنے آپ پر قابو پانے کا بھی بہترین ذریعہ ہے، اس کے علاوہ روزہ مسلمان کو غریب پروری بھی سکھاتا ہے اور اس کے دل میں فاقہ کشوں کے دکھ درد کا احساس بھی پیدا کرتا ہے، لیکن یاد رکھیں کہ مسلمان ڈائٹنگ اور جسمانی صحت کے لیے روزہ نہیں رکھتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر رکھتا ہے، رمضان جو نزولِ قرآن کا مہینہ ہے دنیا بھر کے مسلمان سردی ہو یا گرمی صرف اسی مہینہ میں فرض کے طور پر روزے رکھتے ہیں،

روزے کا اصل مقصد تقویٰ اور رضاءِ الٰہی کا حصول ہے، اسی لیے مسلمان روزہ کی حالت میں صرف پیٹ کی حفاظت نہیں کرتے بلکہ زبان، آنکھ، کان اور دوسرے تمام اعضاء کی بھی حفاظت کرتے ہیں، اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم کہہ دے کہ غروبِ آفتاب کے ایک یا دو گھنٹہ بعد افطار کرنے سے صحت پر زیادہ اچھا اثر پڑے گا تو مسلمان کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے اور افطار میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کریں گے، یونہی اگر کسی روزہ دار کو مشورہ دیا جائے کہ انتیس اور تیس کے بجائے اکتیس یا بتیس روزے رکھنے سے تم سارا سال تندرست رہو گے تو وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اور افطار میں دیر کرنے یا چاند نظر آنے کے بعد روزہ رکھنے سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

حج کی خصوصیات

روزے کے بعد آپ اسلام کے پانچویں رکن حج کا جائزہ لیں، اس میں کتنی کشش محبوبیت اور روحانیت پائی جاتی ہے اور یہ کشش اور روحانیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں پیدا کی گئی ہے، ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب مکہ اور مدینہ جانے کے لیے تڑپتا ہے، حج کے ایام میں جب پوری دنیا سے مسلمان دو سفید چادروں پر مشتمل لباس پہن کر حرم کی طرف سفر کرتے ہیں تو عجب منظر ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے اور آپ کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر منیٰ اور عرفات پر نظر ڈالیں تو یوں محسوس ہوگا کہ آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں، وہاں نہیں جا سکتے تو آپ ائیر پورٹ پر جا کر ہی دیکھ لیں کیسا پر اثر منظر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو عشق و محبت کا جذبہ رکھا ہے، حج اسی مقدس

جذبے کی تسکین کا ذریعہ ہے، حج، عقل اور مادیت پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت ہے، حج ملّتِ حنیفیہ کے امام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق کی تجدید کرتا ہے، آپ حج کے ایک ایک رکن اور عمل کا بنظرِ غائر جائزہ لیں آپ کو ان میں بے مثال منافع ملیں گے، دنیا کے کونے کونے سے عشق ومحبت کے جذبات سے سرشار مسلمان اپنے روحانی مرکز کی طرف روانہ ہوتے ہیں، ان کا لباس ایک ہوتا ہے، ان کی منزل ایک ہوتی ہے، ان کے جذبات ایک جیسے ہوتے ہیں، ان کی زبان پر ''لبيك اللّٰهم لبيك'' کی صورت میں ایک ہی نعرہ ہوتا ہے، وہ کعبہ کے اردگرد دیوانہ وار طواف کرتے ہیں، صفا ومروہ کی سعی کرتے ہیں، مکہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ آتے ہیں عجب وارفتگی کا عالم ہوتا ہے، بلکتے ہیں، سسکتے ہیں اور اپنے مالک کے عفو ودرگزر کے طلبگار ہوتے ہیں، حج کا منظر دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

میں نے آپ کے سامنے اسلام کے صرف پانچ بنیادی ارکان کے محاسن سرسری انداز میں بیان کیے ہیں، تفصیل میں جاؤں تو بتا سکتا ہوں کہ اسلام نے شراب، جوا، زنا، سود اور بعض بداخلاقیوں کو جو حرام کیا ہے تو اس میں کیا حکمتیں ہیں؟ میں بتا سکتا ہوں کہ میرے آقا ﷺ دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے، دائیں کروٹ لیٹتے تھے، جو کی روٹی پسند فرماتے تھے، کھجور سے افطار کرتے تھے، صبح سویرے اٹھتے تھے، رات جلد سوجاتے تھے تیل اور کنگھی استعمال فرماتے تھے تو ان چیزوں میں کیا کیا فوائد تھے۔

قبولِ اسلام کی مختلف وجوہات

اب تو مارکیٹ میں کئی کتابیں آچکی ہیں جو ان نومسلموں کے بارے میں ہیں

جنہوں نے اپنے اسلام لانے کی وجوہات بتائی ہیں،

ان میں سے کوئی عقیدۂ توحید سے متاثر ہوا......

کسی کو نماز باجماعت کے منظر نے ہدایت کا راستہ دکھایا......

کسی نے روزہ، زکوٰۃ اور حج کی حکمتوں پر غور کیا تو کلمہ پڑھ لیا......

کسی نے ہمارے آقا ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا تو اسلام قبول کرلیا......

کسی نے گورے اور کالے، اعلیٰ نسب اور ادنیٰ نسب مسلمانوں میں محبت و اخوت اور مساوات دیکھی تو اسلام کی سچائی کا قائل ہوگیا......

کسی نے اذان سنی تو اسے کفر سے نفرت سی ہوگئی......

کسی نے قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں غور و تدبر کیا تو اس کی صداقت کا قائل ہوگیا اور میرا دل کہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس کافروں کو اسلام کے قریب لانے کے لیے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سیرت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

مبلّغین اسلام کی کاوشیں

اشاعتِ اسلام کا دوسرا بڑا سبب مبلّغین اسلام کی بے نظیر کوششیں ہیں یہ بات تو مسلم اور غیر مسلم ہر کوئی جانتا ہے کہ اسلام ایک مشنری اور تبلیغی مذہب ہے، نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت اور نعمتِ ایمان کی برکت سے مسلمانوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گئے حالانکہ اس وقت نقل و حمل کے تیز ترین ذرائع بھی میسر نہ تھے، توحید کی آواز جو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی سے بلند ہوئی تھی کچھ ہی عرصہ میں افریقہ، چین، ہندوستان اور فارس و

ایران کے صنم خانوں میں گونجنے لگی، ٹی ڈبلیو برچنگ آف اسلام میں تسلیم کرتا ہے کہ:

”روئے زمین کے اس قدر وسیع حصے میں اسلام نے جو اشاعت پائی ہے، اس کے کئی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی اسباب ہیں مگر سب سے قوی سبب اس عظیم الشان کامیابی کا یہ ہے کہ مسلمان مبلّغین نے اس بارے میں انتھک کوشش کی ہے، رسول کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے تھا، چنانچہ انہوں نے کفار اور منکرین کو دائرۂ اسلام میں لانے کے لیے اپنی قوتوں کو بے دریغ صرف کیا ہے۔“

ہمارے لیے نصیحت آموز امر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مبلّغین ایسے تھے کہ نہ تو انہیں کسی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور نہ ہی وہ کسی جماعت کے تحت کام کررہے تھے بلکہ انسانیت کی اصلاح کا درد اور فریضۂ دعوت وتبلیغ کی اہمیت کا احساس انہیں اس کام پر آمادہ کرتا تھا جیسا کہ ٹی ڈبلیو نے افریقہ کے مغربی ساحل میں اشاعتِ اسلام کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”تبلیغ کا کام مبلّغوں یا معلّموں کی کوئی خاص جماعت انجام نہیں دے رہی تھی بلکہ ہر ایک مسلمان اپنے مذہب کا ایک مستعد مبلّغ تھا جب کبھی پانچ چھ مسلمان کسی شہر میں جمع ہوتے اور کچھ عرصے کے لیے وہاں سکونت کا ارادہ کرتے تو وہاں فوراً ایک مسجد تیار کر لیتے اور تبلیغ کا کام شروع کر دیتے۔“

مسلمانوں کو اپنے مذہب اپنی کتاب اور اپنے رہبر ورہنما کی سچائی کا یقین تھا اور یقین انسان کو بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا ہے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یقین اور ایمان سے سرشار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری دنیا میں پھیل گئے، وہ جہاں

تک جا سکتے تھے، گئے اور انہوں نے ظلمت کدہ عالم میں ایمان کا نور پھیلایا، حضرت عقبہ بن نافع کا نام آپ نے سنا ہوگا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصر، لیبیا اور تیونس ہوتے ہوئے مراکش تک جا پہنچے تھے، مراکش میں داخل ہو کر وہ آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ افریقہ کا انتہائی مغربی ساحل، بحرظلمات (اٹلانٹک) نظر آنے لگا، یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ

"یَارَبِّ لَوْلَا هٰذَا الْبَحْرُ لَمَضَيْتُ فِي الْبِلَادِ مُجَاهِدًا فِي سَبِيلِكَ۔"

"پروردگار! اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا اپنا سفر جاری رکھتا۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑے کے اگلے پاؤں اٹلانٹک کی موجوں میں ڈالے، اپنے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ، ساتھیوں نے ہاتھ اٹھا دیے تو عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے یہ اثر انگیز دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا وَّلَا اَشَرًا، وَاِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّمَا نَطْلُبُ السَّبَبَ الَّذِي طَلَبَهُ عَبْدُكَ ذُوالْقَرْنَيْنِ وَهُوَ اَنْ تُعْبَدَ وَلَا يُشْرَكَ بِكَ شَيْءٌ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا مُدَافِعُوْنَ عَنْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ فَكُنْ لَّنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

"یا اللہ! میں غرور و تکبر کے جذبے سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم اسی سبب کی تلاش میں ہیں جس کی آپ کے بندے ذوالقرنین نے جستجو کی تھی اور وہ یہ کہ دنیا میں صرف تیری عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اے اللہ! ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں، تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو، یا ذوالجلال والاکرام۔"

معاملات کی صفائی اور اعلیٰ اخلاق

دعوت اسلام کا یہ جذبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین رحمہم اللہ میں اور تابعین سے تبع تابعین رحمہم اللہ میں اور ان سے اگلی نسلوں میں منتقل ہوتا چلا گیا، ایسے مسلمان بے شمار تھے، جو تجارت، ملازمت، زراعت اور کسب معاش کے دوسرے ذرائع میں مصروف ہونے کے ساتھ اشاعتِ اسلام کے لیے بھی وقت نکالتے تھے ان میں سے بعض کا کردار اتنا اجلا، مالی معاملات اتنے شفاف اور اخلاق اتنے اعلیٰ ہوتے تھے کہ وہ جس ملک اور علاقے میں بھی جاتے تھے مقامی باشندے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے، جن لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی ان میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے نہیں دیکھا تھا، لیکن جب انہیں مسلمانوں کے ساتھ میل جول اور لین دین کا موقع ملا تو ان کے سینے اسلام کے لیے کھل گئے، پھر چونکہ مسلمانوں میں طبقاتی تقسیم اور حسب نسب کا امتیاز تو ہے نہیں ان کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھایا ہے کہ گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، یک انسان کو دوسرے پر فضیلت صرف ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہو سکتی ہے اس لیے مسلمان، مزدوروں اور نیچ نسل والوں کو اپنے دستر خوان پر بٹھانے اور اپنے سینے سے لگانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے اس وجہ سے بھی اشاعتِ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور ایسے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے جو محض کسی نچلی ذات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنے ہم مذہبوں کے ہاتھوں ظلم اور زیادتی کا شکار تھے۔

موجودہ زمانے میں اخلاقی بدحالی

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اخلاقی اعتبار سے انتہائی نچلی سطح پر ہیں، ہمارا کردار کھوکھلا ہوچکا ہے، ہمارے تجارتی اور مالی معاملات انتہائی کمزور ہیں، جھوٹ بولنے، وعدہ خلافی کرنے اور ملاوٹ کرنے میں عار محسوس نہیں کی جاتی اس لیے ہماری ذات سے کوئی متاثر نہیں ہوتا بلکہ بعض غیر مسلم ہماری بداخلاقی اور بدمعاملگی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ اسلام اچھا مذہب ہے مگر مسلمان اچھے نہیں ہیں، مجھے کراچی کے ایک مستند اور معروف عالم دین کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کینیڈا گئے اور انہوں نے ایک غیر مسلم کے ہوٹل میں کھانا کھایا تو اس نے کہا مولانا! میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں مگر مقامی مسلمانوں کی بدکرداری اور بداطواری کی وجہ سے مسلمان کہلوانا پسند نہیں کرتا، کوئی ایسی صورت بتایئے کہ میں اسلام میں داخل ہوجاؤں مگر مجھے مسلمان نہ کہا جائے۔

میرے بھائیو اور بہنو! اپنے اخلاق اور معاملات درست کیجئے، پھر دیکھئے دنیا کیسے پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں گرتی ہے۔

طاقتور روحانی شخصیات

عام مسلمانوں اور تاجروں کے اخلاق اور معاملات کی صفائی کے علاوہ ہر دور میں ایسی طاقتور روحانی شخصیات بھی مسلمانوں میں رہی ہیں جن کا وجود اسلام کی صداقت کی دلیل تھا۔

ان شخصیات نے اسلام کی اشاعت بھی کی اور حفاظت بھی کی، حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہٗ نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے نام سے کتاب تحریر کی ہے

اس میں لکھا ہے کہ ابتداء ہی سے اسلام کے قلب وجگر پر ایسے حملے ہوئے ہیں کہ کوئی دوسرا مذہب ہوتا تو ختم ہو جاتا، آپ باطنیت کا حملہ دیکھیں، صلیبیوں کی یلغار اور تاتاریوں کی یورش دیکھیں، عجمی اثرات اور مشرکانہ اعمال ورسوم کا طوفان دیکھیں، عقلیت پرستی، مادیت اور الحاد کا سیلاب دیکھیں، ان میں سے کوئی بھی فتنہ جب نمودار ہوا تو کوئی طاقتور شخصیت میدان میں آ گئی۔

آپ پہلی صدی ہجری پر نظر ڈالیں جب ملوکیت کی وجہ سے جاہلی رجحانات امت میں پیدا ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پیدا کر دیا جنہوں نے خلافتِ راشدہ کی یادیں تازہ کر دیں۔

آپ دوسری صدی کو دیکھیں جب یونانی فلسفہ سے متاثر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی روشن خیال لوگ پیدا ہو رہے تھے اور خلق قرآن کا فتنہ عام ہو رہا تھا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اٹھے اور اس فتنے کے سامنے ڈٹ گئے انہیں جیل بھی جانا پڑا اور ایسے کوڑوں کی ضرب بھی سہنا پڑی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو وہ چیخ مار کر بھاگ جاتا، امام احمد رحمہ اللہ کی استقامت کی وجہ سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا، لوگوں کی نظر میں آپ کو ایسی عزت ملی کہ انتقال ہوا تو جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھیں۔

آپ پانچویں صدی ہجری کو دیکھیں جب فلسفہ کے اثرات سے عقائد متزلزل ہو رہے تھے، ظاہری احکام کی پابندی کی جاتی تھی مگر روح ختم ہو چکی تھی، امام غزالی رحمہ اللہ سامنے آئے جنہوں نے ''مقاصد الفلاسفہ'' اور ''تہافت الفلاسفہ'' لکھ کر یونانی فلسفہ کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا۔ آپ ۷ ساتویں ہجری کا جائزہ لیں جس میں امام

ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسا عظیم داعی پیدا ہوا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے مثال ذہانت، تبحرِ علمی، جامعیت اور شجاعت عطا کی تھی، پھر ان کے عظیم تلامذہ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم وعمل کا کوہِ گراں تھا یعنی حافظ ابن قیم، علامہ ابن عبدالہادی، حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن رجب رحمہم اللہ۔

آپ ۱۰ ھ کے پر آشوب زمانے پر نظر ڈالیں جب لگتا تھا کہ اسلام چند روز کا مہمان ہے، جلال الدین اکبر نے دین اکبری کی بنیاد رکھ دی تھی،

جس میں خنزیر حلال تھا......

شراب نوشی جائز تھی......

آفتاب پرستی کی جاتی تھی اور ہندوانہ رسموں میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی......

تب حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے صاحبِ عزیمت سامنے آئے جن کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار

ان کا اصل کارنامہ تجدید دین تھا جسے ایسی شہرت ملی کہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا۔ آپ ۱۲ ھ کا مطالعہ کریں جس میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جیسا عبقری پیدا ہوا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ دعوت الی القرآن ہے، انہوں نے جان لیا تھا کہ امت کے اخلاقی اور نظری امراض کا علاج قرآن کے مطالعہ اور تدبر کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ انہوں نے دعوت الی القرآن کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنالیا، خود انہوں نے اس

وقت کی سرکاری زبان فارسی میں ترجمہ کیا، ان کے صاحبزادوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے اردو میں ترجمہ کیا، پھر شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تفسیر لکھنی شروع کی اور دہلی جیسے مرکزی شہر میں تریسٹھ سال تک قرآن کا درس دیا۔

اس کے علاوہ برصغیر میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہم اللہ جیسے بزرگوں کی جو خدمات ہیں ان سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آخری دور میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے تبلیغی جماعت کی صورت میں جو کام کیا اس کی افادیت بھی نصف النہار کے سورج کی طرح روشن ہے۔

میرا مقصد چودہ صدیوں کے سارے بزرگوں اور سارے مبلغین کے کارنامے اور ان کا تعارف بتانا نہیں ہے میں تو اختصار کے ساتھ یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اسلام کا کوئی دور اور کوئی علاقہ بھی طاقتور روحانی، مذہبی اور تبلیغی شخصیات سے خالی نہیں رہا،

کسی نے خانقاہ میں بیٹھ کر اسلام کو پھیلایا......

کسی نے میدان جہاد میں نکل کر دشمنوں کے دانت کھٹے کیے......

کسی نے مسندِ درس کو رونق بخشی......

کسی نے منبر و محراب سے نبی کریم ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کیا......

کسی نے میدانِ سیاست کا شہسوار ہونے کا ثبوت دیا اور کسی نے قلم اور قرطاس کو دعوت و اصلاح کا ذریعہ بنایا......

بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اتنی بڑی اور اتنی زیادہ روحانی شخصیات اسلام

کے سوا کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہوئیں، یہ وہ شخصیات تھیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی دعوتِ دین کے لیے وقف کر رکھی تھی، ان کی فکر وسعی دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ دنیا میں آئے ہی دعوت کے لیے ہیں، بشری تقاضوں کے لیے وہ بقدرِ ضرورت ہی وقت نکالتے تھے ورنہ ان کا جینا اور مرنا صرف دین کے لیے تھا اور حقیقت میں ایسے ہی صاحب ایثار لوگ تھے جن کی قربانیوں اور کوششوں کی بدولت اسلام کی روشنی بڑی تیزی کے ساتھ مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔

گمنام لوگ

اسلام کے ان گمنام سپاہیوں میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جن کے ناموں سے بھی کوئی واقف نہیں مگر کفر کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں ان گمنام سپاہیوں نے اپنے لہو سے حق وصداقت کے چراغ جلائے، روپے، پیسے اور مادی اسباب اور آسائشوں ہی کو سب کچھ سمجھنے والے جب ان کے کارناموں کو دیکھتے ہیں تو ان کی عقلیں ماؤف ہو کر رہ جاتی ہیں، یا رب! وہ کس مٹی سے بنے ہوئے لوگ تھے جنہیں اپنے مال وجان، اہل وعیال اور سکھ چین سے زیادہ اللہ کا نام بلند کرنے اور اللہ کا گھر آباد کرنے کی فکر رہتی تھی، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا صرف ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن کے دل میں سچی تڑپ اور لگن ہوتی ہے وہ کیسے کیسے مشکل اور ناموافق حالات میں بھی کیا کچھ کر سکتے ہیں یہ واقعہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''دنیا میرے آگے'' میں لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''جنوبی افریقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے داخلے کی داستان بھی بڑی پر اثر

ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف نے ہر خطے میں اسلام کی اشاعت اور تحفظ و بقا کے لیے کیسی عظیم قربانیاں دی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، جنوبی افریقہ کی اصل آبادی سیاہ فام قبائل پر مشتمل تھی، سترہویں صدی عیسوی میں ہالینڈ کی ڈچ قوم نے ایک طرف تو جنوبی افریقہ پر اپنا تسلط جمایا، اور دوسری طرف اسی زمانے میں ملایا اور اس کے قرب و جوار کے جزیروں کو بھی اپنے استعمار کے شکنجے میں کس لیا، ملایا اور اس کے قریبی جزیروں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور وہاں بار بار مسلمانوں کی طرف سے جہاد آزادی کی تحریکیں اٹھتی رہتی تھیں، ان تحریکوں کو ڈچ قوم نے ہمیشہ اپنی عادت کے مطابق جبر و تشدد کے ذریعے دبایا اور وہاں کے بہت سے مسلمان مجاہدین کو گرفتار کر کے غلام بنالیا۔ غلام بنانے کے باوجود ڈچ حکمرانوں کو یہ خطرہ تھا کہ یہ لوگ کسی بھی وقت بغاوت پر آمادہ ہو سکتے ہیں اس لیے ڈچ حکومت نے ان کو جلاوطن کر کے کیپ ٹاؤن بھیج دیا، تاکہ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور رہ کر یہ لوگ بالکل بے دست و پا ہو جائیں، چنانچہ ملایا اور اس کے آس پاس کے تقریباً تین سو مجاہدین غلام بنا کر پابہ زنجیر کیپ ٹاؤن لائے گئے۔

کیپ ٹاؤن میں ملایا کے ان مسلمانوں سے بڑی پر مشقت خدمتیں لی جاتیں اور چونکہ ڈچ حکمرانوں کو اس بات کا احساس تھا کہ ان کا جذبۂ حریت دراصل ان کے سینے میں جلنے والی مشعل ایمان کا مرہونِ منت ہے، اس لیے انہیں اپنے دین سے منحرف کرنے اور ان کی نسلوں کو ایمان کے نور سے محروم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، نماز پڑھانا تو کجا ان ڈچ آقاؤں کی طرف سے انہیں کلمہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، ان

بے بس مسلمانوں سے دن بھر سخت مشقت لی جاتی اور اگر کوئی شخص نماز پڑھنے یا کسی اور عبادت میں مشغول ہونے کی جسارت کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

لیکن اس جبر وتشدد کے ذریعے ان غریب الوطن اور بے آسرا مسلمانوں کے دل سے ایمان کی شمع بجھائی نہ جاسکی، ظلم واستبداد کی چکی میں پسنے کے باجود انہوں نے اپنے دین کو سینے سے لگائے رکھا اور شدید مجبوری کی اس حالت میں بھی انہوں نے نماز تک کو نہیں چھوڑا، دن بھر محنت ومشقت کے کام کرنے کے بعد یہ اولوالعزم مجاہدین جب رات کو اپنی قیام گاہوں پر پہنچتے تو تھکن سے نڈھال ہونے کے باوجود اپنے نگرانوں کے سونے کا انتظار کرتے رہتے اور جب وہ سوجاتے تو رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر اپنی قیام گاہوں سے نکلتے اور ایک پہاڑی پر چڑھ کر وہاں دن بھر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کرتے تھے، آج کیپ ٹاؤن کا ہر مسلمان باشندہ وہ جگہ جانتا ہے جہاں یہ مغلوب ومقہور مسلمان رات کے سناٹے میں اپنے مالک کے حضور سربسجود ہوتے تھے، میں نے بھی یہ جگہ دیکھی ہے، یہ قدیم شہر سے خاصے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے، جس کے درمیان ایک کشادہ جگہ کو انہوں نے محفوظ سمجھ کر اپنے پروردگار کے سامنے سجدۂ نیاز گذارنے کے لیے منتخب کیا تھا، دن بھر شدید محنت کی تھکن سے چور ان مسلمانوں کا روزانہ یہاں آکر نماز پڑھنا ایک ایسا مجاہدہ ہے جس کا تصور ہی آنکھوں کو پرنم کردیتا ہے اور یہاں کی فضا میں ان خدا مست مجاہدین کے ذکر وتکبیر کی مہک آج بھی محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

تقریباً اسی سال، اللہ کے یہ بندے غلامی کی زنجیروں میں اسی طرح جکڑے رہے، اس پورے عرصے میں انہیں مسجد بنانا تو کجا، انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی بھی

اجازت نہیں تھی، بالآخر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ برطانیہ کے گوروں نے کیپ ٹاؤن پر حملہ کرکے یہ علاقہ ڈچ قوم سے چھیننا چاہا اور وہ ایک زبردست فوج لے کر اس امید کے ساحل تک پہنچ گئے، گویا چور کے گھر چکار آگیا، اب ڈچ حکمرانوں کو ان انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے جانباز سپاہیوں کی ضرورت تھی جو اپنی جان پر کھیل کر ان کا راستہ روک سکیں اور جان کی قربانی دینے کے لیے ان غریب الوطن مسلمانوں سے زیادہ موزوں کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ ڈچ حکومت نے ان مجبور و مقہور مسلمانوں سے مطالبہ کیا وہ اس جنگ میں ڈچ حکومت کا نہ صرف ساتھ دیں، بلکہ انگریزوں کے مقابلے میں اس کے ہراول دستے کا کردار ادا کریں۔

اس مرحلے پر ان مسلمانوں کو پہلی بار موقع ملا کہ وہ ڈچ حکومت سے کوئی مراعات حاصل کرسکیں، لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے انہوں نے نہ کسی روپے پیسے کا مطالبہ کیا، نہ اپنے لیے کوئی اور راحت طلب کی، اس کے بجائے انہوں نے ڈچ آقاؤں سے کہا کہ اگرچہ ہمارے لیے انگریزوں اور ڈچ حکمرانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ہم آپ کی خاطر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ ایک صورت میں پیش کرسکتے ہیں اور وہ یہ کہ اس جنگ کے اختتام پر ہمیں کیپ ٹاؤن میں ایک مسجد تعمیر کرنے اور اس میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دی جائے، ڈچ حکمرانوں نے یہ شرط منظور کرلی اور اس طرح بیسیوں مسلمانوں نے اپنی جان دے کر یہاں ایک مسجد بنانے کی اجازت حاصل کرلی، یہ جنوبی افریقہ میں پہلی مسجد تھی جو ان مجبور و مقہور ملائی مسلمانوں نے تعمیر کی۔

غیبی تائید

اسلام کے ذاتی محاسن، مبلّغین اور عام مسلمانوں کی مساعی کے علاوہ اشاعتِ اسلام کا تیسرا سبب اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید بھی ہے، ویسے تو مجاہدین کی کامیابیاں اور داعیانِ اسلام کی زبانوں میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق ہی کے نتیجے میں تھی بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں دعوت کا ایسا جوش پایا جاتا ہے کہ وہ اس پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں تو یہ جوش اور ولولہ بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے لیکن یہاں غیبی تائید سے میرا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسے حیرت انگیز واقعات اور کرامتیں ظاہر ہوئیں کہ غیر مسلم، سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے، اس قسم کے واقعات تاریخ کی کتابوں میں بے شمار مگر ایک خرابی تو ان میں یہ ہے کہ بہت سارے مؤرخین اور مصنفین کا سارا زور ہی کرامتوں کے بیان کرنے پر ہوتا ہے، ان کے نزدیک کسی کی بزرگی اور عظمت جانچنے کے لیے عملی اور اخلاقی زندگی سے زیادہ کرامتیں اور خارق العادت واقعات زیادہ اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ وہ قوی اور ضعیف، صحیح اور غلط، دیدہ اور شنیدہ ہر قسم کی حکایات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

دوسری خرابی ان میں یہ ہے کہ بعض سننے والے عملی جدوجہد کو چھوڑ کر کرامتوں کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں، آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی انہونا واقعہ پیش آجائے جس سے ہمیں فتح حاصل ہو جائے اور اسلام کو غلبہ نصیب ہو جائے جبکہ آسمان والا ان کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل میں ہاتھ پاؤں ہلائیں تو میں ان کی مدد کروں جیسا کہ آپ شیخ رشید الدین رحمہ اللہ کے بارے میں سن چکے ہیں کہ وہ اپنے وطن سے نکلے، سفر کیا، جان جوکھوں میں ڈال کر

تغلق خان کو دعوت دی، ایک کج دماغ نے کشتی میں جیتنے کی شرط لگائی تو اللہ کا نام لے کر اکھاڑے میں اتر آئے، خلافِ توقع میدان مار لیا اور ہزاروں نے یہ زندہ کرامت دیکھ کر ایمان قبول کر لیا۔

ان دو خرابیوں کی بناء پر میں آپ کو زیادہ نہیں صرف ایک واقعہ سناتا ہوں اور یہ واقعہ میں آپ کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم کی کتاب ''جہانِ دیدہ'' کے حوالے سے سنا رہا ہوں، انہوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

آپ ''صحابی تو نہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال قبل پیدا ہوئے تھے مصر کی فتوحات میں یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ حکومت میں انہیں شمالی افریقہ کے باقی ماندہ حصے کی فتح کی مہم سونپ دی تھی، یہ اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مصر سے نکل کر دادِ شجاعت دیتے ہوئے تیونس پہنچ گئے اور یہاں قیروان کا مشہور شہر بسایا جس کا واقعہ یہ ہے کہ جس جگہ آج قیروان آباد ہے وہاں بہت گھنا جنگل تھا جو درندوں سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے بربریوں کے شہروں میں رہنے کی بجائے مسلمانوں کے لیے الگ شہر بسانے کے لیے یہ جگہ منتخب کی، تاکہ یہاں مسلمان مکمل اعتماد کے ساتھ اپنی قوت بڑھا سکیں، ان کے ساتھیوں نے کہا یہ جنگل تو درندوں اور حشرات الارض سے بھرا ہوا ہے، لیکن حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک شہر بسانے کے لیے اس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا اور لشکر میں جتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے ان کو جمع کیا، یہ کل اٹھارہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، ان کے ساتھ مل کر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور اس کے بعد یہ آواز لگائی:

اَيَّتُهَا السِّبَاعُ وَالْحَشَرَاتُ! نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِرْحَلُوْا عَنَّا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ۔

"اے درندو اور کیڑو! ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ، اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے۔"

اس اعلان کا نتیجہ کیا ہوا؟ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا شَيْءٌ اِلَّا خَرَجَ هَارِبًا حَتّٰى اَنَّ السِّبَاعَ تَحْمِلُ اَوْلَادَهَا۔

"ان جانوروں میں سے کوئی نہیں بچا جو بھاگ نہ گیا ہو، یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھالے جا رہے تھے۔"

اور مشہور مورخ اور جغرافیہ دان علامہ زکریا بن محمد قزوینی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۲ھ) لکھتے ہیں:

فَرَأَى النَّاسُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ لَمْ يَرَوْهُ قَبْلَ ذٰلِكَ، وَكَانَ السَّبُعُ يَحْمِلُ اَشْبَالَهُ، وَالذِّئْبُ اَجْرَاءَهُ، وَالْحَيَّةُ اَوْلَادَهَا، وَهِيَ خَارِجَةٌ سَرْبًا سَرْبًا، فَحَمَلَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا مِّنَ الْبَرْبَرِ عَلَى الْاِسْلَامِ۔

"اس روز لوگوں نے ایسا عجیب نظارہ دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، کہ درندہ اپنے بچوں کو اٹھائے لے جا رہا ہے، بھیڑیا اپنے بچوں کو اور سانپ اپنے بچوں کو، یہ سب ٹولیوں کی شکل میں نکلے جا رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔"

اگر تلوار استعمال ہوتی؟

الحمد للہ! میں نے قرآن کریم، احادیث نبویہ اور تاریخ کی روشنی میں ثابت کر دیا

ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ اپنی ذاتی خوبیوں، مبلّغین کی کوششوں اور مسلمانوں کے کردارعمل سے پھیلا ہے، آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسپین میں مسلمانوں نے پوری شان وشوکت کے ساتھ آٹھ سو سال حکومت کی، لیکن انہوں نے کسی عیسائی کا نظریہ تبدیل کرنے کے لیے تلوار استعمال نہیں کی اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے کوئی بھی عیسائی زندہ نہ رہتا اس کے برعکس جب عیسائیوں نے اسپین پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے تلوار بھی استعمال کی، زندہ بھی جلایا اور ان پر ایسا تشدد کیا کہ ایک صدی گزرنے پر پورے اسپین میں کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہا۔

عالم عرب پر مسلمانوں کی حکومت کم وبیش چودہ سو سال سے چلی آرہی ہے لیکن اس کے باوجود وہاں ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب اب بھی مسیحی مذہب پر قائم ہیں، اور یہ قبطی عیسائی ہیں یعنی نسل درنسل عیسائی مذہب کے پیروکار ہیں، اگر اسلام نے تلوار استعمال کرنے کی اجازت دی ہوتی تو یہاں ایک عیسائی کا بھی وجود نہ ہوتا۔

ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے تک رہی ہے، اگر وہ طاقت کا استعمال کرتے تو یہاں کے سارے نہیں تو کم از کم زیادہ باشندے یقیناً اسلام پر ہوتے جبکہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں اور غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اکثریت بھی ایسی کہ ۸۰ فیصد آبادی ان کی ہے۔

میں آپ کو امریکی ماہنامہ ایڈوز ڈائجسٹ کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۸۴ء کے درمیان کے پچاس سال میں تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام تیزی سے پھیلا اور اس دوران اس کے ماننے والوں میں ۲۳۵ فیصد

اضافہ ہوا جب کہ مسیحیت کے ماننے والوں میں صرف ۷ء۴ فیصد اضافہ ہوا حالانکہ ان پچاس سالوں میں تلوار عیسائیوں کے ہاتھ میں رہی، مسلمانوں کی تلوار تو عرصہ ہوا کند ہو چکی ہے، اگر تلوار سے مذہب کا پھیلاؤ ممکن ہوتا تو اس نصف صدی میں مسیحیت کی اشاعت زیادہ ہونی چاہیے تھی پھر یورپ اور امریکہ میں آج جو اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے تو کونسی تلوار ہے جو ایٹمی طاقتوں کے شہریوں کو کمزور مسلمانوں کا مذہب قبول کرنے پر مجبور کررہی ہے، میں نے گزشتہ دنوں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا "مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح" یعنی یہ معاملہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ وہ قومیں جو مسلمانوں کے بادشاہوں ان کی حکومتوں اور مملکتوں کو فتح کررہی ہیں، اسلام ان کو فتح کررہا ہے حالانکہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ یہ جو قوم سیاست، عسکریت، اور معیشت پر غالب ہوتی ہے لوگ اس کا مذہب قبول کرتے ہیں لیکن اقوامِ عالم یہ ناقابل یقین منظر دیکھ رہی ہیں کہ اس قوم کا مذہب قبول کیا جارہا ہے جو فوجی اور سیاسی میدان میں بظاہر شکست پر شکست کھا رہی ہے۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مخالفانہ اور معاندانہ پروپیگنڈا اور مسلمانوں کی مغلوبیت کے باوجود لوگ کیسے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں میں اس سلسلے میں آپ کو ایک انتہائی دلچسپ اور عبرت آموز واقعہ سناتا ہوں، ابھی کچھ دیر پہلے میں آپ کے سامنے اسپین کا ذکر کررہا تھا، اسپین کے ایک نومسلم کا واقعہ فیصل مسجد اسلام آباد کے خطیب نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ان سے ملا ہوں وہ اسلام کے بہت پرجوش مبلغ ہیں ان کے اثرورسوخ سے تقریباً بیس بائیس ہزار اسپینی اسلام قبول کرچکے ہیں، ان کا اسلام

سے واسطہ اس طرح پڑا کہ ان سے اسپینی حکومت نے کہا کہ ۱۴۹۰ھ میں اسپین میں مسلمانوں کا زوال ہوا تھا اس لیے ۱۹۹۲ء میں مسلمانوں کے زوال کا پانچ سو سالہ جشن منایا جائے اور اس بات کی خوشی منانے کا اہتمام کیا جائے کہ مسلمان یہاں سے پانچ سو سال قبل نکالے گئے تھے، ان صاحب سے کہا گیا کہ اس سلسلے میں آپ ایک کتاب مرتب کریں جس میں اس دور کے مسلمانوں کے مظالم اور ناانصافیوں کا تذکرہ ہو، جب انہوں نے مطالعہ شروع کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ عربی زبان سیکھے بغیر یہ کام ہو نہیں سکتا، چنانچہ انہوں نے عربی زبان سیکھ لی اور مسلمانوں کی تاریخ پر کام کرنا شروع کر دیا، اس کام کے دوران وہ اپنے ذاتی مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ اسپین کی تاریخ کا سنہری اور زریں دور وہ تھا جب مسلمان یہاں حاکم تھے، علوم و فنون کا چرچا ہوا، ادارے بنے، بہترین عمارتیں تعمیر ہوئیں، مفید کتابیں لکھی گئیں، نہ مسلمانوں سے پہلے اس قدر کام ہوا تھا اور نہ مسلمانوں کے بعد ہوا، یوں انہیں اسلام سے دلچسپی پیدا ہو گئی، مسلمانوں کے کارنامے جاننے کا موقع ملا اور اسلام پر اعتماد پیدا ہونا شروع ہوا، اب انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا پھر حدیث کا مطالعہ کیا اور بالآخر اسلام قبول کر لیا، اپنا سابقہ منصوبہ ادھورا چھوڑ کر اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے، انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھا، پورا نام عبدالرحمٰن مدینہ مولیرا ہے۔

جیسے مولیرا نے اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تو وہ عبدالرحمٰن مدینہ بن گیا، یونہی جو غیر مسلم سچائی کی تلاش میں نکلے گا اور پھر گہری نظر سے اسلام کا مطالعہ کرے گا وہ مدینے والے کا غلام بن کر رہے گا، ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم خود بھی ایسے مسلمان بن جائیں کہ ہمارے کردار اور اخلاق کو دیکھ کر حق اور سچ کے متلاشی اسلام

کی طرف آئیں اوراس کے علاوہ ہم پوری دنیا میں اسلام کی دعوت کو عام کردیں۔

میں پوری بصیرت اور ذمہ داری کے ساتھ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قرآن کریم کی صورت میں جیسی عظیم، بے مثال، محفوظ، جامع، پر تاثیر اور سراپا ہدایت کتاب ہمارے پاس ہے کسی قوم اور کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔

اسلام کی صورت میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق غرضیکہ سارے ہی شعبوں کے بارے میں مفصل ہدایات دینے والا جیسا دین مسلمانوں کے پاس ہے دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیثوں اور سنتوں کی صورت میں جیسا محفوظ ذخیرہ اہل اسلام کے پاس ہے کسی نبی کے ماننے والوں کے پاس نہیں ہے، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل کے ہر حصے کی سند اپنے نبی تک ثابت نہیں کرسکتے جبکہ مسلمان اپنے نبی کے اعمال، اقوال اور احوال سند سے ثابت کرسکتے ہیں میرے جیسا کم علم اور گناہ گار بتاسکتا ہے کہ مثال کے طور پر ''انما الأعمال بالنیات ......الخ'' والی حدیث جو اس تک پہنچی ہے تو اس کے درمیان اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کتنے واسطے اور کتنے اساتذہ ہیں،

ان کا نام ونسب کیا تھا......؟

ان کی سیرت اور کردار کیا تھا......؟

وہ کس پائے کے لوگ تھے......؟

اسی طرح یہ بھی بتاسکتا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کا چہرہ کیسا تھا......؟

رخسار کیسے تھے......؟

لب کیسے تھے......؟

ہتھیلیاں کیسی تھیں......؟

ناک کیسی تھی......؟

پیشانی کیسی تھی......؟

ٹھوڑی کیسی تھی......؟

آنکھیں کیسی تھیں......؟

پاؤں اور پاؤں کے تلوے کیسے تھے......؟

ایڑیاں اور پنڈلیاں کیسی تھیں......؟

آپ مسکراتے کیسے تھے......؟

چلتے کیسے تھے......؟

بیٹھتے کیسے تھے......؟

کھاتے اور پیتے کیسے تھے......؟

سوتے کیسے تھے......؟

سرمہ کون سا استعمال فرماتے تھے......؟

لباس کیسا زیب تن فرماتے تھے......؟

نعلین کیسے تھے......؟

جس اونٹنی پر سوار ہوئے اس کا نام کیا تھا......؟

جس خچر اور گدھے کو مرکب (سواری) بننے کا شرف حاصل ہوا اس کا نام کیا تھا......؟

تلواروں کے نام کیا تھے......؟

خطبہ کیسے ارشاد فرماتے تھے......؟

امامت وقضا کی ذمہ داری کیسے نبھاتے تھے......؟

بدر میں گئے تو کہاں تشریف فرما ہوئے......؟

احد میں گئے تو صفوں کو کیسے ترتیب دیا......؟

طائف میں آپ پر کیا گزری......؟

حدیبیہ میں صلح کے مراحل کیسے طے ہوئے......؟

خندق کی کھدائی کے وقت آپ کیا کر رہے تھے......؟

حنین میں جب میدان خالی ہو گیا تو آپ کہاں تھے......؟

فتح مکہ کے موقع پر آپ کے لبوں پر کیا بول تھے......؟

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیا تھا......؟

یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کیسے فرماتے تھے......؟

دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک فرماتے تھے......؟

غرضیکہ زندگی کیسے گزاری اور شام زندگی کا سامنا آپ نے کیسے کیا......؟

ہر چیز، ہر کیفیت، ہر مرحلہ اور ہر بات پوری طرح روشن ہو کر ہمارے سامنے موجود ہے لیکن دوسرے انبیاء کا معاملہ ایسا نہیں ہے، ان کی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ ان پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں میں اسے ان کا عیب نہیں کہتا، اصل میں وہ ایک محدود قوم اور وقت کے لیے نبی تھے اس لیے ان کی سیرت کی دائمی حفاظت کا انتظام نہیں کیا گیا جبکہ ہمارے آقا ﷺ کی نبوت سارے

انسانوں، سارے زمانوں اور سارے مکانوں کے لیے تھی اس لیے اس کی حفاظت کا رب تعالیٰ نے خود انتظام فرمایا اور اپنے بندوں کے دل میں اس کا داعیہ پیدا فرمایا جس کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا نے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے اقوال، احوال اور اعمال محفوظ کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

میرے بھائیو اور بہنو! کائنات کے رب کا جہاں ہم پر بہت بڑا انعام و احسان ہے کہ اس نے ہمیں بے مثال کتاب، عظیم ترین نبی اور اپنا پسندیدہ دین عطا فرمایا، وہیں ہم پر یہ بھاری ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ ہم روحانی اعتبار سے پیاسی دنیا کو سیراب ہونے کے مواقع فراہم کریں، اللہ کی کتاب ان تک پہنچائیں، رسول کریم ﷺ کے حقیقی مقام اور مرتبہ سے انہیں آگاہ کریں اور دین اسلام کی اتباع میں اللہ نے جو سکون اور دین و دنیا کے منافع رکھے ہیں ان کے بارے میں انہیں بتائیں، ذرا سی ہمت کریں اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں اور اموال دعوتِ اسلام میں لگائیں ایسا کرنے سے ہماری زندگی اور تجارت میں برکت ہوگی اور خود ہمارے لیے اور ہماری نسلوں کے لیے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا، دین اسلام کو تو پھیلنا ہی ہے بس یہ کہ اس کی اشاعت میں ہمارا نام بھی شامل ہو جائے گا، سوچیے یہ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جس فہرست میں انبیاء، اولیاء، علماء اور شہداء کا نام ہوگا اس فہرست کے کسی گوشے میں ہمارا نام بھی آ جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام میں حقوق و فرائض

قرآن کی روشنی میں

از افادات

داعی قرآن، مفسر قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۞……اسلام ہمیں حقوق و فرائض کے سلسلے میں کیا ہدایت دیتا ہے؟

۞……حقوق کا علم تو ہر کسی کو ہے کیا ہمیں اپنے فرائض کا علم بھی ہے؟

۞……حاکم اور محکوم، مالک اور ملازم، شوہر اور بیوی، والدین اور اولاد کے درمیان محبت کا رشتہ کیسے قائم ہوسکتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۰۸﴾ (البقرۃ ۲۰۸ پارہ ۲)

وقال اللہ تعالیٰ:

وَلَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِیۡ عَلَیۡهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیۡهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۲۸﴾ (البقرۃ ۲۲۸، پارہ ۲)

وقال تعالیٰ:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ (بنی اسرائیل آیت ۲۳ پارہ ۱۵)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم

ساری کائنات کا خالق اللہ ہے

قابلِ احترام بزرگو اور دوستو، ماؤں، بہنو اور بیٹیو! اس ساری کائنات کا خالق صرف اللہ ہے اور اللہ نے اپنی مخلوق میں کوئی بھی چیز فضول اور بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ بہت سی ایسی چیزیں جو ہمیں بظاہر نکمی اور بے کار دکھائی دیتی ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی کوئی نہ کوئی ذمہ داری ادا کر رہی ہیں اور اگر وہ اپنی مخصوص ذمہ داری ادا نہ کریں تو اُن کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔ لیکن انسان کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے سب بے اختیار ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ لیکن اپنے طلوع اور غروب میں بے اختیار ہے۔ چاند مہینہ کے آغاز میں چھوٹا سا طلوع ہوتا ہے۔ اور گھٹتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے۔ پھر مہینہ کے آخر میں بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے اس عمل میں بے اختیار ہے۔ سالوں سے اسی کام میں لگا ہوا ہے مگر بے اختیار ہے۔ بہت سے پرندے جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اُسی مقصد کو ادا کرنے میں لگے ہوئے ہیں مگر بغیر اختیار کے، پھر ان میں جس کے لیے اللہ پاک نے جس طرح کا نظامِ زندگی متعین کر دیا۔ جس قسم کا کھانا پینا مقرر کر دیا بس اُسی پر اکتفا کیے ہوئے ہیں۔ درندے گھاس کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ بھیڑ، بکریاں گھاس کھاتی ہیں اور گوشت چاہے کتنا ہی لذیذ کیوں نہ ہو نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتیں۔ بغیر اختیار

کے اس مقصد کی ادائیگی میں ان کے لیے رہن سہن متعین کردیا۔

انسان کا اللہ نے کتنا اختیار دیا؟

لیکن انسان کو تھوڑا سا اختیار بھی دیا ہے پورا پورا اختیار نہیں دیا اگر اللہ پورا اختیار دے دیتا تو یہ دنیا میں امن، سکون قائم ہونے نہیں دیتا اگر پورا اختیار ہوتا تو پھر کیا ہوتا آج جو فساد ہے، لڑائی ہے تو اس کا سبب یہ جنگل کے درندے نہیں، فضا میں اُڑنے والے پرندے نہیں ہیں، سمندر کی مچھلیاں نہیں ہیں، بلکہ یہ انسان کے اعمال ہیں، جبکہ اللہ نے اس کو پورا اختیار دیا نہیں ہے، بلکہ تھوڑا سا اختیار دیا ہے اسی وجہ سے انسان امانت کے بوجھ کا پہاڑ اُٹھا سکتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

قوت کے باوجود، اپنی طاقت کے باوجود، اپنی بلندی کے باوجود آسمان و زمین اور پہاڑوں نے بھی امانت کے بوجھ کو اُٹھانے سے انکار کردیا۔ لیکن انسان نے اُٹھالیا۔ کیا مطلب ہے انسان کے اُٹھانے کا اور دوسری مخلوقات کے انکار کرنے کا؟ مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر بارِ امانت اُٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی، نہ آسمانوں کے اندر، نہ زمین کے اندر، نہ پہاڑوں کے اندر، البتہ انسان میں اللہ نے یہ بوجھ اُٹھانے کی صلاحیت رکھی تھی اسی لیے اللہ نے انسان کو بارِ امانت اٹھانے کے لیے اختیار دیا۔ فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ، یعنی انسان نے اس امانت کا بوجھ اُٹھالیا۔

امانت کیا ہے؟

امانت سے مراد کیا ہے؟ مفسرین نے فرمایا امانت سے مراد دین ہے

اور دین کیا ہے؟ اگر پورے دین کا خلاصہ دو الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو پورا دین حقوق اور فرائض کا نام ہے۔ حقوق کیا ہیں؟ جو ہمارے دوسرے پر جو حقوق ہیں ان کو حقوق کا نام دیتے ہیں اور ہمارے اوپر جو ذمہ داریاں ہیں ان کو فرائض کا نام دیتے ہیں۔ فرائض تو حیوانوں کے بھی ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ حیوانوں کے فرائض ہیں۔ مچھلیوں کے فرائض ہیں، پرندوں کے فرائض ہیں، درندوں کے فرائض ہیں تو دین حقوق و فرائض کی ادائیگی کا نام ہے۔

اللہ کے حقوق

پہلا حق

سب سے پہلے ہم پر اللہ کے حقوق ہیں اور اللہ کے تین حق ہیں۔ عقیدۂ توحید کا حق، عبادت کا حق اور اطاعت کا حق۔ یہ ہمارے اوپر اللہ کے حقوق ہیں۔ ہم پر لازم ہے۔ ہم پر فرض ہے کہ ہم شرک سے بچیں اور عقیدۂ توحید پر قائم رہیں، اللہ کا یہ ہم پر بہت بڑا حق ہے۔ دوسرے حقوق کی ادائیگی میں کمی ہو جائے تو قابلِ معافی ہے، لیکن عقیدۂ توحید کے حق کی ادائیگی میں کسی قسم کی بھی کمی بیشی قابلِ معافی نہیں ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ:

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣؔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬

(سورۃ لقمان آیت ۱۳)

بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ یہ سب سے بڑا ظلم ہے

- شرکِ جلی بھی حرام اور شرکِ خفی بھی حرام۔

شرکِ جلی کیا ہے؟

شرکِ جلی کا مطلب اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔ کسی کے سامنے رکوع کرنا، سجدہ کرنا، دعا کرنا، نذر و نیاز ماننا، کسی کی رضا کے لیے صدقہ خیرات کرنا، کسی سے ویسی ہی اُمیدیں رکھنا جیسا کہ اللہ سے رکھی جاتی ہیں۔

شرکِ خفی کیا ہے؟

اور شرکِ خفی کا مطلب ہے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے عبادت کرنا۔ شرکِ خفی ہے۔ سجدہ کسی اور کے لیے کرنا اور عمل دکھاوے کے لیے کرنا۔ صدقہ تو بظاہر کر رہا ہے اللہ کے نام پر اور دل میں چھپا ہوا چور ہے کہ لوگوں کے سامنے شہرت ہو جائے۔ واہ واہ ہو جائے تو یہ بھی شرک ہے۔ اس کو شرکِ خفی قرار دیا گیا۔ اللہ کا پہلا حق ہے عقیدۂ توحید۔

دوسرا حق

اللہ کا دوسرا حق ہے عبادت اور عبادت اصل میں دل کے جذبے کا نام ہے اور عبادت دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ خوف اور محبت عبادت میں یہ دونوں جذبے ہونے چاہئیں اس کا اظہار مسلمان کبھی نماز کی صورت میں کرتا ہے۔ کبھی اُس کے ڈر کی وجہ سے روتا ہے۔ اور ڈر بھی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ محبت کا بھی جذبہ ہوتا ہے۔ سجدہ میں سر رکھتے ہیں گویا اللہ پیار کر رہے ہیں۔ بلا تشبیہ کے طور کہہ رہا ہوں کہ اللہ پیار کر رہے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روزہ ہے تو بھوکا رہ رہے ہیں۔ حج کے لیے بھاگا بھاگا پھر رہا

ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ حج میں عشق ومحبت کا جذبہ کارفرما ہے۔ حج ایک ایسی عاشقانہ عبادت ہے جس میں انسان عاشقانہ انداز اختیار کیا ہوا ہوتا ہے۔ اچھے لباس کو اتار دیا، بال منڈواتا نہیں، بال بکھرے ہوئے ہیں، جسم میلا کچیلا، جسم پسینہ سے اَٹا ہوا، خوشبو سے احتراز، چادریں پہنی ہوئی اور کبھی سعی میں دوڑ رہا ہے، کبھی کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ حجرِ اسود کے بوسوں کے لیے ترس رہا ہے کہ کوئی صورت بن جائے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دے دوں۔ آپ نے کبھی وہ منظر دیکھا اللہ پاک نے بہت سوں کو جانے کی توفیق دی ہوگی۔ اللہ سب کو توفیق دے۔ جب طواف کرنے والے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لیے ترستے ہیں، تڑپتے ہیں، لڑتے جھگڑتے ہیں ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ سب جائز نہیں ہے۔ یہ دھکے دینا اور دوسروں کو تکلیف دینا جائز نہیں ہے لیکن کرتے ہیں۔ جذبہ تو ہے، اور صرف محبت کا جذبہ۔ تو جذبہ محبت کے تحت عبادت کر رہے ہیں۔ پھر منٰی کی طرف بھاگے بھاگے جاتے ہیں، پھر عرفات کی طرف جاتے ہیں، مزدلفہ کی طرف جا رہے ہیں۔ راتیں جنگل میں کھلے آسمان تلے گزر رہی ہیں۔ اور پھر اللہ کے دشمن پر سنگ باری ہو رہی ہے۔ یہ جمرات کو رَمی کرنے کا منظر، پتھروں کو جو شیطان سے منسوب ہیں ان کو کنکریاں مارنے کا منظر بظاہر تو ایسا ہی سیدھا سادا سا منظر لگتا ہے۔ مجھے اللہ پاک نے اس دفعہ قریب سے دیکھنے کی توفیق دی۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے اُس میں بھی ایک ایمان کا مظاہرہ ہے۔ ایمانی منظر ہے، لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ ان بے جان پتھروں کو مارنے کے لیے مسلمان جتنی تکلیف اُٹھاتا ہے اگر اتنی ہی تکلیف اللہ

کی نافرمانی چھوڑنے میں اُٹھالے تو مسلمان واقعی مسلمان بن جائے یہ نہ ہو ترک ماموز فعلِ محظور جن کاموں کو کرنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو چھوڑ دیا۔اور جن کاموں سے اللہ نے بچنے کا حکم دیا وہ کرلیا یہ ہے معصیت۔یہ ہے گناہ۔

تیسرا حق

اللہ نے حکم دیا اَطِیْعُوا اللّٰہَ میری اطاعت کرو۔تو اللہ کی اطاعت کیا ہے۔کہ اوامر کو ادا کرے اور نواہی سے بچے تو یہ تین بڑے حق اللہ کے ہیں۔سب سے پہلے ہمارے اللہ کے، ہمارے خالق کے، ہمارے مالک کے، ہمارے رازق کے، ہمارے مربی کے، ہمارے محسن کے، یہ تین حق ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کے ان تین حقوق کو ادا کرنے کی پابندی کرلیں تو ہمارے لیے باقی تمام حقوق کا ادا کرنا نہایت آسان ہو جائے گا۔باقی سارے حقوق اسی میں آجاتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے حقوق

پہلا حق

حقوق اللہ کی ادائیگی کے بعد رسول ﷺ کے حقوق ہیں۔اور رسولِ اکرم ﷺ کے چار بڑے حق ہیں سارے انسانوں پر نبی اکرم ﷺ کا پہلا حق یہ ہے کہ آپ پر ایمان لایا جائے۔آپ کو اللہ کا پیغمبر اور آخری پیغمبر تسلیم کیا جائے۔

دوسرا حق

حضور ﷺ کا دوسرا حق یہ ہے کہ دل کے اندر حضور ﷺ کی محبت بھی ہو اور دل کے اندر حضور کی عظمت بھی ہو۔ اللہ کے بعد اس کائنات میں ہمارے سب سے بڑے محسن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ فطرت صرف انسان کی نہیں حیوان کی بھی ہے کہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ کتا جس کا نام ہم بڑی نفرت سے لیتے ہیں اُس کی فطرت میں بھی یہ شامل ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ اتنی کہ اپنے محسن پر جان نثار کردیتا ہے۔

گھوڑے کی مثالی وفاداری

گھوڑا جسے ہم بے عقل، بے شعور سمجھتے ہیں۔ بظاہر ایسی مخلوق ہے لیکن گھوڑے کا حال یہ ہے کہ اللہ نے اُس کی وفاداری کی حالات کی قسمیں اُٹھائیں:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

قربان جاؤں! اپنے اللہ کے کلام پر۔ اللہ نے کیسے پیارے انداز میں گھوڑے کی وفاداریوں کو بیان کیا۔ فرمایا کہ سنگلاخ زمین ہوتی ہے۔ پتھریلی زمین لیکن اس پر ٹاپیں مارتا ہوا دوڑتا ہے۔ چنگاریاں اُڑتی ہیں۔ لیکن اپنے مالک کی وفاداری میں دوڑتا چلا جاتا ہے۔ اور تیروں کی بارش ہورہی ہوتی ہے، لاشیں گر رہی ہوتی ہیں، جسموں کے ٹکڑے ہو رہے ہوتے

ہیں۔لیکن مالک کے کہنے پر گھستا چلا جاتا ہے۔گردو غبار میں چلتا جاتا ہے۔ہانپنے لگتا ہے۔سانس پھول جاتی ہے۔تھک جاتا ہے مگر پھر بھی دوڑتا چلا جاتا ہے۔مالک کو خوش کرنے کے لیے، مالک کی وفاداری کے لیے۔

انسان کا ناشکرا پن

ایک طرف تو اللہ نے گھوڑے کی قسمیں کھائیں اور آگے فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ

کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔یہ اتنا وفادار نہیں جتنا کہ گھوڑا اپنے مالک کا وفادار ہے۔اور فرمایا کہ:

وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ

انسان کا ناشکرا پن اور بے وفائی کو ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں خود انسان اس بات پر گواہ ہے کہ میں بڑا بے وفا ہوں۔بڑا ناشکرا ہوں۔

وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۗ

اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ، میرے رسول سے زیادہ، مال سے محبت کرنے والا ہے۔

حضور علیہ السلام کی محبت ایمانِ کامل کی شرط

میرے بھائیو! دوسرا حق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ دل میں آپ کی محبت اور آپ کی عظمت ہو، حضور کی محبت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہے۔سن لیجئے! کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔وہ سینہ بنجر ہے جس

سینہ کے اندر حضور کی محبت نہ ہو اور اللہ کے نبی نے فرمادیا کہ اُس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھ سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت نہ کرو۔ جب تک تمہیں اہل وعیال سے زیادہ، دوست احباب سے زیادہ، ہر چیز، ہر رشتہ سے زیادہ مجھ سے محبت نہ ہوگی اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا یہ دوسرا حق ہے حضور ﷺ کا۔

تیسرا حق

اور تیسرا حق حضور ﷺ کا یہ ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے، آپ کی اتباع کی جائے۔ آپ کی اتباع اللہ کی نظر میں اتنی اہم ہے کہ اللہ کہتا ہے جب تک میرے نبی کی اتباع نہیں کرو گے تمہارا ایمان بھی مکمل نہیں اور تم جو میرے ساتھ محبت کے دعوے کرتے ہو۔ ان دعوؤں کا کوئی اعتبار نہیں جب تک حضور ﷺ کی اتباع نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اللہ کی محبت کے دعوے کرنے والے بہت ہیں۔ صرف مسلمان ہی نہیں ہیں غیر مسلم بھی ہیں جو اللہ کی محبت کے دعوے کرتے ہیں۔ معبود کا نام کوئی بھی ہو، ہے تو وہی جس کو ہم اللہ کہتے ہیں۔ اُسے دوسرے فرقے کچھ اور نام سے پکارتے ہیں اور ہم اللہ کہتے ہیں۔ مگر ہے تو خدا وہی۔ ان میں عیسائی بھی ہیں، ہندو بھی ہیں، سکھ بھی ہیں، یہودی بھی ہیں، اللہ نے قیامت تک کے لیے فرمادیا سورۂ آل عمران آیت: ۳۱ میں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۂ آل عمران آیت: ۳۱)

اے اللہ کی محبت کے دعوے کرنے والو! جب تک میری اتباع نہیں کرو گے تو صرف یہ نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبت کرنے لگو گے اور تمہیں اللہ کا مُحب مان لیا جائے گا۔ بلکہ فرمایا یُحْبِبْكُمُ اللهُ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

چوتھا حق

حضور کا چوتھا حق ہم میں سے بہت ساروں کی نظروں سے اوجھل ہوگا اور وہ ہے حضور ﷺ کی نصرت، حضور ﷺ کی مدد۔ یہ بھی حضور ﷺ کا حق ہے۔ ایمان کا حق تو آپ جانتے ہوں گے۔ اور محبت کا حق جانتے ہوں گے۔ اور اتباع کا حق جانتے ہوں گے۔ لیکن حضور کی نصرت بھی حضور ﷺ کا حق ہے۔ یہ بہت سارے مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ اللہ نے ان چاروں حقوق کو بیان کیا کہ سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

فرمایا کہ فلاح اور کامیابی کن کو ملے گی؟ اللہ کہتے ہیں وہ جو ایمان لائیں گے مجھ پر اور میرے نبی کی تعظیم کرینگے اور میرے نبی کی نصرت کریں گے اور میرے نبی کی اتباع کریں گے۔ ویسے تو قرآن نے اتباع کا ذکر کیا۔ حضور کی اتباع بلکہ نصرت کو اللہ نے اتباع سے پہلے ذکر کیا۔ حضور ﷺ کی مدد و نصرت کو اتباع سے پہلے ذکر کیا۔ حالانکہ پہلے اتباع کا درجہ ہے پھر نصرت کا ہے۔ اللہ نے اہمیت بتانے کے لیے پہلے نصرت کو ذکر کیا اتباع کو بعد میں۔

حضور کی نصرت کیا ہے؟ حضور کے لائے ہوئے دین کی نصرت، حضور کی امت کی نصرت، حضور کی لائی ہوئی کتاب کی نصرت۔ جو قرآن کے پھیلانے کے لیے اپنے جسم وجان اور مال لگاتا ہے وہ حضور کی نصرت کرتا ہے۔ جو حضور کی امت کے لیے تڑپتا ہے، روتا ہے، بلکتا ہے، محنت کرتا ہے، امت کی پستی کو بلندی سے تبدیل کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے وہ حضور کی نصرت کرتا ہے۔ جو حضور کے لائے ہوئے دین کا فکرمند ہے اور اِس دین کو نافذ کرنے کی سعی کرتا وہ حضور کی نصرت کرتا ہے۔ تو حضور کو خود تو ہماری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے مالی مسائل حل کرنے کے لیے۔ اپنے ازدواجی مسائل حل کرنے کے لیے اپنی اولاد کے مسائل حل کرنے کے لیے۔ اپنے اقتدار کے مسائل حل کرنے کے لیے۔ حضور کو ہماری امداد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جو نصرت اللہ نے حضور کا حق فرمایا تو اس سے مراد حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی نصرت ہے۔ یہ چار حق ہیں میرے بھائیو! حضور کے ہم سب پر۔ اللہ اکبر ویسے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ لیکن قرآن تو ہمارے لئے بھی ہے۔ قرآن نے ذکر کیا اس لئے میں کہتا رہتا ہوں کہ سوال ہم سے ہے۔ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ؟ اللہ کے لیے میرے مدد کرنے والے کون ہیں۔ نصرت کرنے والے کون ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ آج نبی کے روضہ سے آواز آرہی ہے کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ؟ اللہ کے لیے میری نصرت کرنے والے کون ہیں؟ آج جبکہ میرا دین دربدر ہو گیا اور دین کو سینے سے لگانے والے بہت کم ہیں اور دین پر چلنے والے اجنبی بن کر رہ گئے، معاشرے کے اندر غریب بن کر رہ گئے۔ نامانوس بن کر رہ گئے۔ تو کون ہے مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ اللہ توفیق

دے تو کبھی کبھی تنہائی میں غور وفکر کرتے ہوئے پورے عزم اور ارادہ سے وہی کہا کریں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب میں اُن کے حواریوں نے کہا تھا نَحْنُ اَنْصَارُ اللهِ۔ ہم ہیں اللہ کے مددگار، ہم ہیں اللہ کے نبی کے مددگار۔تو بھئی! یہ چار بڑے بڑے حق ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔اختصار کے ساتھ چل رہا ہوں ورنہ حقوق وفرائض یہ موضوع بہت طویل ہے۔

نفس کے حقوق

اللہ کے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر تیسرے نمبر پر ہم پر ہمارے نفس کے بھی حقوق ہیں۔ ہمارے جسم کے بھی حقوق ہیں اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کروڑ ہا بار بے حد وحساب شکر ہے۔کہ تو نے ہمیں اسلام جیسا عظیم اور بے مثال دین عطا کیا اور بن مانگے عطا کیا۔جس دین کے اندر ہمارے جسم کے بھی حقوق بیان کئے گئے۔ بتا دیا گیا کہ تمہاری آنکھوں کا حق ہے۔تمہارے کانوں کے حقوق ہیں۔تمہاری زبان کا حق ہے۔ہاتھوں کے حقوق ہیں۔ پاؤں کے حقوق ہیں۔ پورے جسم کے حقوق ہیں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقاً

تمہارے اوپر تمہارے نفس کا حق ہے اور سورۃ المائدہ میں اللہ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ

اے ایمان والو اپنے نفسوں کا خیال کیا کرو۔اپنے ذات کا خیال کرو۔ یہ لازم ہے۔

جسم کے حقوق بیان کئے، معدہ کے حقوق بیان کئے، کئی مذاہب تھے اور آج بھی ہیں جنہوں نے انسانوں کو یہ تصور دیا کہ اپنے جسم کو جتنی تکلیف دو گے تمہارے دیوتا تم سے خوش ہونگے۔ چنانچہ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے اُلٹے لٹکتے تھے، ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے، جسم پر زنجیروں کا بوجھ ڈالتے تھے۔ مرغن غذا سے پرہیز کرتے تھے۔ شادی بیاہ سے اور بیوی بچوں سے دور بھاگتے تھے۔ جنگلوں، غاروں میں بسیرا کرتے تھے اور سمجھ لیتے تھے کہ ہمارے دیوتا ہم سے خوش ہو رہے ہیں۔ اپنے جسم کو تکلیف زیادہ سے زیادہ دیتے تھے۔ زخمی کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ سب کرنے سے ہمارے دیوتا خوش ہو رہے ہیں۔ آپ نے بھی اخباروں میں تصویریں دیکھی ہوں گی میں نے بھی دیکھی ہیں۔ آج کے دور میں جسے علم کا دور کہتے ہیں، تہذیب وتمدّن کا دور کہتے ہیں، ترقی کا دور کہتے ہیں اور انسانی عقل و دانش کی بلندی پر پہنچ جانے کا دور کہلاتا ہے، ۔ آج کے دور میں بھی ہم نے اخباروں میں دیکھا اور پڑھا کئی متمدن مما لک کے لوگوں اور نو جوانوں کی تصویریں چھپیں اور ان کی داستانیں شائع ہوئیں۔ مخصوص تہواروں کے موقع پر کوئی تیر اور نیزہ کے ذریعے سے اپنے گال کو چیر رہا ہے، کوئی اپنے گوشت کو کاٹ رہا ہے۔ اور تصور یہ ہے کہ ہم جتنا اپنے آپ کو تکلیف دیں گے ہمارے دیوتا ہم سے اتنا ہی خوش ہوں گے۔

اللہ کو خوش کرنے کا آسان طریقہ

ارے قربان جایئے! اپنے آقا کے قدموں کی خاک پر جنہوں نے ایسا مذہب اور دین دیا ایسی تعلیم دی اور کہا کہ اللہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے

آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تکلیف دو گے تو گناہ ہوگا۔ اپنے جسم کو زخمی کرو گے تو گناہ ہوگا۔ اپنا گوشت کاٹو گے تو گناہ ہوگا۔ بلا وجہ بھوکے پیاسے رہو گے تو گناہ ہوگا۔ گندے میلے کچلے کپڑے پہنو گے تو گناہ ہوگا۔ یہ حضور ﷺ نے سبق دیا فرمایا کہ اللہ کو خوش کرنے کے لیے یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ صاف ستھرا لباس پہنو، جسم کو پاک صاف رکھو، غسل کرو، پاکی اختیار کرو، وضو کرو اور خوشبو لگاؤ اور اچھا کھانا اگر اللہ نے دیا ہے تو استعمال کرو اللہ اس سے خوش ہوگا۔ جسم کے بھی حقوق بیان فرمائے۔ یہ کوئی ثواب نہیں کہ ہم اچھی غذا چھوڑ دیں، اچھا لباس چھوڑ دیں۔ اللہ نے سوال کیا

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

(سورۃ الاعراف آیت ۳۲ پارہ ۸)

میرے حبیب! ان سے پوچھیں کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے؟ اور جو پاکیزہ رزق ہے اُس کو کس نے حرام کیا؟ میں اللہ نے تو حرام نہیں کیا۔ تم نے کہاں سے حرام بنالیا؟

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب آئے۔ پھٹا پُرانا میلا کچیلا لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال نہیں ہے؟ انہوں نے کہا بہت کچھ ہے یہ بھی ہے وہ بھی ہے۔ بہت کچھ گنوایا کہا کہ میں مالدار ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے جو نعمتیں دی ہیں ان نعمتوں کا اثر تمہارے جسم پر بھی دکھائی دینا چاہیے۔ ایسا لباس پہنو جیسا اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ بہت زیادہ تکلف بھی نہ کیا جائے، تعیش بھی نہ کیا جائے کہ ہر وقت لباس ہی کی فکر کہ میرا شمار دنیا کے ان چند گنے چنے انسانوں میں ہو جائے۔ جو

سب سے قیمتی اور خوبصورت لباس پہننے والے ہیں یہ سوچ بھی غلط۔ ہماری بہنوں اور بیٹوں کی طرح ہر وقت فیشن پرستی یہ بھی غلط، نت نئے زیورات اور نت نئے جوتوں کے انبار لگا دینا اور لباس کے ڈھیر لگا دینا یہ بھی غلط یہ اسراف اور فضول خرچی ہے لیکن یہ بھی غلط کہ اللہ نے دیا ہے اور پھر بھی ڈھنگ کا لباس نہیں پہنتے۔

عبادت میں اعتدال

عبادت میں بھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اعتدال ضروری ہے۔ جسم کو تکلیف نہ دو۔ حضورِ ﷺ ایک گھر کے قریب سے گزرے دیکھا کہ چھت کے ساتھ رسی لٹکی ہوئی ہے۔ پوچھا کہ یہ کیوں لٹکا رکھی ہے؟ عرض کیا گیا کہ فلاں صاحبہ رات کو کھڑے ہو کر فجر تک عبادت کرتی ہیں۔ جب نیند آتی ہے۔ تو نیند بھگانے کے لیے رسی کے ساتھ لٹک جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ رسی کھول دو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں اُس کی عبادت کی اور اس طریقے سے اپنے آپ کو تکلیف دینے کی۔

حضورِ اکرم ﷺ نے ایک بوڑھے کو دیکھا (جس کا نام اسرائیل تھا) اپنے بیٹوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے گھسٹتا ہوا جا رہا تھا حضور ﷺ نے فرمایا اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ عرض کیا اُس نے نذر مانی ہے کہ پیدل حج کے لیے جاؤں گا اور اب پیدل چلنے کی طاقت نہیں ہے۔ نذر تو مان لی مگر چلنے کی طاقت نہیں ہے۔ اب بیٹوں کو بھی تکلیف دی ہوئی ہے کہ مجھے پیدل لے کر جاؤ تاکہ میں اپنی نذر پوری کرلوں اور اپنے آپ کو بھی بڑی مشقت میں

ڈالا ہوا ہے، گھسٹتا ہوا جا رہا ہے تو فرمایا اس کو سواری پر سوار کرو۔ اللہ کو کوئی ضرورت نہیں اس طریقے سے اپنے آپ کو تکلیف دینے کی۔

ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ دھوپ میں کھڑے ہیں بات بھی نہیں کرتے حضور ﷺ نے پوچھا کہ ان کو کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ انہوں نے نذر مانی ہے تو یہ تمام مثالیں زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی ہیں۔ نو مسلم تھے پتہ نہیں تھا۔ اللہ کو اب تک ایسے ہی خوش کر رہے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عبادت ہوتی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں حج بھی ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قربانی بھی ہوتی تھی۔ زمانہ جاہلیت مین نماز بھی تھی۔ جیسے اللہ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝٣٥

(الانفال ایت ۳۵ پارہ ۹)۔

تفصیل میں نہیں جاتا وہ عبادت تو تھی لیکن انداز اپنے اپنے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی فضول نذریں مانی جاتی تھیں اللہ کے نبی کو بتایا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! فلاں شخص نے نذر مانی ہے کہ میں سایہ میں نہیں بیٹھوں گا ۔دھوپ میں رہوں گا اور نذر مانی ہے کھڑا ہی رہوں گا۔ اور نذر مانی ہے کہ بات بھی نہیں کروں گا۔ عجیب حالت ہے کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور بیٹھ ہی نہیں رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیٹھ بھی جاؤ اور سایہ میں بیٹھو، بات چیت بھی کرو، تم نے جو قسم توڑی ہے اس کا کفارہ دے دو۔ اس قسم کی نذر کا پورا کرنا نہ واجب ہے نہ جائز ہے۔

جسم کے حقوق

تو میرے بزرگو اور دوستو! جسم کے بھی حقوق بیان فرمائے کہ تمہارے جسم کے تمہارے اوپر حقوق ہیں۔

اِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا

اس لئے کہا جاتا ہے کہ سینہ کوبی، یہ ماتم، یہ چہرے کو نوچنا، یہ زنجیروں سے اپنے آپ کو زخمی کرنا حرام ہے، ناجائز ہے۔ ماتم کی حرمت اپنی جگہ لیکن میں جس نقطہ کو بیان کر رہا ہوں وہ یہ کہ جسم کا حق ہے۔ مجھے اپنے جسم کو بلاوجہ تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ بلاوجہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپریشن ہو تو جائز ہے۔ پھوڑا پھنسی کی وجہ سے چیر پھاڑ کی گئی تو جائز ہے لیکن بلاوجہ اپنے جسم کو تکلیف دینا اور زخمی کرنا جائز نہیں۔ اللہ کے حبیب نے یہاں تک فرما دیا:

مَنْ شَقَّ الْجُیُوْبَ وَضَرَبَ الْخُدُوْدَ فَلَیْسَ مِنَّا:

جو گریبان پھاڑتے ہیں، چہروں کو پیٹتے ہیں۔ اپنے آپ کو زخمی کرتے ہیں ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

مجھے اجازت نہیں کہ میں اپنی آنکھ نکال کر کسی کو دے دوں کہ لیجیے! یہ میرے طرف سے ہدیہ ہے یہ جائز نہیں ہے۔ میرے جسم کا میرے اوپر حق ہے۔ اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ جب حقوق کی بات آئی تو سب سے پہلے جسم کے حقوق کو بیان کیا۔ اور میں یہ بھی عرض کر دوں جیسے میرے اوپر میرے جسم کا حق ہے کہ میں اس کو آرام دوں، میں اس کو زخمی نہ کروں، میں بلاوجہ اس کو پریشان نہ کروں، میں بلاوجہ بھوکا پیاسا نہ رہوں، میں بلاوجہ دھوپ میں

کھڑا نہ رہوں، اسی طریقہ سے ہمارے جسم کا بھی ہم پر یہ حق ہے کہ اس کا استعمال جائز طریقہ سے کروں، اللہ کی نافرمانی میں اسے استعمال نہ کروں، اور اگر میں نے اپنی زبان کو غلط استعمال کیا تو یہ زبان دوزخ میں جائیگی بلکہ پورے جسم کو لے جائے گی۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ اکثر لوگ دوزخ میں اپنی زبان کی وجہ سے جائیں گے یہ آقا نے فرمایا ہے اور حق فرمایا ہے، اللہ کی قسم! بالکل سچ فرمایا، شرک کا تعلق زبان سے ہے۔ زبان سے کلمہ شرک کہا جاتا ہے۔ کلمہ کفر نکالا جاتا ہے۔ دل دکھانے کا تعلق زبان سے ہے۔ بہتان کا تعلق زبان سے ہے۔ غیبت کا تعلق زبان سے ہے۔ لوگوں میں فتنہ فساد پھیلانے کا تعلق زبان سے ہے اور جڑے ہوئے دلوں کو توڑ دینے کا ذریعہ زبان بنتی ہے میں جانتا ہوں کہ زبان کا غلط استعمال دوزخ میں لے جاتا ہے۔ ہاتھوں پیروں کا غلط استعمال دوزخ میں لے جا سکتا ہے تو مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں اپنے جسم کو اور اس کے تمام اعضاء کو گناہوں سے بچا کر رکھوں۔ یہ بھی جسم کا ہمارے اوپر حق ہے تو یہ تین حقوق میں نے بیان کئے ①: اللہ کے حقوق ②: رسول ﷺ کے حقوق ③: اپنے نفس کے حقوق پھر اس کے بعد باری آتی ہے آپس کے حقوق کی۔ جن کو ہم حقوق العباد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

حقوق العباد کی اہمیت

میرے عزیز بزرگو! حقوق العباد کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ بڑا نازک ہے۔ خدارا! اس کو اہمیت دیجئے۔ حقوق اللہ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر اپنے

اللہ پر قربان جایئے کہ اللہ نے اپنے حقوق سے زیادہ بندوں کے حقوق کو اہمیت دی ہے۔اور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے یہ حکم دیا کہ حقوق اللہ میں کوئی کمی رہ جائے سوائے عقیدۂ توحید کے۔عقیدۂ توحید کی بات الگ ہے اُس میں کسی بھی قسم کی ذرہ برابر کمی اور کوتاہی معاف نہیں ہے۔وہ گناہ تو نا قابلِ معافی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

اللہ شرک کبھی معاف نہیں کرتا اس کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اگر اللہ چاہے گا تو ان کو معاف کر دے گا۔

حقوق اللہ کو تو معاف کر دینگے۔سوائے شرک کے گناہ کے۔حقوق العباد کے گناہ کو، ظلم اور زیادتی کو اللہ معاف نہیں کرینگے اللہ کا یہ فرمان ہے کہ بندہ خود معاف کر دے تو ٹھیک ورنہ میں معاف نہیں کروں گا۔

میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم مفلس، غریب اور کنگلا کس کو کہتے ہو؟ مفلس کس کو کہتے ہو؟ عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم مفلس اس کو کہتے ہو۔جس کے پاس درہم اور دینار نہ ہوں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے یہ بھی مفلس ہے۔

حقیقی مفلس وغریب

لیکن حقیقی مفلس اور غریب تو وہ ہوگا جو قیامت کے دن آئے گا، ایسے ہی نہیں آئے گا بلکہ اپنے ساتھ بہت سی نیکیاں لے کر آئے گا۔فرمایا کہ نیکیاں لے کر آئے گا۔نمازیں لے کر آئے گا۔صدقہ خیرات لے کر آئے گا۔حج اور

عمرہ لے کر آئے گا۔ ذکر اور تلاوت لے کر آئیگا۔ لیکن ان تمام نیکیوں اور عبادت کے باوجود اُس نے کسی کا دل دُکھایا ہوگا، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر ظالمانہ انداز میں ہاتھ اُٹھایا ہوگا، کسی کا مال، کسی کی زمین دبائی ہوگی۔ وہ آئے گا تو حق والے بھی آجائیں گے۔ اس لئے کہ وہ تو کامل عدل کا دن ہوگا۔ دنیا میں کامل عدل نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں کامل انصاف نہیں ہوسکتا۔ دنیا جگہ ہی ایسی ہے۔ یہاں کامل انصاف نہیں۔ ہمارے ہاں تو ویسے ہی عدلیہ زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ جن ملکوں میں عدلیہ آزاد ہے وہاں پر بھی پورا عدل نہیں ہوسکتا۔ جن لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے وہ چرب زبان وکیلوں کا انتظام کر لیتے ہیں اور ناحق پر ہونے کے باوجود اپنے حق میں فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ تو دنیا میں کامل عدل ہو ہی نہیں سکتا۔ آخرت کا دن کامل عدل والا ہوگا۔ مظلوم آئیں گے، یہ نیک شخص بھی آئے گا، نیکیاں لے کر آئے گا پھر حق والے بھی آجائیں گے۔ اللہ کا ارشاد ہوگا کہ ان کے حقوق ادا کرو۔ وہ کہے گا کیسے ادا کروں؟ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، نہ دولت ہے، نہ ہی مال و متاع ہے نہ روپیہ پیسہ۔ نہ فیکٹری نہ دوکان کچھ بھی نہیں ہے کیسے ادا کروں اللہ کہیں گے اس کی نیکیاں لے کر حق والوں کو دے دی جائیں۔ اور دے دی جائیں گی لیکن پھر بھی حق ادا نہیں ہوسکیں گے، حق مانگنے والے باقی رہ جائیں گے۔ پھر ان کے گناہوں کو لیکر اس کے ذمہ ڈال دیا جائے گا اللہ کے نبی نے فرمایا کہ حقیقی مفلس یہ ہوگا۔ حقیقی مفلس وہ ہے جو نیکیوں سے خالی ہوگیا اور دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر رکھ لیا۔

حقوق العباد میں سب سے پہلا حق

میرے بھائیو! حقوق العباد کا مسئلہ بڑا ہی نازک ہے۔ اس کو خصوصی اہمیت دیجئے اور پھر ہم حقوق العباد کی بات کرتے ہیں تو حقوق العباد میں سب سے پہلا حق ہمارے والدین کا ہے۔ مغربی تہذیب کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ بہت سے نوجوان اور ماڈرن لوگ ہیں جو مغربی تہذیب کی چکا چوند سے متاثر ہیں، اس کے اسیر ہو رہے ہیں۔ ان جیسی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ جیسے یہود و نصاریٰ گزار رہے ہیں۔ چاہتے ہیں، لیکن وہ ذہن میں یہ بات ضرور رکھیں وہاں والدین بے سہارا ہوتے ہیں۔ بوڑھے والدین کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ (الحمدللہ) اللہ نے ہمیں اسلام جیسا مذہب عطا کیا۔ جس میں بوڑھے والدین کے بھی حقوق ہیں۔ اور حقوق کا خیال کرنے والا اور ادا کرنے والا ہی سچا اور حقیقی مسلمان ہوگا۔ ہمارے وہ بزرگ جو اپنی نوجوان اولاد کو مغربی تہذیب میں رنگنا چاہتے ہیں وہ یاد رکھیں! اگر انہوں نے اپنے نوجوانوں کی اور اولاد کی اسلام کے حکم کے مطابق تربیت نہ کی تو ان کا بڑھاپا تڑپ تڑپ کر اور ترس کر گزرے گا۔ میرے سامنے ایسی مثالیں ہیں۔ ایک ہی بنگلے میں رہتے ہوئے ایک گھر میں رہتے ہوئے۔ بوڑھا باپ مر گیا اور اولاد کو پتہ ہی نہیں۔ آپ نے بھی پڑھا ہوگا میں نے بھی اخبار میں پڑھا پاکستان کا سب سے بڑا خطاط اور مصور ماں باپ کے ساتھ ایک ہی بنگلے میں رہ رہے ہیں ماں باپ قتل ہو گئے ایک ہی بنگلہ میں اور اُسی بنگلے کے دوسرے حصے میں نوجوان بیٹا اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا اس کو پانچ دن تک پتا ہی نہیں چلا۔ پانچ دن تک

پتہ ہی نہ چل سکا کہ کیا ہوا۔ باپ قتل ہو گیا لاشیں پھولی ہوئیں ہیں۔ باپ کی لاش۔ ماں کی لاش پتہ ہی نہیں اللہ اکبر اور اللہ کے نبی نے کس طرح سے سمجھایا کہ کیسی اولاد بننا ہے۔ وہ غار والا واقعہ جس میں تین نوجوان غار میں پھنس گئے تھے۔ تینوں نے اپنی اپنی نیکی کو یاد کر کے اس کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی۔ ان میں سے ایک وہ تھا جس نے اللہ سے عرض کیا۔ اے اللہ! تو جانتا کہ میں بکریاں چرا کر شام کو تھکا ہوا گھر آتا تھا۔ دودھ دوہتا تھا۔ میرے بچے بھوکے ہوتے تھے۔ لیکن سب سے پہلے دودھ میں اپنے والدین کو پلاتا تھا۔ پھر بچوں کی باری آتی تھی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والدین انتظار کرتے کرتے سو گئے مجھے دیر ہو گئی۔ میں نے دودھ دوہیا۔ پیالے میں بھرا اور والدین کے سرہانے کھڑا رہا۔ میرے بچے بھوکے میرے قدموں کے ساتھ لپٹ کر روتے رہے مگر میرے دل نے گوارہ نہ کیا کہ جب تک میرے والدین دودھ نہ پی لیں میں اپنے بچوں کو دوں اس طرح صبح ہو گئی۔ میں پیالہ لے کر اسی طریقہ سے کھڑا رہا میں نے یہ عمل صرف اور صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے۔ اس لئے کہ تو نے والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر میری یہ نیکی تجھے پسند ہے تو آج اس مصیبت سے تو نجات دے دے۔ اللہ اکبر نہ حج کا واسطہ دیا، نہ نمازوں کا واسطہ دیا، نہ روزوں کا واسطہ دیا اور واسطہ دیا تو صرف اور صرف والدین کی خدمت کا اور اللہ پاک نے اس نیکی کو اور اس دعا کو قبول فرمایا اور ان کو اس مصیبت سے نجات دے دی تو والدین کے حقوق بیان کئے۔

والدین کے حقوق بیان کرنے کا عجیب انداز

اور اللہ نے تو والدین کے حقوق بیان کرنے کے لیے ایسا انداز اختیار فرمایا کہ اس انداز کو دیکھنے کے بعد ناممکن ہے کہ کوئی مسلمان والدین کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔قرآنِ کریم میں اکثر مواقع پر جہاں جہاں اللہ نے والدین کے حقوق کو بیان کیا۔ان سے پہلے اپنے حق کو بیان کیا۔اپنی توحید کے حق کو۔اپنی عبادت کے حق کو بیان کیا۔اس کے فوراً بعد والدین کے حقوق کو بیان کیا۔پہلے پارہ کو دیکھ لیں:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔

(سورۃ البقرہ آیت ۸۳ پ ۱)

ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ

(بنی اسرائیل آیت ۲ پارہ ۱۵)

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے اور والدین جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں:

فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا

(سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۲ پ ۱۵)

ان کو اُف بھی نہ کہنا۔ انہیں جھڑکنا نہیں۔ ان سے نہایت ادب، نرمی اور اچھے طریقے سے بات کرنا۔ اللہ اکبر اللہ یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ اچھے طریقے سے بات کرنا۔ قرآن کا انداز یہ ہے کہ قرآن اختصار کے ساتھ بات کرتا ہے۔ کوزہ میں دریا کو بند کر دیتا ہے۔ اور اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ والدین کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرنا۔ اسی میں یہ بھی آجاتا کہ اف بھی نہیں کہنا۔ جھڑکنا نہیں، تکلیف بھی نہ دینا وغیرہ وغیرہ اسی میں آجاتا۔ لیکن میرے اللہ نے تینوں باتوں کو الگ الگ کہا۔ اُف بھی نہیں کہنا۔ جھڑکنا بھی نہیں۔ اچھے طریقہ سے بات کرنا۔ یعنی کوئی ایسا کلمہ نہ کہنا کہ اُس کلمہ کی وجہ سے انہیں تکلیف ہو۔ یہ تو اللہ نے والدین کے حقوق کو بیان کیا۔

والدین کے حقوق احادیث کی روشنی میں

ہمارے آقا ﷺ نے بھی والدین کے حقوق کو بیان کیا بہت ساری احادیث ہیں۔ میں آپ کو صرف دو حدیثیں سنا رہا ہوں۔ ایک حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے سوال کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا حَقُّ الْوَالِدَیْنِ؟ ولدین کا حق کیا ہے؟ اللہ اکبر قربان جایئے۔ زبانِ نبوت پر۔ یہ سوچئے کہ ہم سے کوئی پوچھے کہ والدین کا حق کیا ہے؟۔ ہوسکتا ہے کہ ہم کہیں کہ دیکھو۔ انہیں کھانا کھلانا۔ ان کو اچھا لباس لے کر دینا۔ ان کی مٹھی چاپی کرنا۔ ان کی خدمت کرنا۔ علاج معالجہ کرنا وغیرہ وغیرہ تفصیل ہوسکتی ہے قربان جایئے! کہ آقا ﷺ نے کتنے مختصر الفاظ میں حقوق کو بیان کیا اور کچھ بھی نہیں چھوڑا فرمایا۔ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ یہ یاد رکھ لے! تیری جنت بھی

والدین ہیں اور تیری دوزخ بھی والدین ہیں۔ اس میں سب کچھ آ گیا ہے، تفصیل کچھ بھی نہیں، لیکن سب کچھ آ گیا فرمایا کہ (هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ) تیری جنّت بھی وہ اور تیری دوزخ بھی وہ، لیکن دیکھ لینا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے تم دوزخ کے حق دار بن جاؤ۔ ایسا کرو کہ تم جنّت کے حق دار بنو ان کی خدمت سے۔

ایک دوسری حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي۔

میرے حسن سلوک کا انسانوں میں سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟

اللہ اکبر آپ نے فرمایا

أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ۔

فرمایا کہ تیری والدہ، تیری والدہ، تیری والدہ۔ تین دفعہ فرمایا

ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ۔

پھر تیرا والد اس کے بعد قریبی اور قریبی، یہ دائرہ وسیع ہوتا جائے گا یہ ہے تیری خدمت کے، تیرے حُسنِ سلوک کے حقدار، سب سے زیادہ حقدار والدہ اور آپ ﷺ نے والدہ کے حق کو تین دفعہ بیان کیا أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ۔ تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں۔ والدہ کے حقوق سب سے زیادہ، قرآن نے بھی ذکر کیا تفصیل میں نہیں جاتا۔ اللہ نے بھی ایسا ہی کہا کہ والد کے لیے کہا کہ اُس کے جملہ حقوق کا خیال کرو۔ اور والدہ کے لئے تفصیل

کے ساتھ فرمایا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ تفصیل بھی بیان کی۔

حقوق وفرائض میں اسلام کا اعتدال

میرے بھائیو اور بہنو! حقوق اور فرائض کے اعتبار سے اسلام نے بڑی اعتدال والی تعلیمات دی ہیں۔ صرف والدین کے حقوق کو بیان نہیں کیا، اولاد کے حقوق کو بھی بیان کیا، صرف شوہر کے حقوق کو نہیں، بیوی کے حقوق کو بھی بیان کیا۔ صرف مالک کے حقوق کو نہیں، ملازم کے حقوق کو بھی بیان کیا دونوں طرف سے حقوق بیان کئے۔ تاکہ اعتدال رہے۔ میں والدین سے بھی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ خدارا! اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ بعض ایسی مثالیں بھی سامنے آتی ہیں کہ جن سے پتا چلتا ہے کہ خود والدین بھی بچوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے جذبات کا لحاظ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں بعض اوقات زبردستی ناحق بات ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔

اولاد کے حقوق

اولاد کے جو حقوق ہیں اُن سے سب سے پہلا حق تو بیان کیا کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان کہو یہ اس کا حق ہے۔ اس کو کان میں بتادو کہ تو مسلمان ہے۔ ویسے تو بچہ پیدا ہی مسلم ہوتا ہے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ بچہ تو مسلم پیدا ہوتا۔ کوئی بچہ نہ یہودی پیدا ہوتا ہے نہ عیسائی، نہ ہندو، نہ سکھ، نہ نصرانی، نہ زانی، نہ فاسق، نہ فاجر، نہ چور، نہ ڈاکو۔ بچہ تو مسلم پیدا ہوتا ہے۔ سادہ فطرت لے کر، اسلام کی فطرت لے کر، پھر یہ

والدین ہیں جو کسی نہ کسی غلط پٹری پر چلا دیتے ہیں اور چڑھا دیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اس کے کان میں اذان کہو۔ پھر اس کو گھٹی دو۔ طاقت ہو تو عقیقہ کرو۔ طاقت کی بات کر رہا ہوں، عقیقہ کوئی واجب نہیں ہے۔ بہت سے لوگ عقیقہ کا ایسا اہتمام کرتے ہیں کہ گویا کہ فرض دواجب ہے۔ پھر اس کا اچھا نام رکھیں۔ اچھا نام کس کو کہیں گے۔ جس نام سے ظاہر ہوتا ہو کہ یہ اللہ کا ماننے والا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ماننے والا ہے۔ اس کا دینِ اسلام سے تعلق ظاہر ہوتا ہو۔ آج کل لوگ نئے نئے نام رکھتے ہیں۔ کہ انوکھا نام ہو۔ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ نام کیا رکھیں۔ جو سمجھ میں آتا ہے بتاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے خاندان میں پہلے ہی ہے۔ یہ تو چچا کے بیٹے کا نام ہے، ماموں کے بیٹے کا نام ہے، یہ تو خالہ کے بیٹے کا نام ہے۔ یہ فلاں کا نام ہے تو لوگ کیا کہیں گے کہ وہی نام رکھ لیا۔ عجیب! کہاں سے نئے نئے نام لائیں مولوی صاحب ایسا نام بتائیں کہ وہ نام کسی کا بھی نہ ہو۔ تو اچھا نام وہ ہوگا جس سے مسلمان ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ آپ کو ایسے ایسے لوگ بھی ملیں گے واہ واہ لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ ایک نام دوبارہ رکھنا پسند نہیں کرتے کہ خاندان میں دوسرا بھی ہے۔ کیسے لوگ تھے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ کو اللہ نے چار بیٹے دیئے چاروں کا نام محمد رکھا اللہ اکبر اللہ اکبر اس نام کے علاوہ کوئی نام جچتا ہی نہیں۔ محمد کے نام کے سوا کوئی دوسرا نام جچتا ہی نہیں۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ۱۴ پشتوں تک سب کا نام محمد، محمد ابن محمد ابن محمد ابن محمد۔۔ بیٹے کا نام محمد، باپ کا نام محمد، دادا کا نام محمد، پردادا کا نام محمد اوپر تک ۱۴ پشتوں تک۔ صرف ایک نام محمد ہی محمد نام نہ ایسی مثالیں ہیں تو بھئی! ایسا نام ہو۔ جس سے

مسلمان ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ اللہ کا بندہ ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ حضور کا امتی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

اولاد کا سب سے بڑا حق

اور سب سے بڑا حق اولاد کا اچھی تربیت ہے۔ ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا والد اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے۔ اس میں سے بہترین عطیہ بہترین تربیت ہے اسلامی تربیت کا اہتمام کریں اور اس کے بعد اولاد نکاح کی عمر تک پہنچ جائے تو نکاح کی فکر کریں۔ آج کی نشست میں پہلے حقوق اللہ پھر حقوق رسول، پھر حقوقِ نفس پھر حقوقِ والدین اور پھر حقوقِ اولاد بیان ہوئے۔ اللہ پاک نے توفیق دی اور منتظمین نے بھی حقوق وفرائض کا موضوع طے کیا تو انشاء اللہ بقیہ گفتگو اگلی نشست میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو سارے اسلامی، شرعی حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین۔

اسلام میں حقوق وفرائض
سیرت
کی روشنی میں

ازافادات

داعی قرآن، مفسر قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۞......اسلام ہمیں حقوق و فرائض کے سلسلے میں کیا ہدایت دیتا ہے؟

۞......حقوق کا علم تو ہر کسی کو ہے کیا ہمیں اپنے فرائض کا علم بھی ہے؟

۞......حاکم اور محکوم، مالک اور ملازم، شوہر اور بیوی، والدین اور اولاد کے درمیان محبت کا رشتہ کیسے قائم ہو سکتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۞

(سورۃ البقرہ آیت ۲۰۸ پارہ نمبر ۲)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

میرے بزرگو اور دوستو! بہنو اور بیٹیو!

پورے کے پورے دین پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم سارے حقوق و فرائض کی تکمیل کرنے والے بن جائیں۔ جو چیز ایک کا حق ہوتی ہے وہ چیز دوسرے پر فرض و واجب ہو جاتی ہے۔ اور پورے کے پورے دین کا خلاصہ حقوق و فرائض میں آجاتا ہے۔

مسلمان کے ذمہ کتنی قسم کے حقوق ہیں

میں نے اس بحث کو سمیٹنے کے لیے اور آپ کو سمجھانے کے لیے عرض کیا تھا کہ مسلمان کے ذمہ پانچ قسم کے حقوق لازم ہیں۔

(۱) اللہ کے حقوق (۲) اللہ کے نبی ﷺ کے حقوق (۳) اپنے نفس کے حقوق (۴) آپس میں ایک دوسرے کے حقوق (۵) اور ساری مخلوق کے حقوق۔

اگر قرآن کریم کو بھی الگ شمار کیا جائے تو چھ قسم کے حقوق بن جائیں گے۔ اللہ کے حقوق، رسول اللہ ﷺ کے حقوق، اپنی جان و نفس کے حقوق، آپس کے حقوق، اور مخلوق کے حقوق۔

اللہ کے بڑے بڑے حقوق تین ہیں: (۱) توحید کا حق (۲) عبادت کا حق اور (۳) اطاعت کا حق: نبی اکرم ﷺ کے بڑے حقوق چار ہیں: (۱) ایمان کا حق (۲) محبت، ادب و احترام کا حق (۳) اتباع کا حق اور (۴) آپ ﷺ کی نصرت کا حق۔ یعنی آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا حق۔ پھر اپنی جان اور اپنے جسم کے حقوق ہیں۔ یہ بھی اسلام نے رکھے ہیں۔ اللہ کے نبی نے واضح طور پر فرمایا:

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا

''تمہاری جان کا تمہارے نفس کا بھی حق ہے اس کو بھی ادا کرو۔''

میاں بیوی کے حقوق

پھر آپس کے حقوق ہیں۔ آپس کے حقوق میں بڑی تفصیل ہے۔

والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق ہیں، رشتے داروں کے حقوق ہیں۔ ان میں سے بعض حقوق کے بارے میں اجمالی طور پر گذشتہ درس میں بات ہوئی تھی۔ شوہر اور بیوی کے حقوق بیان کئے جا رہے تھے، کہ وقت ختم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی ایک فریق کے حقوق بیان نہیں کئے، بلکہ دونوں فریقین کے حقوق بیان کر کے اعتدال قائم رکھا۔ اگر ایک ہی فریق کے حقوق بیان کئے جاتے تو وہ فریق سر پر چڑھ جاتا اور دوسرے پر ظلم کرنے لگتا، لہٰذا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دونوں کے حقوق بیان فرمائے۔ شوہر اور بیوی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ ایک طرف شوہر کے حقوق بیان کرتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ۔

عورت کا انتقال اس حالت میں ہو کہ اس کا شوہر اس سے خوش تھا، وہ جنت میں داخل ہوگی۔ تو دوسری طرف بیوی کے بھی حقوق بیان کئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا

ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہو۔ وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِ اور اپنے بیوی بچوں سے سب سے زیادہ نرمی کرنے والا ہو۔ یہ نرمی ظاہر ہے کہ شریعت کے حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو۔ اسی طریقے سے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے کہ جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہے۔'' اور فرمایا

کہ: ''تم میں سے سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال یعنی بیوی بچوں کے ساتھ نرمی کرنے والا ہو۔'' دونوں فریقین کے حقوق بیان فرمائے۔ یعنی بیوی کے حقوق بھی اور شوہر کے حقوق بھی، اسی سے اعتدال قائم ہوتا ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق

رشتہ داروں کے حقوق بیان فرمائے۔ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کو شریعت کی اصطلاح میں صلہ رحمی کہتے ہیں۔ صلہ رحمی کی اہمیت بیان فرمائی، اور صلہ رحمی کی جو ضد ہے قطع رحمی اس کی بھی مذمت بیان فرمائی۔ صلہ رحمی کی اہمیت اس قدر بیان فرمائی فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُوْسَعَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میں برکت ہو اور اس کے رزق میں بھی برکت ہو وہ صلہ رحمی کرے''۔ اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے اور قطع رحمی کی مذمت بیان فرمائی، صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ** قطع رحمی کرنے والا، رشتے داروں سے خوامخواہ تعلق توڑنے والا، رشتہ داروں کے حقوق دبانے والا، ان پر ظلم اور زیادتی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ جو قطع رحمی ہے۔ رشتے داروں سے خواہ مخواہ تعلق توڑنا، ان کے حقوق دبانا۔ فرمایا کہ

قطع رحمی یہ مونڈنے والی چیز ہے۔ اور خود ہی وضاحت فرمائی کہ یہ کس چیز کو مونڈتی ہے؟ فرمایا کہ دین داری کو مونڈنے والی ہے۔ اور ایک دفعہ اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کے بارے میں نہ بتاؤں جو نفلی نمازوں سے بھی افضل، نفلی روزوں سے بھی افضل، اور نفلی صدقات سے بھی افضل ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ کے نبی ع ضرور بتایئے: آپ ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی۔ رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا ایسا عمل ہے کہ نفلی عبادت سے بھی افضل ہے۔

پڑوسی کے حقوق

اسی طریقے سے پڑوسی کے حقوق بھی بیان فرمائے اور پڑوسی کے حقوق بیان کرنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے عجیب انداز اختیار فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے تین دفعہ قسم کھا کر کہا:

وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ

اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی قسم مؤمن نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی قسم! مؤمن نہیں ہوسکتا (تین دفعہ فرمایا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ کس بدنصیب کے بارے میں فرمارہے ہیں؟ کہ وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ آپ نے فرمایا: اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو وہ مؤمن نہیں ہوسکتا:[3]

یہ وہ اعمال ہیں جو ہماری نظر میں چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں۔ پڑوسی

کے حقوق ادا کرنا۔ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا، چچا کے حقوق، ماموں کے حقوق، خالاؤں کے حقوق ہماری نظر میں چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں۔ لیکن اللہ کے نبی نے انکی بڑی فضیلت بیان فرمائی۔ پڑوسی اگر چہ غیر مسلم بھی ہو تب بھی اس کے حقوق ہیں۔ ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ایک پڑوسی وہ ہے جسکا ایک حق ہے۔ اور دوسرا پڑوسی وہ جس کے دو حق ہیں۔ یعنی مسلمان ہونے کا ایک حق پڑوسی ہونے کا دوسرا حق۔ اور اگر وہ رشتے دار ہو تو اس کے تین حق بیان فرمائے۔ ایک پڑوسی ہونے کا، دوسرا مسلمان ہونے کا، تیسرا رشتہ دار ہونے کا۔

غیر مسلم پڑوسی کے حقوق

غیر مسلم پڑوسی کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کو پتہ چلا ایک دور کے پڑوسی کے بارے میں کہ وہ یہودی کا بیٹا ہے۔ اور وہ سخت بیمار ہے تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے گئے۔ کئی حقوق بیان فرمائے ہیں میں اس کی تفصیل میں نہیں جا رہا کیونکہ اس موضوع کو ختم کرنا ہے اور وقت بھی کم ہے۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جا رہا کہ پڑوسی کے حقوق کون کون سے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ وہ اگر بیمار ہو جائے تو اسکی عیادت کے لیے جائیں۔ یہودی کا بیٹا ہے، سخت بیمار ہے اللہ کے نبی ﷺ کو پتہ چلا تو عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

اور بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ اس موقعہ پر بھی آپ ﷺ نے اس کو ایمان کی دعوت دی۔ اس نے اپنے باپ کی طرف سوالیہ نظروں سے

دیکھا کہ کیا کروں کہ محمد ﷺ کی دعوت قبول کروں یا نہیں؟ باپ کا دل بھی نرم ہو چکا تھا آپ ﷺ کے آنے سے۔ لہٰذا اس نے اجازت دے دی کہ ایمان قبول کر لو چنانچہ اس نے اس ایمان کو قبول کیا اور ایمان کی حالت میں اس کی جان نکلی۔

قریبی پڑوسی کے حقوق

پڑوسی جو قریب کا ہے اس کا بھی حق ہے اور پڑوسی جو دور کا ہے اس کا بھی حق ہے۔ ایک تو وہ پڑوسی ہے کہ جس کا مکان ہمارے مکان سے ملا ہوا ہے۔ اور دوسرا وہ پڑوسی ہے جس کا مکان ملا ہوا نہیں ہے۔ اسی گلی میں رہتا ہے، اس کا بھی حق ہے۔ بلکہ وہ پڑوسی جو کچھ وقت کا پڑوسی ہے اس کا بھی حق ہے۔ آپ یہاں بیٹھے ہیں، کچھ وقت کے پڑوسی ہیں۔ جب تک بیان ہو رہا ہے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ اس پڑوسی کا بھی حق ہے۔ آپ مسجد میں بیٹھے دوسرے نمازی کے ساتھ اس کا بھی حق ہے۔

بعض لوگ اس کا خیال نہیں کرتے ساتھ والے کو تکلیف دیتے ہیں۔ خود اس طریقے سے بیٹھتے ہیں کہ دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرے کو کہنی مار دیتے ہیں، گھٹنا مار دیتے ہیں۔ بعض لوگ عجیب حرکت کرتے ہیں، کھانستے رہتے ہیں، یا نزلہ لگا ہوا ہے ناک صاف کرتے رہتے ہیں۔ اس سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے یاد رکھیں! یہ بھی غلط ہے یہ پڑوسی کے حق کے خلاف ہے۔ آپ پڑوسی کے حق کو غصب کر رہے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ میں تو مسجد میں بیٹھا ہوا ہوں۔ بیماری میرے اختیار میں تھوڑی ہے۔ ٹھیک ہے!

کہ نزلہ کھانسی آپکے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن مسجد میں نہ آنا تو آپکے اختیار میں ہے۔ اسلام آپ کو اجازت دیتا ہے کہ اگر آپ کے مسجد میں آنے سے دوسروں کو تکلیف ہو تو آپ گھر میں نماز پڑھ لیں یا اس طریقے سے پڑھیں کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وضو خانے میں جا کر ناک صاف کر لیں۔ دوسرے کے پاس بیٹھ کر زور زور سے ناک صاف کرتے رہتے ہیں اس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف ہوتی ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ بعض اوقات میرے پڑوس میں بیٹھا کوئی یہ حرکت کر رہا تو میرے لیے نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے کتنی کراہت سی ہوتی ہے، اسے بھی تو خیال کرنا چاہئے، اس کا بھی تو حق ہے۔

اللہ پاک نے ہمیں کیسا پیارا مذہب عطا کیا ہے۔ مسلم پڑوسی ہے تو اس کا حق، دور کا پڑوسی ہے تو اس کا حق، ہمیشہ کا پڑوسی ہے تو اس کا حق، اور عارضی پڑوسی ہو تو اس کا بھی حق۔ اللہ پاک نے سورۃ النساء میں فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

(سورۃ النساء آیت: ۳۶)

فرمایا کہ: ''جو قرابت دار پڑوسی ہے اسکا بھی حق ہے، جو دور کا پڑوسی ہے اس کا بھی حق ہے، اور جو کچھ وقت کا پڑوسی ہے اس کا بھی حق ہے۔ ان سب کے حقوق کو ادا کرو۔ اسی طرح کمزوروں، مسکینوں، غریبوں،

بیواؤں اور غریبوں کے بھی حقوق ہیں۔ ان میں سے ایک ایک موضوع ایسا ہے کہ مفصّل بیان کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن ہمیں تو ایک سرسری نظر ڈالنی ہے کہ حقوق وفرائض کے موضوع پر، اس لیے اشارے کرتے ہوئے جا رہا ہوں۔

کمزوروں کے حقوق

یہ جو کمزور طبقے ہیں جتنے بھی کمزور طبقے ہیں۔ وہ نادار ہوں، بوڑھے ہوں، یتیم ہوں، وہ مسکین ہوں، وہ بیوائیں ہوں، وہ مصائب زدہ ہوں ان سب کے حقوق ہیں۔ اور اتنی فضیلت ان کے حقوق ادا کرنے میں ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

السَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِنَةِ وَالْمَسَاکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاحْسِبُهٗ قَالَ کَالْقَائِمِ لَا یَتْعَبُ وَ کَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ

اللہ اکبر! ان فضیلتوں کو سن کر تو جی چاہتا ہے کہ اسی کام میں لگ جائیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: جو بیواؤں، مساکین کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان کے دکھ درد میں ان کی مدد کرتا ہے، ان کے مسائل حل کرتا ہے فرمایا کہ اس کو وہ اجر ملتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ملتا ہے۔ بلکہ راوی کہتا ہے کہ: میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اسکو ایسا اجر ملتا ہے کہ جیسا کہ اس عابد زاہد کو اجر ملتا ہے، کہ جو رات بھر عبادت کرتا رہے اور تھکے نہیں اور اُس روزہ دار کی طرح اجر ملتا ہے جو مسلسل روزے رکھے، اور کبھی ناغہ نہ کرے۔ آپ اندازہ کیجئے! کتنی فضیلت ہے، کتنا اجر وثواب ہے! نیت صحیح ہو، شہرت کی نیت نہ ہو، دکھاوے

کی نیت نہ ہو، اور نیت لیڈری کو چمکانا نہ ہو، اور ووٹ لینا نہ ہو۔ بلکہ نیت اللہ کو راضی کرنا ہو۔ ایک مسلمان کے دکھ درد کو محسوس کرنا اور اس کے کام آنا یہ نیت ہو اور اللہ کے نبی ﷺ نے جو اجر و ثواب بیان فرمایا وہ یقینی ہے۔

اسلامی برادری کے حقوق

اسلامی برادری کے بھی بہت سے حقوق ہیں، کئی حقوق بیان کئے جا سکتے ہیں۔ ایک حدیث سناتا ہوں۔ مشہور حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے پانچ حق ہیں۔''

پہلا حق یہ ہے کہ ایک مسلمان سلام کرے تو سلام کا جواب دینا۔ اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ سلام میں ابتداء کی جائے۔ اس کی زیادہ فضیلت ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: جو مسلمان سلام میں ابتداء کرتا ہے تو اللہ کے نزدیک اس کو تکبر سے بری کر دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ وہ شخص ہے کہ جس میں تکبر نہیں ہے۔ اور اگر ابتداء نہیں کرتے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ دوسرا اسلام کرے تو اسکے سلام کا جواب دیا جائے۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾

سلام کا جواب دینا

اگر سلام کیا جائے تو اس کا جواب بہتر طور پر دیا جائے۔ اس سے اچھا جواب دیا جائے۔ کوئی آپ کو ''السلام علیکم'' کہے تو اس کے جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہیں۔ اور اگر اس نے

''رحمۃ اللہ'' بھی کہا تو آپ اس کے جوب میں ''برکاتہ'' کہہ دیں۔لیکن اس نے یہ سب کچھ کہہ دیا تو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' تو آپ کیا کرینگے؟ آپ کوئی قافیہ بنا کر پوری غزل بنانے کی کوشش کریں گے۔

بلکہ حدیث میں ایسا واقعہ پیش آیا۔ایک صاحب نے سب کچھ خود ہی کہہ دیا تو حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا: ''وعلیکم السلام'' تو اس نے عرض کیا کہ فلاں کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ بھی کہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے تو تم نے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔اللہ کے نبی ﷺ کچھ اور بھی ملا سکتے تھے۔امت کے لیے آسانی بھی تو پیدا کرنا مقصود تھا۔ایسا نہیں کہ سلام میں پانچ پانچ منٹ لگ جائیں۔جیسا کہ بعض لوگ حال پوچھنے میں ہی پانچ منٹ لگا دیتے ہیں۔پوچھا کیا حال ہے؟ ٹھیک ہے،کیسی طبیعت ہے؟ ٹھیک ہے۔کیسا مزاج ہے؟ ٹھیک ہے۔اور کیا حال ہے؟ ٹھیک ہے۔اور کیا حال ہے ٹھیک ہے؟۔انکا کیا جواب دیں بار بار یہی سوال کہ کیا حال ہے ٹھیک ہے؟ ایسا نہیں بلکہ آسانی کو بھی ملحوظ رکھا گیا کہ زیادہ وقت بھی ضائع نہ کیا جائے اور دوسرے کو تکلیف بھی نہ ہو۔اور فرمایا کہ: ایک مسلمان کا حق ہے کہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے۔خواہ آپ اسکو جانتے ہوں یا نہیں۔ بعض لوگ جاننے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔جن سے جان پہچان نہ ہو تو انکے سلام کا جواب ہی نہیں دیتے۔

جسے نہ جانتے ہو اس کو بھی سلام کرو

بلکہ بعض لوگوں کو دیکھا کہ بڑے تعجب سے پوچھتے ہیں کہ مجھے سلام کیوں کر رہا ہے کہ میں اس کو جانتا نہیں یہ مجھے سلام کیوں کر رہا ہے؟ گویا کہ

ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہے کہ سلام تو ایسے شخص کو کرنا چاہیے کہ جس کے ساتھ جان پہچان ہو۔ میرے بھائیو! اسلام کے رشتہ سے بڑھ کر کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ تو ہماری پہچان ہے، ہمارا اشعار ہے، ہمارا امتیاز ہے: ''السلام علیکم'' دنیا میں ہم جہاں بھی جائیں جو مسلمان بھی ملے، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار ہو، گورا ہو یا کالا ہو، امیر ہو یا غریب، مزدور ہو یا مالک، چھوٹا ہو یا بڑا ہر کسی کو ''السلام علیکم'' کہیں۔ اور پوری دنیا میں ''السلام علیکم'' سے بڑھ کر کوئی کلمہ ہے ہی نہیں، کوئی دعائیہ کلمہ نہیں ہے۔

دوسری قوموں کے رواج مت اپناؤ

یہ جو ساری قوموں میں رواج ہے کہ ملاقات کے وقت، یا صبح کے وقت، شام کے وقت ایک دوسرے کو دعائیہ کلمے کہنے کا: کوئی ''نمستے'' کہتا ہے، کوئی ''گڈ مارننگ'' اور ''گڈ ایوننگ'' کے کلمات کہتے ہیں۔ یقین کریں کہ ''السّلام علیکم'' سے بہتر اور کوئی الفاظ ہیں ہی نہیں۔ عجیب دعا ہے ''السّلام علیکم'' کہ تمہارے لیے سلامتی کی میں دعا کرتا ہوں۔ اللہ تمہاری حفاظت فرمائے۔ اللہ تمہیں محفوظ رکھے شر سے، بیماری سے، ایکسیڈنٹ سے، دشمن سے، چور سے، ڈاکو سے، کفر سے، گناہ سے۔ کتنی دعائیں آگئیں ''السّلام علیکم'' میں اسی طرح یہ بھی جان لیں! کہ سلام صرف اوروں کو نہیں، باہر کے لوگوں کو نہیں بلکہ گھر والوں کو بھی کہنا چاہیے۔ شوہر بیوی کو سلام کہے، بیوی شوہر کو سلام کہے۔ آپ گھر سے نکلیں تو ''السلام علیکم'' کہہ کر نکلیں۔ گھر میں داخل ہوں تو ''السلام علیکم'' کہیں۔ یہ

''بائے بائے'' کوئی سلام نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اتنا ماڈرن نہ بنائیں۔

نبی ﷺ کی سنتوں کو زندہ رکھیں

نبی ع کی سنتوں، نبی ﷺ کی پیاری دعاؤں کو، نبی کے پیارے کلمات کو اپنی زندگی میں باقی رکھیں۔ ان میں برکت ہے، سلامتی ہے، ان میں ہمارا تشخص ہے۔ اپنے تشخص کو ضائع نہ کیجئے۔ اور بعض لوگ لکھنوی انداز میں جھک جھک کر آداب آداب کہتے ہیں، ''السلام علیکم'' نہیں کہتے، یہ غلط ہے۔ شوہر بیوی کو عام طور پر سلام نہیں کرتے کہ شرم آتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ سلام کرنے میں شرم آتی ہے، گویا کہ سلام کرنا بڑا بے شرمی والا عمل ہے۔ حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے کہیں بیان فرمایا، اور یہ مسئلہ بھی بیان کر دیا کہ بھائی گھر میں بھی جاؤ تو سلام کرو۔ بیوی کو سلام کیا کرو۔

جو سامعین تھے ان میں سے ایک صبح کسی کو ملا جو رات جلسے میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ پوچھا کہ رات مولانا نے کیا بیان کیا تو جواب دیا کہ کیا خاک بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بیوی کو سلام کیا کرو۔ ہم ڈوب کر نہ مر جائیں بیوی کو سلام کریں۔ یہ کہہ رہا تھا کہ بیویوں کو سلام کرو۔ گویا کہ یہ بڑی شرم کی بات ہے۔ تو بھائی سلام کا جواب دینا مسلمان کا حق ہے۔

بیمار کی عیادت کرنا

اور دوسرا حق جو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو۔ اس کا حال پوچھو، دل داری کرو، تسلی کا کوئی کلمہ کہہ دو۔

اسی کو عیادت کہتے ہیں۔ ہمارے آقا ﷺ عیادت کیا کرتے تھے۔ تسلی کا کوئی کلمہ کہہ دیا کرتے تھے۔

لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

ارے پریشان نہ ہو! اللہ تندرست کر دیگا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب کو حضور ؑ نے ایسا ہی کہا: لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ پریشان نہ ہوں اللہ پاک ٹھیک کر دیگا، وہ چڑے بیٹھے تھے۔ مزاج میں چڑ چڑاہٹ تھی یا ویسے ہی بیماری سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہہ دیا نہیں نہیں! میں تو ٹھیک نہیں ہو سکتا، یہ بیماری مجھ کو قبر تک پہنچا کر ہی چھوڑے گی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسے ہی صحیح۔ ایسا بھی نہیں بھائی کہ اتنا مایوس ہو جائیں اگر کسی نے تسلی دی ہے تو کہیں: ان شاء اللہ! امید پر دنیا قائم ہے۔ بیمار کی عیادت کرنا یہ بھی حق ہے۔

جنازے میں شرکت کرنا

تیسرا حق جنازے میں شرکت کرنا یہ بھی مسلمان کا حق ہے۔ فرض کفایہ ہے آپ جانتے ہیں کہ کچھ نے ادا کر لیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ کوئی بھی شریک نہ ہو تو سارے کے سارے گناہگار رہوں گے۔

دعوت قبول کرنا

چوتھا حق ہے دعوت کو قبول کرنا۔ یہ بھی مسلمان کا حق ہے دعوت کو قبول کرنا بشرطیکہ کہ اس کے پاس وقت ہو، فرصت ہو، دعوت قبول کرنا حق ہے، لیکن آج کی دعوت کو قبول کرنا تو شاید فرض نہیں ہوگا۔ آج کی دعوتیں تو

وبال ہیں۔ وقت لکھتے ہیں دعوت نامہ میں ۹ بجے کا اور بعض لوگ تو صاف لکھتے ہیں کہ: ٹھیک ۹ بجے کھانا شروع ہو جائے گا، اور پھر ٹھیک ایک بجے کھانا شروع ہوتا ہے۔ اگر کوئی سادہ آدمی وقت پر آجائے اول تو وہاں پر کوئی ہوتا ہی نہیں۔ اگر کوئی وقت پر آ گیا تو شادی ہال کے ملازمین ٹھیک وقت پر آجانے والے کو بڑی حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ کہیں مانگنے والا تو نہیں جو پہلے ہی آ گیا ہے یا پھر بن بلائے مہمان ہے؟ جس نے وقت کی اتنی پابندی کی۔ وقت کی پابندی کرنا مسلمان کی شان تھی۔ لیکن آج مسلمان کی پہچان وقت کو ضائع کرنا ہے۔ ٹھیک وقت پر پروگرام شروع کرنا۔ جلسوں کا بھی یہی حال ہے: لکھ دیتے ہیں کہ ٹھیک آٹھ بجے جلسہ شروع ہو جائیگا۔ اور جلسہ گاہ میں جائیں تو ٹیپ لگی ہوگی اور بارہ بجے تک تو ٹیپ ہی چلتی رہتی ہے، یہ سب چیزیں غلط ہیں بھائی۔

عرض کر رہا تھا کہ دعوت کو قبول کرنا تو مسلمان کا حق ہے بشرطیکہ اس کے پاس وقت ہو۔ اور پھر یہ کہ دعوت کے آداب کا بھی لحاظ کیا جائے۔

چھینک کا جواب دینا

پانچواں حق اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو چھینک آجائے تو اس کا جواب دینا ہے۔ چھینک جس کو آئے وہ کہے: ''الحمد للہ'' آپ جواب میں کہیں: ''یرحمك اللہ'' اللہ اکبر! کیا پیارا دین ہے۔ اس نے ''الحمد للہ'' کہا۔ آپ نے کہا: یرحمك اللہ اللہ آپ پر رحم کرے۔

ایک اللہ والے کا قصہ

ایک اللہ والے کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے کسی کو دیکھا کہ وہ کشتی پر جا رہا تھا۔ اس کو چھینک آئی، مگر اس نے ''الحمد للہ'' نہیں کہا، خاموشی سے نکل گیا۔ انہوں نے باقاعدہ کشتی کرائے پر لی اس کے پاس پہنچے، اس کو سمجھایا کہ تمہیں چھینک آئی ہے ''الحمد للہ'' کہو تو اس نے الحمد للہ کہا تو انہوں نے جواب میں ''یرحمك اللہ'' کہا، اللہ اکبر! انتقال ہوا تو خواب میں کسی نے دیکھا اور پوچھا کہ کیا ماجرا ہوا۔ تو کہا کہ حضور ﷺ کی سنت کو زندہ کیا تھا اللہ نے میری مغفرت فرمادی۔ بظاہر عمل چھوٹا تھا مگر جذبہ تھا اور جذبہ سچا تھا کہ نبی ﷺ کی سنت زندہ ہو جائے۔ نبی نے تعلیم دی تھی اس پر عمل کیا اس پر میرا وقت لگ جائے گا۔ پیسہ خرچ ہوگا، نبی ع کا طریقہ زندہ ہو جائے گا۔ وہ ساری زندگی اس پر عمل کرتا رہے گا، تو ان کا یہی عمل مغفرت کا سبب بن گیا۔

امت کی فکر

تو بھائی میں عرض کر رہا تھا کہ اسلامی برادری کے بھی حقوق ہیں، بہت ساری احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ میں نے ایک حدیث عرض کی۔ ایک اور حدیث سنانا چاہوں گا ذہن میں بٹھانے کی ہے۔ طبرانی کی روایت ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ لَّا يَهْتَمَّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ

جس کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہیں ہے، مسلمان امت کی فکر

نہیں ہے۔ فرمایا کہ: وہ مسلمان امت میں سے نہیں ہے۔ اپنی فکر ہے یاد رکھیں! چاہے وہ حاجی ہو یا نمازی ہو یا مدرس ہو یا عالم ہو، مبلغ ہو، خطیب ہو۔ صرف اپنی فکر ہے امت کی فکر نہیں ہے۔ امت پر کیا گزرتی ہے۔ اس سے کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ ایک حدیث میں تو صاف فرمایا کہ جس کو میری امت کی فکر نہیں اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مسلمان وہ ہے جسے اپنی ذات کی فکر نہ ہو، پوری امت کی فکر ہو۔ مشرق کے آخری کونے میں رہنے والا مسلمان مغرب کے آخری کونے میں رہنے والے مسلمان کا اسلامی بھائی ہے۔ اگرچہ آج یہ اخوت نظر نہیں آتی، اور مغرب کی تہذیب کے علمبردار اس اخوت کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں ملکوں، زمین، اور قوموں، نسلوں، رنگوں میں تقسیم کر دینا چاہتے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی حد تک اس سبق کو زندہ رکھنا ہے کہ پوری امت کی فکر ہو، پوری امت کا غم ہو۔ ایک صاحب قلم نے ہمارے بزرگوں میں سے لکھا ہے کہ: ان کے صحیح الفاظ تو یاد نہیں ہیں۔ لیکن مفہوم یہی ہے کہ شمال میں رہنے والے ایک مسلمان کے سینے پر خنجر چلتا ہے اور جنوب میں رہنے والا مسلمان اس خنجر کی تکلیف اپنے سینے میں محسوس نہیں کرتا تو اس کے ایمان کا اعتبار نہیں۔ وہ محسوس کرے کہ میرے دور دراز رہنے والے بھائی پر کیا گزر رہی ہے۔ عالم اسلام پر کیا گزر رہی ہے۔ عراقیوں پر کیا گزر رہی ہے، افغانیوں پر کیا گزر رہی ہے، پاکستانیوں پر کیا گزر رہی ہے، کشمیریوں پر کیا گزر رہی ہے؟ اس کے دل میں درد ہو۔ نہیں کچھ کر سکتا ٹھیک ہے دعا تو کر سکتا ہے۔ اس درد کو محسوس تو کر سکتا ہے۔ اس رشتے کو کسی نہ کسی انداز میں زندہ رکھے۔

فرمایا:

مَنْ لَّمْ يُصْبِحْ وَ يُمْسِ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاِيْمَانِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ

جس شخص کی صبح وشام اس حال میں ہوتی ہے کہ نہ وہ اللہ کا وفادار، نہ اللہ کے رسول کا وفادار، نہ اللہ کی کتاب کا وفادار، نہ اپنے ایمان کا وفادار، اور نہ ہی دوسرے مسلمانوں کا وفادار۔ تو فرمایا کہ اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کے اندر وفاداری نہیں، خیر خواہی کا جذبہ ہی نہیں۔ تو فرمایا کہ اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جانوروں کے حقوق

بات حقوق کی چل رہی تھی انسانوں میں مختلف طبقات کے حقوق بیان فرمائے۔ ہمارے آقا ﷺ نے جانوروں کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں۔

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا گزر ایک اونٹ کے پاس سے ہوا، بہت لاغر، دبلا پتلا، اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا تھا، جس کا پیٹ اس کی پیٹھ سے لگا ہوا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھا کہ اس کو چارہ پورا نہیں دیا جاتا اور اس سے کام پورا لیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمِ

اے مسلمانو! ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

فَاذْكَبُوْهَا صَالِحًا وَاتْرُكُوْهَا صَالِحًا

اور ان کو اس وقت چھوڑ دو جب تک یہ کام کرنے کے قابل ہوں۔
جب یہ اچھی حالت میں ہوں تو ان کو چھوڑ دو۔ اللہ اکبر! یہ نہیں فرمایا کہ اس وقت اس کو چھوڑ دو جب یہ بالکل کام کے قابل نہ رہیں۔ بلکہ فرمایا: اس وقت ان کو چھوڑ دو کہ جب یہ اچھی حالت میں ہوں۔ زندگی کی ایک حد ہے۔ کام کرنے کی بھی ایک حد ہے مشقت اٹھانے کی بھی ایک حد ہے۔ انسانوں کے اندر بھی اور حیوانوں کے اندر بھی۔ اللہ کے نبی نے صرف انسانوں کے حقوق بیان نہیں فرمائے بلکہ جانوروں کے بھی حقوق بیان فرمائے۔

آپ نے مشہور روایت سنی ہوگی ہے ایک طوائف نے ایک کتے کو پانی پلایا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کے اس عمل کے بدولت اس کو جنت میں داخل فرمایا گیا۔ اس نے تو حیوان کا حق ادا کیا۔ ہمارے ہاں تحفظ حقوق حیوانات ایک مستقل شعبہ ہے۔ میں بھی اسے اپنی نظروں سے دیکھتا ہوں اور آپ بھی دیکھتے ہیں۔

جانوروں کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا

ہمارے روڈوں پر، ہماری سڑکوں پر اور ہمارے شہروں میں، ہمارے دیہاتوں میں جانوروں پر بدترین ظلم کیا جاتا ہے۔ گدھوں پر، گھوڑوں پر اتنا بوجھ ڈال دیتے ہیں جو ایک بڑی گاڑی کا بوجھ ہوتا ہے۔ وہ زخمی ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اور جسم پر نشان پڑے ہوئے ہیں اس پر چابک مار مار کر ان سے کام لیا جاتا ہے، یہ ظلم ہے اور اس ظلم کے بارے میں

بھی قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔حیوان پر ظلم، کتوں پر ظلم، گدھوں پر ظلم۔ یہ کوئی مت سمجھے! کہ اللہ کے ہاں اس کی پوچھ نہیں ہے! اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ یہ اللہ کی مخلوق ہے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے ! ساری مخلوق! یہ سارے انسان، سارے حیوان یہ چرند پرند، سب اللہ کا کنبہ ہے۔فرمایا کہ تم میں سے سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ میرے کنبہ کے ساتھ، میرے بچوں کے ساتھ، میرے رشتہ داروں کے ساتھ، جو اچھا سلوک کرے گا میری نظروں میں وہ اچھا بن جائے گا اللہ کہتا ہے کہ تم میرے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرو تم میری نظروں میں اچھے بن جاؤ گے۔جانوروں کے بھی حقوق ہیں ان پر ظلم اور زیادتی جائز نہیں ہے۔بعض لوگ بلا وجہ پتھر اٹھا کر ایسے ہی نشانہ لگانے کے لیے اور شوق پورا کرنے کے لیے کسی جانور کو مار دیتے ہیں، کسی بلّی کو، کسی کتّے کو، کسی گدھے کو یہ جائز نہیں ہے غلط ہے۔کسی شرکی وجہ سے بھگانا اور بات ہے۔ لیکن خواہ مخواہ کسی جانور کو ستانا یہ جائز نہیں ہے۔

کافروں کے حقوق

اللہ کے نبی ﷺ نے سب کے حقوق بیان فرمائے تو کافروں کے حقوق بھی بیان فرمائے۔صرف مسلمانوں کے حقوق نہیں ہیں کافروں کے بھی حقوق ہیں، بالخصوص وہ کافر جو مسلمان ملک میں رہتے ہیں چاہے وہ یہودی

ہوں، سکھ ہوں، عیسائی ہوں، ہندو ہوں۔ بدھ مت سے تعلق رکھتے ہوں مشرک ہوں، بت پرست ہوں، ان سب کے حقوق ہیں، ان کی جان بھی محفوظ ہے۔ مال بھی محفوظ ہے، ان کی عزت بھی محفوظ ہے، انکی عبادت گاہیں بھی محفوظ، ان کو نقصان پہنچانا انکی عزت سے کھیلنا، انکا مال دبانا، ان کو جان سے مار دینا یہ جائز نہیں ہے۔ اللہ اکبر! قربان جاؤں اپنے آقا ﷺ کے قدموں کی خاک پر۔ یہاں تک فرما دیا جس نے اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلم کی جان و مال اور عزت کو نقصان پہنچایا قیامت کے دن میں اس کا وکیل بن کر آؤں گا یہ اللہ کے نبی نے فرمایا۔

اسلامی مملکت میں کافر کو قتل کرنے کی سزا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جیسے کسی مسلمان کو قتل کیا جائے تو اس کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جاتا ہے۔ اسی طریقے سے اسلامی مملکت میں رہنے والے کسی کافر کو قتل کیا جائے تو اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ اس کی جان محفوظ ہے۔ یہ غلط ہے کہ ہم جوش میں آکر، اشتعال میں آکر غیر مسلموں کی دوکانیں، ان کے مکان اور ان کی عبادت گاہیں جلا دیں یہ صحیح نہیں ہے۔ جوش اور جذبے کو بھی کنٹرول میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ جوش میں ہے تو جو چاہے کرے، ہمارے جوش کے بے لگام ہونے کا یہ عالم ہے کہ آپ نے دیکھا ہمارے ایک لیڈر کے قتل ہونے کی صورت میں ہم نے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے اربوں روپے کی فیکٹریاں، کارخانے، دوکانیں، مکان سب چند گھنٹوں میں جلا کر خاک سر کر

دیئے۔ قومی جوش ہو، مذہبی جوش ہو اس کو کنٹرول میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسلام صبر کی تعلیم دیتا ہے۔ صبر کا مطلب بے بسی نہیں ہے، صبر کا مطلب بزدلی نہیں ہے، صبر ایسے موقع پر کیا جاتا ہے کہ جب جوش کا تقاضا یہ ہو کہ سب کچھ جلا دیا جائے، اُڑا دیا اللہ اور اللہ کے رسول اجازت نہ دیں ایک مسلمان ہونے کی وجہ سے مجھ پر لازم ہے کہ اپنے جوش کو کنٹرول میں رکھوں، اپنے ہاتھوں کو کنٹرول میں رکھوں۔

دشمن کے حقوق

ذمیوں کے تو حقوق ہیں اسلامی مملکت میں رہنے والے کافروں کے حقوق ہیں، میدان جنگ میں لڑنے والے، دشمنوں کے بھی نبی اکرم ﷺ نے حقوق بیان فرمائے۔ برسرِ پیکار جو دشمن ہے اس کے بھی حقوق ہیں۔ ہمارے آقا ﷺ جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تھے کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لیے تو فرماتے تھے:

اِنْطَلِقُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ

اللہ کے نام سے چلو، اللہ کی برکت سے سفر کرو۔ لیکن یاد رکھو مسلمانو، مجاہدو!

لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَّلَا صَبِيًّا وَّلَا امْرَاَةً

نہ کسی بوڑھے کو قتل کرنا، نہ کسی بچے کو قتل کرنا، نہ کسی عورت پر ہتھیار اٹھانا اور فرمایا: لَا تَغُلُّوْا خیانت نہ کرنا:

وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ

مالِ غنیمت کو جمع کر کے رکھنا۔

وَاَصْلِحُوْا وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اصلاح کرنا۔ احسان کرنا، اللہ انصاف کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔ یہ کس بارے میں فرما رہے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ قربان جاؤں! اپنے آقا ﷺ کے قدموں کی خاک پر۔ فرمایا کہ نہیں محبت میں بھی سب کچھ جائز نہیں ہے اور جنگ میں بھی سب کچھ جائز نہیں ہے۔ کچھ حدود ہیں ان کا خیال کرنا ضروری ہے

ایک دوسرے لشکر کو روانہ فرمایا تو انکو وصیت فرمائی۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام سے چلو جب سفر اللہ کے نام سے ہوگا تو اللہ کے احکام قدم قدم پر پیش نظر ہوں گے۔ اللہ کے دشمنوں سے لڑو، جنگ کرو، جم کے لڑو۔ لیکن یاد رکھو کہ خیانت نہ کرنا۔ وعدہ خلافی نہ کرنا، میدان جنگ میں بھی جھوٹ نہ بولنا۔ وعدہ کرلو تو اس کے خلاف نہ کرنا۔

جذبات پر قابو

اگر دشمن پر قابو پالو تو اس کا مثلہ نہ کرنا۔ شکل کو نہ بگاڑنا، جوش انتقام میں آکر کہیں اس کی آنکھیں نہ نکال لو، اسکی ناک نہ کاٹ دو، کان نہ کاٹ دو، اور چہرے کو نہ بگاڑ دو۔ بچے کو قتل نہ کرنا۔ اللہ اکبر! جب جنگ احد میں حضور اکرم ﷺ کے بڑے محبوب اور محسن چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ہند زوجہ ابوسفیان نے مثلہ کیا سینے سے کلیجہ نکال کر چبایا تو حضور ﷺ نے دیکھا۔ اللہ اکبر! چچا کی محبت یاد آگئی، وفا یاد آگئی، تعلق یاد آگیا، آنکھیں چھلک پڑیں۔ آقا ﷺ نے غصے میں آکر کہہ دیا اگر مجھے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوا تو

ستر ۷۰) دشمنوں کا حال بھی وہی کروں گا جوانہوں نے میرے چچا کے ساتھ کیا ہے۔ یہ کہہ دیا میرے آقا ﷺ نے، لیکن اللہ نے فوراً اصلاح فرمادی۔ اللہ بھی نظر رکھتا ہے اپنے محبوب پر، یہ بھی محبت کی بات ہے۔ اپنے محبوب کے جذبات پر نظر، اداؤں پر نظر، حرکات پر نظر، عبادات پر نظر، حقوق پر نظر، سجدوں پر نظر۔

اللہ نے فرمایا:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝

(سورۃالنحل آیت: ۱۲۶ پ ۱۴)

کہ اگر آپ بدلہ لینا چاہیں تو اتنا ہی آپ بدلہ لے سکتے ہیں کہ جو کچھ دکھ آپ کو پہنچایا گیا ہے۔ جتنا آپ کے ساتھ ظلم کیا گیا ہے اتنا دشمن کے ساتھ کر سکتے ہیں اس کی تو اجازت ہے

اور اگر صبر سے کام لیں تو صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے کہہ دیا: میں صبر کرتا ہوں۔ ستر کے ساتھ تو کیا میں ایک کے ساتھ بھی ایسا نہیں کروں گا یہ ہے جذبات پر کنٹرول!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی پر تہمت لگی۔ بیٹی بھی کیسی؟ اللہ اکبر! جس کی طہارت کی قسم، جسکی عزت کی قسم فرشتے بھی اٹھاتے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی۔ منافقوں نے تو پروپیگنڈہ کیا ہی۔ بعض مسلمان بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے۔ اور ایسے مسلمان کہ جن کی مدد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ وہ بھی کہنے لگے معاذ اللہ! وہی بات جو منافق کہہ

رہے تھے۔ معاملہ چلتا رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت اللہ نے آسمان سے اتار دی۔ برأت کا اعلان فرما دیا وحی کے ذریعے سے اب تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبات کا پیمانہ چھلک پڑا۔ آپ نے قسم کھالی کہ: جن کی میں مدد کیا کرتا تھا انہوں نے میرے احسان کا بھی لحاظ نہ کیا، میری بیٹی کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے کا وہ بھی حصہ بن گئے آج سے اللہ کی قسم! میں ان کی مدد نہیں کروں گا۔ سوچیے! میرے اور آپ جیسا کوئی باپ ہوتا تو کیا اس کو یہ حق نہیں تھا؟ بلکہ ہم ہوتے تو ممکن ہے کہ ان کی گردن تک اڑا دیتے کہ ظالمو! ہم تمہاری مدد کرتے رہے، اور تم نے ہماری بیٹی کو بدنام کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا کیا کہ قسم کھالی کہ آج کے بعد میں انکی مدد نہیں کروں گا۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ

(النور آیت:۲۲)

ارے قسمیں نہ اٹھاؤ! کہ ہم انکی مدد نہیں کرینگے معاف کر دو۔ در گزر کر دو!

آگے اللہ نے کیا فرمایا۔ میرے اللہ کا کلام ہے اللہ نے کیسے جذبات کو ہلا کر رکھ دیا:

أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ

(النور آیت:۲۲)

کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے۔ اللہ اکبر! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پکار اٹھے کہ اللہ میں پسند کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے، اور میں ان کو معاف کرتا ہوں۔ میرے تعاون کا سلسلہ جاری رہے گا، یہ ہے جذبات پر کنٹرول۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں جو دشمن ہیں انکے بھی حقوق بیان فرمائے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی سازشیں

اگر آج تنگ نظر، متعصب، اسلام دشمن، مغربی مصنفین اور مغربی رائیٹرز قرآن کے خلاف اور اسلام کے خلاف میرے اور آپ کے آقا اور کروڑوں مسلمانوں کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ آپ (نعوذ باللہ) دہشت گرد تھے اور قرآن دہشتگردی کا سبق دیتا ہے۔ ہائے میرے اللہ پتا نہیں ابھی کون کون سے فتنے ہم نے دیکھنے ہیں۔ کون کون سی آزمائشوں سے ہم نے گزرنا ہے۔ اللہ ہمیں حوصلہ عطا فرمائے۔ اللہ ہمیں صبر عطا فرمائے۔ استقامت نصیب فرمائے ایمان پر جمے رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کے ساتھ چمٹے رہنے کی توفیق اللہ عطا فرمائے۔ یہ تو آپ سن ہی رہے ہیں کافی عرصے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارٹون اور خاکے بنا کر شائع کیے جا رہے ہیں۔ آپ کا مذاق اڑانے کے لیے۔ آپ کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے اور پھر ان خاکوں اور کارٹونوں کو بار بار نشر کیا جا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان غلیظوں کو

غلاظت میں بار بار ڈبکیاں لگانے میں مزہ آتا ہے۔ بار بار مسلمانوں کی دل آزاری کی جاتی ہے۔ حقوق کی بات کرتے ہیں! کیا کسی کا دل رکھنا اس کا حق نہیں ہے؟ اور جہاں یہ حال ہو کہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا دل دکھ رہا ہو ایک بات سے، تو کیا یہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق میں بات نہیں آتی کہ انسانوں کے قلبی جذبات کا بھی لحاظ رکھا جائے؟ الحمد للہ! ہماری تو حضور اکرم ﷺ سے محبت کا یہ عالم ہے کہ حضور ﷺ کی ذات تو بہت اونچی ہے اللہ کی قسم! ہم حضور ﷺ کے شہر سے بھی محبت کرتے ہیں، شہر کی گلیوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ اور اس سرزمین میں پھلنے پھولنے والے درختوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کی سواری سے، حضور ﷺ کے لباس سے، حضور ﷺ کی سنتوں سے، حضور ﷺ کے جوتوں، حضور ﷺ کے قدموں سے لگنے والی خاک سے بھی ہم محبت کرتے ہیں۔

ایمان پرور جملہ

میں نے مدنی مسجد میں ایک جملہ سنایا۔ بڑا ایمان پرور جملہ ہے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ (اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) بہت بڑے عالم تھے اور سچے عاشق رسول، حضور کی سیرت پر ایک مختصر سی کتاب بھی لکھی ہے۔ ''النبی الخاتم'' چھوٹی سی کتاب ہے۔ آپ بھی ضرور خریدیئے گا۔ اور پڑھیئے گا۔ عشق و محبت میں ڈوب کر لکھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک جگہ ذکر کیا کہ آپ ﷺ کے خاک پر آرام فرمانے کا۔ (کچھ الفاظ آگے پیچھے ہو سکتے ہیں) مفہوم یہی ہے

حضور ﷺ خاک پر سوئے اور کیا سونا تھا آقا کا کہ خاک کو سونا کر دیا۔ جو خاک حضور ﷺ کے قدموں سے لگی اور آپ کے جسم اطہر سے لگی میرا عقیدہ یہ ہے وہ خاک سونا نہیں بنی بلکہ سونے سے بھی کہیں زیادہ قیمتی بن گئی! ساری دنیا کا سونا، چاندی، تاج اور تخت ایک طرف اور نبی اکرم، نبی مطہر، نور مجسم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر اور تلوہ کے ساتھ سے لگنے والی خاک ایک طرف! مسلمانوں کی عقیدت کا، ان کے جذبات کا، اور انکی محبت کا یہ عالم ہو تو آپ کیوں دل آزاری کرتے ہیں۔ کیا یہ مسلمانوں کا حق نہیں کہ ان کے قلبی جذبات کا لحاظ رکھا جائے اور کیا کبھی مسلمانوں نے کسی بھی نبی کی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی توہین کی جرأت کی ہے۔ جسارت کی ہے۔ الحمد للہ! ہم سارے انبیا پر ایمان رکھتے ہیں، اور سارے انبیاء کا احترام کرتے ہیں، بلکہ ان کے ماننے والوں سے بڑھ کر احترام کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام پر مغربی دنیا میں فلمیں بھی بنائی جاتی ہیں۔ ان کی تصویریں بھی شائع کی جاتی ہیں، ان کی فرضی قسم کی تصویریں بناتے ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم کی بھی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ لیکن مسلمان تو ایسا نہیں کرتے، مسلمان تو احترام کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ پھر کیوں ان کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔ اور پھر ہتک عزت یہ بھی تو پوری دنیا میں ایک قانون ہے اور قابلِ دست درازی قانون ہے کہ کسی کی عزت سے کھیلا جائے تو اس پر مقدمہ ہوسکتا ہے۔

"اگر ہمارے جیسے کم ظرف انسانوں کی عزت ہے۔ تو وہ جو انسانوں کے لیے باعث فخر ہیں کیا ان کی کوئی عزت نہیں؟ کیا ان کی کوئی ناموس نہیں

ہے؟ کیا ان کا کوئی حق نہیں ہے؟ کم از کم حقوق کی بات کرنے والے اور انسانی حقوق کی بات کرنے والے۔ اقوام متحدہ کا جھنڈا اٹھانے والے اس چیز کا ہی لحاظ رکھیں کہ ان کی عزت ہے اور ان سے محبت کرنے والے دنیا میں کروڑوں ہیں۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ، قرآن کے خلاف پروپیگنڈہ۔ آپ کے علم میں یہ بات آچکی ہوگی۔ اخبارات میں بھی یہ آگیا کہ قرآن کے خلاف حالیہ دنوں ہالینڈ میں فلم بنائی گئی اور اسکی نمائش بھی شروع کر دی گئی اور فلم کا نام رکھا گیا: ''فتنہ'' اور فتنہ کس چیز کو کہا گیا ہے؟ قرآن کریم کو معاذ اللہ! اور اس فلم کا پروڈیوسر اس فلم میں ثابت کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ کتاب مشتمل ہے قابل نفرت مواد پر اور خون خرابے پر۔

جہادی احکام سے بغض

اور مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کم از کم آدھے قرآن کو ختم کر دیں۔ آدھا قرآن تو باقی رکھا جا سکتا ہے۔ پورا نہیں۔ اور جو ویب سائٹوں کے ذریعے مجھ تک پوری اطلاع پہنچی اور بعض ساتھیوں نے مواد اکھٹا کر کے دیا وہ یہ کہ فلم کے بعد ان کی پوری کوشش ہے کہ کسی طریقے سے ہالینڈ اور دوسرے ممالک میں قرآن پر پابندی لگا دی جائے۔ ہائے اللہ! اس لیے کہ قرآن میں جہاد کا ذکر ہے؟ قرآن میں قتال کا ذکر ہے؟ لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کیا جہاد اور قتال کا ذکر صرف قرآن کریم میں ہے، کیا جہاد صرف حضرت محمد ﷺ نے کیا۔ کیا داؤد علیہ السلام نے جہاد

نہیں کیا، کیا سلیمان علیہ السلام نے جہاد نہیں کیا، کیا موسیٰ علیہ السلام نے جہاد نہیں کیا تھا اور میں کہتا ہوں اگر موسیٰ علیہ السلام پر اپنے زمانے کے فرعون کے خلاف جہاد کرنا لازم تھا تو آج پوری دنیا میں جو فرعون بنے ہوئے ہیں ان کے خلاف بھی جہاد کرنا لازم ہے۔

بائبل وغیرہ میں بھی جہاد کے احکام موجود ہیں

تو آج کے جو فرعون بنے ہوئے ہیں پوری دنیا میں ان کے خلاف جہاد لازم ہے۔ اور خود بائبل، تورات اور انجیل قتال کی آیات سے، جنگ کی آیات سے بھری پڑی ہیں، ان میں یہ آیات موجود ہیں۔ آج بھی موجود ہیں باوجود اس کے کہ ان میں تحریفات ہو چکی ہیں۔ بائبل کی کتاب استثناء میں باب نمبر: ۳ سے ۱۷ تک، ان آیات کا جو مفہوم ہے میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں: ان آیات میں یہودیوں سے کہا گیا کہ تم کسی شہر کے قریب پہنچو اور شہر والے دروازے کھول دیں۔ شہر کے رہنے والے سارے لوگ اور جبری خدمت گار اگر دروازے نہ کھولیں اور زبردستی اس شہر پر قبضہ ہو جائے تو سارے کے سارے مردوں کو قتل کر دو اور بچوں، عورتوں، اور سامان کو مال غنیمت بنالو۔

متیٰ کی انجیل باب نمبر: ۱۰ آیات نمبر: ۳۴ اور ۳۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ جن کے بارے میں عیسائیوں کا یہ پروپیگنڈہ ہے کہ صرف نرم دلی کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے، نرم دلی کی انتہا یہ ہے کہ ان کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی تمہارے

دائیں گال پر تھپڑ مارے تو تم بایاں بھی آگے کر دو یہ قول بھی ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن آج بھی انجیل کے باب نمبر: ۱۰ آیات نمبر: ۳۴ اور ۳۵ میں یہ الفاظ موجود ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں صلح کرانے کے لیے آیا ہوں؟ نہیں میں صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں، کیونکہ میں تمہارے اندر جدائی ڈالنے والا ہوں باپ اور بیٹے کے درمیان، ماں اور بیٹی کے درمیان، ساس اور بہو کے درمیان۔ یہ الفاظ آج بھی اردو کی انجیل میں دیکھ سکتے ہو اس میں موجود ہیں۔ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی جنگ کی بات نہیں کی۔ قرآن ہی میں قتال کی آیات نہیں ہیں، بلکہ بائبل، انجیل اور تورات میں بھی موجود ہیں۔

جنگ ہر زمانے میں رہی

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جنگ تو ہر زمانے میں رہی، ہر ملک میں رہی، جنگوں کی کثرت کا تو یہ عالم ہے مشہور مؤرخ ہے پڑھے لکھے ساتھی جانتے ہوں گے: ٹائم بی، جس نے تاریخ پر بڑی بہترین کتاب لکھی۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ پوری دنیا کی جو تاریخ معلوم ہے ساڑھے چھ ہزار سال ہے معلوم تاریخ میں سے ۶ ہزار سال جنگ میں گزرے۔ جنگیں ہوتی رہیں۔

جہاد کا مقصد امن ہے

لیکن جنگ کا مقصد کیا ہے؟ اگر جنگ کا مقصد زمین پر قبضہ ہے تو یہ جنگ غلط ہے۔ ساحلوں پر قبضہ تو ہے غلط، ملکوں پر قبضہ تو یہ غلط ہے، پیٹرول

کے ذخائر پر قبضہ یہ بھی غلط ہے، وسائل پر قبضہ یہ بھی غلط ہے، انسانوں پر قبضہ یہ بھی غلط ہے۔ یا جنگ کا مقصد اپنی نسل، اپنے نسب، اپنی زبان، اپنے وطن کے لوگوں کا تسلط قائم کرنا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ جنگ میں سلامتی کا پھیلانا، دنیا اور آخرت کی کامیابی پھیلانا پیش نظر ہو تو یہ مقصد درست ہے۔ آپ ﷺ تقریباً ۶۳ سال زندہ رہے، ۲۷ غزوات ہوئے، ۱۰ لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا۔ ۱۰ لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہونے کے لیے کل ۱۰۱۸ افراد قتل ہوئے۔ ان لوگوں کے قتل ہونے سے امن مل گیا، ایمان مل گیا، سلامتی مل گئی۔

ایک عورت چلی جاتی تھی مگر کسی کی جرأت نہیں تھی کہ اس کو نظر اٹھا کر دیکھے۔ آقا کی ان جنگوں میں کفار اور مسلمان بھی کل ۱۰۱۸ افراد قتل ہوئے تو امن، تحفظ، ایمان، انصاف اور خوش حالی مل گئی۔ لیکن عیسائیت اور یہودیت کے علمبرداروں اور مغربی تہذیب کے علمبرداروں کی ان جنگوں سے انسانیت کو کیا ملا؟ اور قتل کتنے ہوئے؟

آپ دور نہ جائیں۔ میری بات ذرا توجہ سے سنیے گا! میں بات کر رہا تھا ٹائم بی کی۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کی معلوم تاریخ ۶۵۰۰ سال ہے ان میں سے چھ ہزار سال جنگوں میں گزر گئے۔ اور مغربی تہذیب کو عروج ملا ہے اور صرف تین سو سالوں میں اتنے لوگ قتل ہوئے جتنے چھ ہزار سالوں میں قتل نہیں ہوئے جب سے مغربی تہذیب آئی ہے انسانی قتل عام ہو گیا، خون انسانی عام ہو گیا۔ آپ صرف پہلی جنگ عظیم میں دیکھیں اس میں ۶۴ لاکھ انسان قتل ہوئے۔ اور دوسری جنگ عظیم میں ایک کروڑ انسانوں کا خون بہایا گیا ہے۔ اور

ان جنگوں سے انسانیت کو کیا ملا؟ عراق میں اگر ۱۰ لاکھ انسان قتل ہوئے اور افغانستان میں ۱۰ لاکھ شہید ہوئے تو انسانیت کو کیا ملا؟ کہتے ہیں کہ ان کی جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے۔ نہیں یہ دہشت گردی کو فروغ دینے کے لیے ہے۔ جہاں جہاں مغربی تہذیب کے علمبردار پہنچے۔ امن، سکون ختم ہو گیا ہے۔ انسان کا خون اور مسلمان کا خون بہایا گیا ہے، یہ جنگ انقلاب نہیں ہے یہ تو حضرت محمد ﷺ کے انقلاب کو روک رہا ہے۔ حقوق تو حضور اکرم ﷺ نے دیئے ہیں۔ اگر اللہ پاک مجھ سمیت آپ سب کو یہ توفیق دے تو حجۃ الوداع کا خطبہ پڑھیئے۔ انسانی حقوق کا سب سے بڑا چارٹر دیا اور نہ صرف دیا بلکہ عمل کر کے دکھایا۔ اپنے دشمنوں کو معاف کر کے دکھایا۔ میرے بزرگو اور دوستو! یہ جو کچھ ہو رہا ہے حضور اکرم ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟

فہم قرآن کی ضرورت اور اہمیت

مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے سیدھے سادھے نوجوان اس پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو جائیں۔ قرآن میں باقاعدہ قرآنی آیات دکھائیں اور ان کا ترجمہ دکھایا گیا۔ جو مسلمان قرآن سمجھتا ہی نہیں اس کو تو پتہ ہی نہیں۔ کسی آیت کی تفسیر نہیں جانتا، اس کا ترجمہ نہیں جانتا۔ اس کے سامنے چن چن کر ایسی آیات سیاق و سباق سے کاٹ کر جو جنگ و قتال سے متعلق ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر گمراہ ہی نہ ہو جائے، اور ان کے دھوکے میں نہ آ جائے۔ وہ ان آیات کو کیا سمجھے گا؟ ہمیں تو نماز کا ترجمہ ہی نہیں آتا! ایسے بھی ہیں کہ جو کلمہ طیبہ کا بھی ترجمہ نہیں جانتے۔ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ'' کا ترجمہ نہیں جانتے۔

مجھے تو افسوس! ہوتا ہے ایسے لوگوں پر جو ساری زندگی قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ مگر سورۂ کوثر کا ترجمہ نہیں جانتے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

ان کافروں کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو۔ وہ کہیں گے کہ دیکھو کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے؟ ہمارا مسلمان نہیں جانتا کہ یہ آیت کس پس منظر میں اتاری گئی ہے۔ کب اللہ نے حکم دیا تھا۔ کن کافروں کے لیے حکم دیا تھا؟ وہ کافر مسلمانوں کی تلاش میں تھے اور مسلمان ان کی تلاش میں کہ ان کو جان سے ماردیں۔ ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جس مسلمان کے ذہن میں آیت کا پس منظر نہیں ہوگا وہ اس کا مطلب بھی الٹا سمجھے گا۔

میرے بھائیو! کچھ وقت قرآن کو سیکھنے کے لیے بھی نکالیں۔ فہم دین کے لیے نکالیں، فہم اسلام کے لیے بھی نکالیں۔ الحمد للہ یہاں مختلف ادارے اس کام کو کررہے ہیں۔

ہمارے کرنے کے کام کیا ہیں؟

جو کام ہمارے کرنے کے ہیں وہ میں بتارہا ہوں کہ کیا کرنا ہے: ایک کام تو یہ کریں کہ قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی کوشش کریں: کچھ وقت سمجھنے کے لیے نکالیں۔ اس خوشبو کو عام کیجئے حقیقی علم یہ ہی ہے۔ اگر واقعی ہمارے دل میں ایمانی غیرت ہے حضور ﷺ سے عشق ہے، حضور ﷺ سے محبت ہے اور کچھ نہیں کرسکتے تو کم از کم ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے۔ جو مجھے بتایا گیا ہے کہ

ڈنمارک کی مصنوعات جو ہوتی ہیں انکا کوڈ نمبر: ۵۷۹ ہے۔ اگر عشق رسول ہے تو ان کا بائیکاٹ کیجئے۔ اپنی حد تک یہ مت سوچئے کہ مجھ ایک کی وجہ سے کیا نقصان پہنچے گا؟ نہیں! مجھے تو اپنے رب کی بارگاہ میں سرخرو ہونا چاہیے۔ اگر آپ کے دل میں واقعی عشق ہے تو آج عہد کریں کہ ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں گے۔ جو بائیکاٹ کرنا چاہتے ہیں وہ سب عہد کریں۔ یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہاتھ اٹھتے ہوئے بھی دیکھے اور نعرے لگتے ہوئے بھی دیکھے اور تقریریں بھی سنیں، لیکن یہ سب ہمارا وقتی جوش ہوتا ہے۔ پھر ہم ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ پوری دنیا کے مسلمان تُل جائیں ڈٹ جائیں۔ اور عہد کرلیں کہ مصنوعات کا بائیکاٹ کریں گے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ جھکنے پر مجبور نہ ہوں اور ہمارے مذہب کا احترام کرنے پر مجبور نہ ہوں۔ اور بھئی تیسرا جو کام کرنا ہے وہ یہ کہ آپ اجتماعی خط لکھیں سفارت خانوں کو، ڈنمارک کے سفارت خانے کو، ناروے کے سفارت خانے کو۔ آپ خط شائع کرائیں۔ اپنی آواز پوری دنیا میں پہنچانے کی کوشش کریں۔ جس انداز سے بھی ہو سکے پوری کوشش کریں۔

یہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم اپنے ہی بھائیوں کو مار کے، اپنی ہی گاڑیوں کو جلا کے اور املاک کو برباد کر کے ہم سمجھتے ہیں کہ عشق رسول ﷺ کا حق ادا کر دیا۔ احتجاج کیجئے! پرامن اور مسلسل کیجئے۔

اور آخری بات! جو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ وہ ہمیں قرآن سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ قرآن کو بھی سینے سے لگائیں۔ اور حدیث رسول ﷺ کو اور سنت رسول ﷺ کو بھی سینے سے لگائیں۔ اور قرآن کی اشاعت اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو دوسروں تک پہنچانے کی

کوشش کریں۔سب کریں گے ناں بھائی؟ اللہ مجھے اور آپ سب کو اس کی تو
فیق عطا فرمائے۔(آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

قانون توہین رسالت
کا حقیقت پسندانہ جائزہ

از افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- ……قانون توہین رسالت کی تعریف اور برصغیر پاک وہند میں اس کی تنفیذ۔
- ……تحفظِ ناموس رسالت ﷺ کی اہمیت وضرورت
- ……حرمتِ رسول ﷺ اور قرآن کریم
- ……توہین رسالت کا شرعی وفقہی حکم
- ……کیا کسی کو توہین رسالت کی معافی کا حق حاصل ہے؟
- ……سیکولر این جی اوز کی رائے کہ قانون توہین رسالت کا استعمال چونکہ غلط طور پر کیا جاتا ہے اس لئے اسے منسوخ کیا جائے کہاں تک درست ہے؟
- ……توہینِ رسالت کے واقعات ہمارے معاشرے میں بار بار کیوں پیش آتے ہیں اس مذموم حرکت کے سدِ باب کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟
- ……قانون توہین رسالت اور سابقہ شریعتیں نبی ﷺ نے توہین کے مرتکب کو کیوں معاف کیا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝۵۷

(سورۃ احزاب آیت:۵۷)

میرے بزرگو اور دوستو، بہنو اور بیٹیو!

آج ۱۲ر دسمبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار ''القرآن کورسز'' کے زیر اہتمام ہونے والے ہمارے ماہانہ درس قرآن و حدیث کا موضوع ہے: ''قانون توہین رسالت کا حقیقت پسندانہ جائزہ'' اللہ سے دعا ہے کہ اللہ پاک اس موضوع کے حوالے سے مجھے کتاب وسنت کی روشنی میں حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم سب کو اور ہماری نسلوں کو زندگی کی آخری سانس تک بلکہ

نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی دامن رسالت سے وابستہ رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

مسلمان حضور ﷺ سے محبت کیوں کرتے ہیں؟

حقیقت ہے کہ ناموس رسالت کا مسئلہ ایمانی بھی ہے، انسانی بھی اور بین الاقوامی بھی۔ ایمانی اس لئے کہ مسلمانوں کے ایمان کا تقاضہ ہے کہ انہیں اس کائنات میں سب سے زیادہ محبت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہو، اس کی بنیادی وجہ کتاب وسنت کی تعلیمات ہیں کہ اللہ نے قرآن کریم میں بھی مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ تم ہر رشتے سے زیادہ اور ہر چیز سے زیادہ محبت رکھو، تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور ادب واحترام کرو تو اللہ کے بعد سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کا۔

چنانچہ سورۂ توبہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

(سورۂ توبہ آیت: ۲۴)

اے میرے پیغمبر فرمادیجئے! کہ اگر تمہارے آبا، تمہارے بیٹے، تمہاری بیویاں، تمہارا قبیلہ، اور تمہارے اموال جنہیں تم نے بڑی محنت سے کمایا ہے اور

تمہاری تجارت جس کی کساد بازاری کا اور خسارے کا اندیشہ پریشان رکھتا ہے۔

وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ

اور وہ مکانات، وہ محلات جنہیں تم پسند کرتے ہو یہ ساری چیزیں اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے، اللہ کے دین کے لیے جہاد اور محنت کرنے سے زیادہ محبوب ہیں:

- فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

تو پھر انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے، اللہ اپنا غضب نازل کردے:

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝۲۴

اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی طریقے سے سورۂ احزاب میں فرمایا اللہ نے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

(سورہ احزاب ایت ۶ پارہ ۲۱)

اس کا بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ اللہ کے پیغمبر کا ایمان والوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق ہے، اور حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی اولاد سے زیادہ، اپنے والدین سے زیادہ، اور سارے انسانوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ رکھے۔

توحضور اکرم ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی سب سے زیادہ محبت کی بنیادی وجہ وہ کتاب وسنت کی تعلیمات ہیں۔

دوسری وجہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت کی وہ آپ ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں جن کے بوجھ تلے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن حضور اکرم ﷺ ہیں، ہر کسی کے احسانات کا بدلہ ممکن ہے، والدین کے احسانات کا بدل.. ساتذہ کے احسانات کا بدلہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے، اور مادی محسنوں کے احسانات. کا بدلہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کے احسانات کا بدلہ ادا کرنا ؛ارے لیے ممکن نہیں، آپ کی برکت سے، آپ کی محنت سے، آپ کی قربانیوں کے صدقہ سے آپ کی دعوت وتبلیغ سے اور آپ کے جاں نثاروں کی محنت سے ہمیں ایمان ملا، عقیدہ توحید ملا، ہمیں قرآن ملا، ہمیں اللہ کی عبادت ملی، نماز ملی، روزہ ملا، حج ملا، زکوٰۃ کا نظام ملا، مسجد ملی، مدرسہ ملا، اعلیٰ اخلاق ملے، انسانیت ملی، اخوت ملی یہ سب کچھ حضور اکرم ﷺ کی برکت سے ہمیں ملا، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم ان دعاؤں کا بدلہ بھی ادا نہیں کر سکتے، جو دعائیں آپ نے رات کی خاموشی میں اور خلوت کے سناٹے میں اپنی امت کے لئے فرمائیں، آپ اندازہ کیجئے!

آپ کی دعاؤں میں سے صرف ایک دعا کا ذکر کر رہا ہوں۔

آپ ﷺ کی اپنی امت کے لیے دعائیں

حجۃ الوداع کے موقع پر صوفے اور کرسی پر بیٹھ کر نہیں، کسی قالین پر بیٹھ

کر نہیں، کسی مصلّے پر بیٹھ کر نہیں، فرش خاک پر بیٹھ کر بھی نہیں، بلکہ اونٹنی کی پشت پر چلچلاتی دھوپ میں آپ نے جبل رحمت پر جو دعا فرمائی، علماء کا اندازہ یہ ہے کہ یہ دعا کم و بیش پانچ گھنٹے طویل تھی، اول تو آج کل ہماری مسجدیں، درسگاہیں، خانقاہیں دعاؤں ہی سے خالی ہوگئیں، اگر کوئی دعا مانگتا ہوا نظر بھی آتا ہے تو پانچ منٹ دعاء مانگتا ہے تو تھک جاتا ہے، سوچنے لگتا ہے اور کیا مانگوں، دس منٹ کوئی دعا کرلے تو دھوم مچ جاتی ہے، بڑی لمبی دعا کی ہے، آدھا گھنٹہ دعاء کرلے تو مثالیں دی جاتی ہیں۔

لیکن ہمارے آقا ﷺ پانچ گھنٹہ تک اللہ سے مانگتے رہے جب کہ آپ مانگا کرتے تھے، بڑے جامع الفاظ میں اور مانگا بھی کیسے؟ سخت دھوپ میں اور اونٹنی کی پشت پر بیٹھ کر۔ اور یہ تو ہم جانتے ہیں کہ آپ اللہ سے دولت اپنے لئے مانگتے تھے، نہ اقتدار مانگتے تھے، نہ شہرت مانگتے تھے، نہ اپنے لئے عزت مانگتے تھے، آپ مانگتے تھے تو اپنی امت کے لئے مانگتے تھے، ہم تو آپ کی ان دعاؤں کا بدلہ بھی نہیں چکا سکتے جو آپ نے اپنی امت کے لیے فرمائیں۔

ہم طائف کے پتھروں کا بدلہ ادا نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم بے چارگی کے عالم میں خود اللہ سے درخواست کرتے ہیں:

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا مَا هُوَ اَهْلُهٗ

اے اللہ تو ہمارے آقا ﷺ کو وہ صلہ، وہ جزا عطا فرما، جس کے آپ اہل ہیں

حضور ﷺ کے علمی اور اخلاقی کمالات

تو آپ سے محبت کی دوسری وجہ ہمارے اوپر آپ کے احسانات ہے اور آپ سے محبت کی تیسری وجہ آپ کے علمی، عملی اور اخلاقی کمالات ہیں، علمی کمال کا حال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

انما اوتیتُ علم الاولین والآخرین

مجھے اولین اور آخرین کا علم عطاء کیا گیا

دوسری طرف تو آپ دیکھیں کہ نبی اکرم ﷺ نے الٰہیات، طبیعات، نفسیات اخلاق، طب وحکمت جنگ و امن، معاشیات، معاملات، انسانی حقوق، تعلیم وتربیت، ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس پر مسلمان ہی نہیں، غیر مسلم بھی اپنے مشاہدات اور اپنے تجربات اور تاریخ کی روشنی میں بحث کر چکے اور تحقیق کر چکے، اور وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ نے ان موضوعات کے حوالے سے بیان فرمایا وہ برحق تھا، عملی کمال کا حال یہ کہ آپ نے کوئی تخیلاتی زندگی نہیں گذاری، آپ نے عملی زندگی گذاری، آپ نے تجارت بھی کی، نکاح بھی کئے، جنگیں بھی کیں، معاہدے بھی کئے، آپ بچوں کے باپ بھی تھے، بیویوں کے شوہر بھی تھے، درد والے مبلغ بھی تھے، خطیب بھی تھے، قائد بھی تھے، مرشد بھی تھے، سپہ سالار بھی تھے، فاتح بھی تھے دوستوں کے دوست بھی تھے، جس پہلو سے آپ کی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ بے مثال بے نظر آتے ہیں۔

آپ کے اخلاقی کمال کا حال یہ ہے کہ آپ اخلاق حسنہ، اچھے اخلاق کی ایک فہرست بنا لیجئے جتنے بھی اچھے اخلاق ہیں نہیں اُس فہرست میں اُن کو درج کر لیجیے، امانت کو، دیانت کو، سچائی کو، ایفائے عہد، عفو درگذر کو جود وسخا کو، مروت کو، عفت وعصمت کو، شجاعت اور بہادری کو ایثار اور احسان کو، نرمی دلی کو، رقت کو اور پھر اس فہرست کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا جائزہ لیجئے، آپ کو اخلاق حسنہ میں سے کوئی ایسا خلق نہیں ملے گا جس کی جھلک سرور دو عالم ﷺ کی زندگی میں نظر نہ آئے۔ تو وہ شخصیت جس سے محبت کی تعلیم اللہ کی کتاب نے دی ہو اور سنت نے دی ہو اور جس شخصیت کو اللہ کی طرف سے علمی، عملی اخلاقی کمالات سے نوازا گیا ہو اور جس کے احسانات ہم پر والدین سے بھی زیادہ ہوں، اساتذہ سے بھی زیادہ ہوں، اپنے پیر مرشد سے بھی زیادہ ہوں تو کیوں نہ ہم ایسی شخصیت سے ہر رشتے سے زیادہ، ہر نعمت سے زیادہ محبت کریں تو ان اسباب کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان سب سے زیادہ محبت کریں تو رسول اقدس ﷺ کے ساتھ۔

ناموس رسالت ﷺ کا مسئلہ ساری انسانیت کا مسئلہ ہے۔

ناموس رسالت کا مسئلہ ایمانی بھی ہے، اور صرف مسلمانوں کا نہیں، بلکہ ناموس رسالت کا مسئلہ یہ سارے انسانوں کا مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ صرف مسلمانوں کے محسن نہیں، بلکہ سارے انسانوں کے محسن ہیں۔ بہت پیارا شعر ہے جس

میں شاعر کہتے ہیں کہ

ہو جائے کسی سے عشق چارا تو نہیں
محمد پہ صرف مسلم کا اجارہ تو نہیں

اسی طریقے سے فراق گورکھ پوری کا شعر ہے۔

انوار بے شمار محدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام؟
وہ امتِ اسلام میں محدود نہیں

توحضور اکرم ﷺ کے احسانات صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ سارے انسانوں پر ہیں، اسی لئے اللہ نے آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا: رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ نہیں فرمایا، رحمۃ للمتقین نہیں فرمایا، اور رحمۃ للمسلمین نہیں فرمایا بلکہ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝

(انبیاء ا پارہ ۱۷)

آپ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے تھے، جس وقت ساری دنیا شرک کی نجاست میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ نے توحید کا پرچم بلند کیا، جس وقت انسان رنگوں اور نسلوں اور قوموں میں تقسیم تھے آپ نے وحدت انسانی کا سبق دیا، اور جس وقت دین و دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کیا جاتا تھا، آپ نے ان دونوں کی یکجائی کا راستہ دکھایا، اور

جس وقت انسان ہر طرف سے حتیٰ کہ اپنے سے بھی مایوس ہو کر خودکشی پر آمادہ تھا تو آپ نے اس کے دل میں امید کا چراغ روشن کیا اور اللہ کو بھولے ہوئے بندے کو اللہ کی چوکھٹ کا اور اللہ کی رحمت کا راستہ دکھایا۔

حضور ﷺ سارے عالم کے محسن ہیں

آپ صرف مسلمانوں کے محسن نہیں بلکہ سارے انسانوں کے محسن، کافروں کے بھی محسن، اور ہر طبقے کے کمزوروں کے محسن، بیواؤں کے محسن، یتیموں کے محسن، غلاموں کے محسن حتیٰ کہ حیوانوں کے بھی محسن۔ جو شخصیت سارے انسانوں اور سارے جہانوں کی محسن ہو تو کیا لازم نہیں کہ سارے انسان ہی ملکر اس کی ناموس کا تحفظ کریں؟ اور ناموس رسالت کے مسئلے کو میں بین الاقوامی مسئلہ اس لئے قرار دیتا ہوں کیونکہ ناموس رسالت میں ذرا سی بے احتیاطی کی وجہ سے امن عالم کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، دہشت گردی کو فروغ مل سکتا ہے، اور آتش فشاں کا لاوا پھٹ سکتا ہے، قتل و غارت گری کا ایسا بازار اور ایسا دروازہ کھل سکتا ہے جسے بند کرنا پھر کسی کے لئے ممکن نہیں ہوگا، اور یہ وہ خطرہ ہے جسے خود یورپ میں بھی غیر متعصب پڑھے لکھے لوگ محسوس کر سکتے ہیں چنانچہ کچھ عرصہ قبل یورپ میں تقریباً دو سو اعلیٰ دماغوں کا اجتماع ہوا اور اس میں اس قرارداد کو پاس کیا گیا کہ کسی بھی مذہبی شخصیت پر کیچڑ نہ اچھالا جائے اور اس کی توہین نہ کی جائے، وگرنہ عالمی امن کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں توہین رسالت سے ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں، دنیا ہمیں جذباتی

کہہ لے، بنیاد پرست کہہ لے، دقیانوس کہہ لے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے حضرت محمد ﷺ ہی سب کچھ ہیں، وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یٰس، وہی طٰہٰ۔

اور کہنے والے نے کہا: ''آبروئے ما حضرت محمد مصطفیٰ است'' ہماری عزت حضرت محمد ﷺ کی ناموس اور عزت سے وابستہ ہے، اگر معاذ اللہ! آپ کی عزت خطرے میں ہے تو ہم سب کی عزت خطرے میں ہے، ہمارے صرف حاجی، نمازی، صوفی، تبلیغی، مجاہد، مدرس اور دین دار لوگ ہی اس مسئلے کے بارے میں حساس نہیں ہیں اور صرف وہی حضور اقدس ﷺ سے محبت نہیں کرتے، بلکہ حقیقت یہ ہے، واقعات سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ہمارے شرابی، زانی، اور بدکار بھی ناموس رسالت کے بارے میں بڑے حساس ہیں، جس شخص کے دل میں ایمان کی روشنی ہے، وہ اگرچہ ہمیں بظاہر دین سے دور دکھائی دیتا ہے، لیکن ناموس رسالت کے بارے میں وہ بھی بڑا احساس ہے۔

ناموس رسالت کے مسئلے کی حمایت

میرے بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ یہود و ہنود کی سازش بھی یہ ہے کہ ہم سے ہمارے آخری سہارے کو بھی چھین لیا جائے، ہم عزت سے تو محروم ہو گئے، اقتدار سے محروم ہو گئے، خلافت بھی چھن گئی، ہماری طاقت بھی نہ رہی، ہماری سیاست غیروں کی لونڈی بن گئی، عمل گیا، نماز گئی، روزہ گیا، حج گیا، تلاوت گئی، بہت سی عبادات سے محروم ہو گئے، ایک بات ہے حضور اقدس

ﷺ کی جو گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل میں بھی موجود ہے، یہ ظالم اس محبت سے بھی ہم کو محروم کر دینا چاہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ محبت اختیاری نہیں ہے، میرا دِل کہتا ہے، میرا وجدان کہتا ہے کہ یہ محبت غیر اختیاری ہے، القائی ہے اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے دِل میں ڈالی گئی ہے، ورنہ جہاں بہت ساری قوموں نے اپنے پیشواؤں سے قطع تعلق کر لیا اور ان سے بے وفائی کر لی، اور وہ اپنے پیشواؤں کو گالی دینے سے اور ان کی توہین کرنے سے مشتعل نہیں ہوتے، کیا وجہ ہے کہ ایک ایسا مسلمان بھی جو بظاہر دین سے دور ہے اور شعائر دین کی تعظیم کرنے والا بھی نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے بارے میں وہ بھی بڑا احساس ہے۔

اس قسم کے لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ جگر مراد آبادی صاحب جو ساری زندگی شراب وشباب کے شاعر رہے اور آخر میں اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق عطاء فرما دی، لیکن ایک دن دوستوں کے ورغلانے میں آکر پھر شراب پی لی، جب نشہ اترا گناہ کا احساس ہوا تو ساری رات روتے رہے، اور توبہ کرتے رہے، کسی نے حضرت تھانویؒ کو بتایا حضرت! وہ آج پھر بہکاوے میں آگیا اور شراب پی لی، مگر جب احساس ہوا تو توبہ بھی کی، گریہ وزاری کی، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پیارے الفاظ ارشاد فرمائے، بہت مختصر سا تبصرہ کیا فرمایا کہ لگتا ہے کہ دِل صحیح ہے، جگر خراب ہے تو بہت سے لوگ ایسے ہیں عمل خراب ہے جگر میں خرابی ہوگی، عمل میں بھی خرابی ہے، سیرت میں بھی خرابی ہے، لیکن دل میں قرآن کی حرمت ہے اور رسول اکرم ﷺ کی

حرمت بھی ہے، چنانچہ کوئی بھی مسلمان چاہے وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، وہ ان دو مسئلوں کے بارے میں قرآن کی حرمت کے بارے میں اور رسول اکرم ﷺ کی حرمت کے بارے میں بڑا احساس ہوتا ہے۔

مسئلہ ناموسِ رسالت قرآن کی روشنی میں

اگر ہم ناموس رسالت کا مسئلہ قرآن کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں تو قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جب ابولہب نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور یہ گستاخانہ الفاظ کہے

تَبًّا لَكَ يَا مُحَمَّدُ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا

اے محمد! تو ہلاک ہو جائے کیا تو نے ہمارے جیسے معزز اور مصروف لوگوں کو اس مقصد کیلئے جمع کیا تھا؟ تو اللہ نے جواب دیا اور کیسے سخت انداز میں:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

(سورۃ لہب آیت ۱۔۵)

اور جب ولید بن مغیرہ نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو اللہ نے سورۂ قلم میں اس پر دس عیب لگائے ذرا کبھی مطالعہ کر لیجئے گا اور ترجمہ پڑھیے گا آپ کو اندازہ ہوگا، مسلمان تو مسلمان خود اللہ اپنے نبی کی عزت

اور حرمت کے بارے میں کتنا حساس ہے، اللہ نے فرمایا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝١٢ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝١٣ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝١٤ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝١٥

(سورۃ القلم آیت ۸ تا ۱۵ پارہ ۲۹)

یہ کیسا شخص ہے میرے نبی کی عزت اور حرمت سے کھیلنے والا ''حَلَّافٍ'' بہت قسمیں اٹھاتا ہے، مَّهِينٍ ذلیل ہے، ''هَمَّازٍ'' طعنے دیتا ہے، ''مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ'' چغل خور ہے، ''مُعْتَدٍ'' حد سے تجاوز کرنے والا ہے ''أَثِيمٍ'' گنہگار ہے، ''مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ'' نیکی کے کام سے روکنے والا ہے ''عُتُلٍّ'' سخت مزاج ہے ''بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ'' حرامی ہے اور آخر میں فرمایا

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝١٥

جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں، دس عیب لگائے ہیں، رسول اقدس ﷺ کی ناموس سے کھیلنے والے پر اور جب مشرکوں نے ایک موقع پر یوں کہہ دیا قَلَاهُ اللهُ وَوَدَّعَهُ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں، اللہ محمد سے ناراض ہو گیا اور اللہ نے محمد ﷺ کو چھوڑ دیا تو اللہ نے قسمیں کھا کر فرمایا:

وَالضُّحَىٰ ۝١ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝٣ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥

(سورۃ الضحیٰ آیت ۱ تا ۵)

چاشت کی قسم اور رات کی قسم! جب وہ چھا جاتی ہے نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا، نہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہوا، اور آنے والا دور اور ہر لمحہ تیرے لئے پہلے دور اور ہر لمحہ سے بہتر ہوگا، اور تیرا رب تجھے اتنا دیگا کہ میرے محبوب! تو مجھ سے راضی ہو جائے گا، دنیا میں تو ہر مؤمن کی کوشش کہ اللہ کے لیے میں اتنا دوں، اتنا مال دوں، اتنا وقت دوں، اتنی زندگی دوں، اتنی بندگی کروں، اتنی عبادت کروں کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، اور اللہ ہمارے آقا اور اپنے محبوب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو فرما رہے ہیں، اے میرے محبوب! ہم آپ کو اتنا دیں گے کہ آپ مجھ سے خوش ہو جائیں گے۔ اور سورۂ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۰۴:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

(سورۃ البقرہ آیت: ۱۰۴)

بعض سنگدلوں نے اور پیغمبر دشمنوں نے حضور ﷺ کے لئے ''راعنا'' کا لفظ استعمال کیا، اس لفظ کا ایک معنی صحیح بھی تھا اور ایک معنی غلط بھی تھا، لیکن چونکہ ان بدبختوں کی نیت غلط معنی کی تھی، اور اپنے خیال میں وہ حضور کی توہین کر رہے تھے، تو اللہ نے ان سے تو خطاب ہی نہیں کیا، ان کو تو قابل خطاب سمجھا ہی نہیں، ایمان والوں سے خطاب کیا، فرمایا ایمان والو! لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا تم ایسا لفظ بھی استعمال نہ کرو جس لفظ سے میرے نبی کی توہین کا ایک پہلو نکلتا ہے، اگرچہ تمہاری نیت نبی کی توہین کی نہیں ہوگی، تکریم کی ہی نیت

ہوگی، لیکن چونکہ اس لفظ سے نبی کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے، لہٰذا ایمان والو آئندہ تم اس لفظ کو استعمال ہی نہ کرو اگر ہم قرآن سے ناموس رسالت کی اہمیت اور عظمت سمجھنا چاہتے ہیں تو ان آیات کا مطالعہ کریں آیات تو اور بھی ہیں۔

توہینِ رسالت کی سزا

اگر ہم ناموس رسالت کا مسئلہ حدیث اور سیرت کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں تو اُن احادیث کا مطالعہ کیجیے جن میں رسول اکرم ﷺ کی ناموس سے کھیلنے والوں کے انجام یا انکے لیے سزاؤں کا ذکر ہے۔

واقعات تو بہت سارے ہیں، حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب توہین رسالت اور اس کی سزا میں تقریباً چالیس احادیث اور روایات اس موضوع پر جمع کی ہیں، لیکن صرف چند ایک کی طرف اشارہ کررہا ہوں، مثال کے طور پر ابوداؤد اور نسائی میں اُس نابینا صحابی کا ذکر ہے جس نے اپنی اس لونڈی کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا تھا جو رسول اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی جب نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا اور اس نابینا صحابی نے قتل کا اقرار بھی کیا اور وجہ قتل بھی بتائی۔ فرمایا اَلَا اِشْهَدُوْا وَاِنَّ دَمَهَا هَدَرٌ اے مسلمانو! گواہ رہنا مجھے گالیاں بکنے والی لونڈی کو جو اس صحابی نے قتل کیا میں اس کے خون کو باطل قرار دیتا ہوں، اس کے قتل کا قصاص اس

سے نہیں لیا جائے گا۔

اسی طریقے سے بخاری شریف میں کعب بن اشرف کا واقعہ جو یہودیوں کا سردار تھا اور رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کیا کرتا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا۔

پھر ابن خطل کا واقعہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر یوں تو نبی اکرم ﷺ نے سارے ظالموں کو اور ستم گروں کو معاف فرمادیا، لیکن یہ شخص جو کہ شان اقدس میں گستاخی کیا کرتا تھا اور گالیاں دیا کرتا تھا، اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا، کسی نے آکر بتایا یارسول اللہ! وہ تو اس وقت غلاف کعبہ پکڑے چمٹے ہوئے کھڑا ہے آپ نے فرمایا اگرچہ وہ غلاف کعبہ کو بھی پکڑ کر کھڑا ہو پھر بھی اس کو قتل کردو، اس کے لئے معافی نہیں ہے۔ اسی طریقے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں 'مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابَهُ جُلِدَ جو نبی کو گالیاں دے اس کی سزا قتل ہے اور جو نبی کے صحابہ کو گالیاں دے اس کی سزا یہ ہے کہ اسے کوڑے مارے جائیں یوں اس طرح کی متعدد روایات ہیں جو اس موضوع پر لکھی گئی کتابیں ہیں ان کتابوں میں ان تمام روایات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ہم علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کریں اور توہین رسالت کے مرتکب کی سزا معلوم کریں تو ہمارے سامنے ابن تیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' ہے، اسی

طریقے سے علامہ آفندی کی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ہے، اور ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح الفقہ الاکبر'' ہے اور علامہ شامی حنفی کی در مختار ہے، اور علامہ ابن ہمام حنفیؒ کی فتح القدیر ہے، ان تمام فقہاء اور علماء نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل بیان کی ہے، اس پر امت کا اجماع بیان کیا ہے یہ میں نے ناموسِ رسالت کی اہمیت اور اُسکی توہین پر سزا کا ذکر کرنے کی کوشش کی قرآن وحدیث کی روشنی میں اور فقہاء علماء اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں۔

اب میں اُن اشکالات کی طرف آتا ہوں، جو اشکالات توہین رسالت کے سزا کے حوالے سے اٹھائے جارہے ہیں، ان میں سے ایک اشکال جو بار بار اٹھایا جارہا ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں کہیں بھی یہ ذِکر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے۔

توہین رسالت کی سزا قرآن میں صراحتاً نہ آنے کا واویلا

بعض حضرات یہ بار بار پوچھتے ہیں کہ قرآن میں اس کا کہاں ذکر ہے کہ توہین رسالت کی سزا قتل ہے؟ اور بعض ٹی وی چینلوں میں کچھ علماء کو بلا لیا جاتا ہے اول تو کوشش کی جاتی ہے کہ ایسے علماء کو بلایا جائے جو علمی اعتبار سے بہت کمزور ہوں اور چینل پر بات کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور اگر کسی صاحبِ علم کو بلا لیا جائے تو پھر حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے اسے کم سے کم بولنے کا موقع دیا جائے اور اُس

کے بات کرنے کے موقع کو محدود سے محدود کیا جائے بعض حضرات نے مجھے ایسی ''سی ڈیز'' وغیرہ دکھائیں جن میں یہ ہے کہ تفصیلی بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے بلکہ ایک دو منٹ میں بات مکمل کرنے کا کہا جاتا ہے۔تو یہ اشکال ہے۔

اس سلسلے میں پہلی گذارش یہ کرنا چاہوں گا کہ اگر اسے قاعدہ کلیہ کی حیثیت دے دی گئی کہ جو چیز قرآن میں مذکور نہیں ہے وہ تسلیم بھی نہیں اس کا شریعت میں حصہ بھی نہیں، تو پھر ہمیں شریعت کے بہت بڑے حصے سے دستبردار ہونا پڑے گا، آپ مجھے بتایئے کہ قرآن کریم میں نماز کی رکعات کا ذکر کہاں ہے، نماز کے طریقے کا ذکر کہاں ہے؟ زکوٰۃ کے نصاب کا ذکر کہاں ہے، حج کے مفصل طریقے کا ذکر کہاں ہے؟ تو بہت سی چیزیں ہے جن کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔

اشارتاً توہین رسالت کی سزا قرآن میں بیان کی گئی ہے

دوسری گذارش یہ ہے کہ صراحتاً یہ الفاظ تو نہیں ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے اسے قتل کر دیا جائے، لیکن اشارۃً اس کا ذکر ہے اور ابتدا سے لے کر آج تک تمام مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں یہ بات لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے کی سزا جو قتل ہے۔ان آیات سے ثابت ہوتی ہے مثال کے طور پر، سورۂ احزاب کی آیت نمبر:۵۷ جو میں نے خطبے میں پڑھی:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾

(سورۃ الاحزاب آیت ۵۷ پارہ ۲۲)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور ان کے لئے اللہ نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے

اس آیت کے صرف تین آیات بعد وہ آیت ہے جس میں اللہ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا:

مَّلْعُوْنِيْنَ ۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾

(سورۃ احزاب آیت: ۶۱)

یہ لعنتی ہیں جہاں بھی پائے جائیں ان کو پکڑا جائے اور ان کو قتل کیا جائے، اب یہ قرآن میں آیا تو اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الشفاء" میں اور تنبیہ الوُلَاتِ وَالحُکّام میں استدلال کرتے ہوئے لکھا: ان آیات کی وجہ سے امت کا اجماع ہے اس بات پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے۔

اسی طریقے سے دوسری آیت سورۃ توبہ کی آیت نمبر: ۱۲ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

(سورۃ توبہ آیت ۱۲ پارہ ۱۰)

اگر وہ تمہارے دین میں طعن کریں وعدہ کرنے کے بعد تو پھر کفر کے ائمہ کے ساتھ قتال کرو اس لیے کہ نہ تو وہ ایمان والے ہیں اور نہ ہی وہ باز

آنے والے ہیں۔

اب یہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۲ ہے، اس کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ لکھے:

مِنْ هٰهُنَا اُخِذَ قَتْلُ مَنْ سَبَّ الرَّسُوْلَ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ

اس آیت کریمہ سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کو گالی دے اس کو قتل کیا جائے گا۔ تو وہ آیات ہیں جن میں قتل کی سزا کا اشارۃً ذکر فرمایا، اور آج تک مفسرین تفسیر میں لکھتے رہے کہ ان آیات سے توہین رسالت کے مرتکب کی سزا کا قتل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا اشکال جو اٹھایا جا رہا ہے اور خاص طور پر سیاسی لیڈروں کی طرف سے کہ یہ جو دفعہ ۲۹۵ ہے یہ ایک ڈِکٹیٹر کا بنایا ہوا قانون ہے، لہٰذا اسے رد کر دینا چاہیے چونکہ ایک ڈکٹیٹر کا بنایا ہوا قانون ہے حالانکہ عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ کا زیادہ تر حصہ ایسا ہے کہ پاکستان کے اقتدار پر ڈِکٹیٹر ہی چھائے رہے اور وہی لوگ جو آج اقتدار میں ہیں وہ نام بدل بدل کر کبھی چچا، کبھی بھتیجا، کبھی ماموں، کبھی بھانجا، کبھی نواسا اور کبھی کوئی دوسرا ہی اقتدار میں رہے، جو کل تھے، آج بھی ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈِکٹیٹر کی مجلس شوریٰ میں شامل ہونے والے گیلانی صاحب وزیر اعظم بننے کے تو لائق ہیں اور وزیر اعظم کے طور پر تو قبول ہیں، لیکن اسی ڈِکٹیٹر کے دور میں اگر توہین رسالت کے مجرم کے لیے ایک قانون جاری کیا گیا تو وہ قانون قابل قبول نہیں ہے، اور شاید

یہ محاورہ ایسے ہی مواقع پر استعمال ہوتا ہے کہ:

میٹھا، میٹھا ہپ، ہپ کڑوا، کڑوا تھو، تھو

بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ یہاں تو یہ محاورہ ہی بدل گیا کہ

کڑوا کڑوا ہپ ہپ اور میٹھا میٹھا تھو تھو

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو قانون اسلام کے لیے بنا، رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے لیے بنا، وہ ہمارے لئے میٹھا ہوتا، قابل قبول ہوتا۔ اور جو کڑوا ہتیں تھیں ان کو رد کر دیا جاتا لیکن اب جو میٹھے میٹھے قانون تھے ان کو رد کیا جا رہا ہے صرف اس لیے کہ وہ ڈکٹیٹر کے دور میں بنائے گئے حالانکہ ان قوانین کو جاری کرنے میں وہ اکیلا نہ تھا بلکہ اس قانون کو بھی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی طرف سے منظور کیا گیا، بحث مباحثہ کے بعد ساری قومی اسمبلی نے متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہینِ رسالت کے مجرم کی سزا قتل ہونی چاہیے۔

قانون توہین رسالت کے استعمال پر اعتراض

تیسرا اشکال جو کیا جاتا ہے وہ یہ کہ چونکہ قانون توہین رسالت کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے غلط مقدمہ درج کروالیا جاتا ہے، لہٰذا اس قانون کو منسوخ کر دینا چاہیے۔

ہم اس کے جواب میں یہ عرض کریں گے کہ توہین رسالت کے قانون سے کہیں زیادہ دوسرے قوانین ہیں، جن کا غلط استعمال کیا جاتا ہے، تین سو

دو ہے، تین سو سات ہے، ان کا غلط استعمال کیا جاتا ہے۔

ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ قتل بھی ایک خاندان کے لوگوں کا کیا گیا، مقتول بھی ایک خاندان اور قاتلوں نے مقدمہ بھی مقتولوں کے وارثوں کے خلاف درج کروا دیا قتل کا، تو دوسرے قوانین بھی ایسے ہیں جن کا غلط استعمال ہو رہا ہے، لیکن کوئی نہیں جس نے آج تک یہ مطالبہ کیا ہو کہ چونکہ تین سو دو، تین سو چار، تین سو سات ایسی دفعات ہیں کہ ان کا استعمال غلط ہوتا ہے، مخالفین سے انتقام کے لئے اور انہیں پھنسانے کے لیے۔

لہٰذا ان دفعات کو منسوخ کیا جائے، کسی نے آج تک مطالبہ نہیں کیا تھا، لیکن جو قانون توہین رسالت کے مجرم کے لیے بنایا گیا اس کے لیے بار بار مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس قانون کو منسوخ کر دیا جائے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بھٹو صاحب کے بارے میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان کا عدالتی قتل ہوا، اور ان کے خلاف غلط مقدمہ چلایا گیا، لیکن کسی نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ اس قانون ہی کو منسوخ کر دیا جائے جس قانون کے تحت بھٹو صاحب کو پھانسی دی گئی، لیکن توہین رسالت کے قانون کے لیے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا استعمال غلط ہوتا ہے، لہٰذا اسے منسوخ کر دیا جائے۔

حالانکہ گذشتہ بیس سالوں میں جب سے یہ قانون نافذ کیا گیا اس وقت سے لے کر آج تک توہین رسالت کے تقریباً سات سو مقدمات یا اس سے زائد مقدمات درج ہوئے اور ان میں سے آدھے سے زیادہ مقدمات وہ تھے جو مسلمانوں کے خلاف تھے، اور پھر ان میں سے کسی ایک مقدمے میں

کسی بھی ملزم کو، کسی بھی مجرم کو آج تک پھانسی کی سزا نہیں سنائی گئی، لیکن اس کے باوجود مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس قانون کو منسوخ کر دیا جائے۔

ابھی حالیہ جو واقعہ پیش آیا ہے پنجاب میں توہینِ رسالت کا اگر آپ غور سے اس واقعہ اور مقدمہ کو دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کے لیے آواز اٹھانے والوں کے سامنے اس ملزمہ کی حمایت اور ہمدردی سے زیادہ ان کی توجہ اس بات پر ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے توہین رسالت کے قانون کو منسوخ کر دیا جائے، اور اس کے لیے نہ صرف پاکستان میں لادینی تنظیمیں متحرک ہیں، بلکہ عالمی سطح پر بھی اس کے لیے آوازیں اٹھائی جا رہی ہے۔

اور عجیب بات ہے کہ اب تو امریکہ کا گرین کارڈ، اور مغربی ممالک کا ویزہ حاصل کرنے کا یہ بڑا آسان نسخہ لوگوں کے ہاتھ میں آ گیا کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دو، قرآن کی توہین کرو، اور جب مسلمان اس کے خلاف آواز اٹھائیں تو پھر امریکہ بھی ایسے مجرم کے لیے اپنے دروازے کھول دے، اور دوسرے یورپی ممالک بھی انہیں ویزہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔

کیا نبی ﷺ نے خود توہین رسالت کے مرتکب کو معاف فرما دیا تھا؟

ایک چوتھا اشکال: جو اس حوالے سے کیا جا رہا ہے اور ہمارے اشتہار میں بھی ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے توہین کے مرتکب کو کیوں معاف فرما دیا تھا؟ بڑے شد و مد کے ساتھ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بڑے رؤف و رحیم تھے، اور آپ ﷺ عفو و درگذر سے کام لینے

والے تھے، اور آپ ﷺ نے اپنی توہین کرنے والوں کو معاف فرما دیا تھا، تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم توہین کرنے والوں کو معاف کر دیں۔

اللہ اکبر! کوئی آدمی ماں کو گالی دینے والوں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں، اور باپ کو گالی دینے والے کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں، اور اپنے خاندان کو گالی دینے والوں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں، لیکن میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس ہی اتنی ہلکی چیز بن گئی کہ اس کے بارے میں لیکچر دیئے جا رہے ہیں کہ ہمیں عفو و درگذر سے کام لینا چاہیے۔

تو جہاں تک اس اشکال کا تعلق ہے تو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت بہت سے علماء نے یہ بات واضح طور پر لکھی ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ کو تو یہ حق تھا کہ آپ کسی زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیں، لیکن امت کو یہ حق حاصل نہیں۔

دوسری بات خود نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں توہین کرنے والے متعدد مجرموں کو سزا دی گئی، اور یہاں میرا دل چاہتا ہے کہ ان حضرات سے یہ سوال کروں جو ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ توہین رسالت کی سزا ''قتل'' ہونا قرآن میں مذکور نہیں، دِل چاہتا ہے کہ ان سے سوال کروں کہ یہ کہاں مذکور ہے جو بھی توہین رسالت کرے اسے معاف کیا جائے اور اسے کوئی سزا نہ دی جائے؟ کونسی آیت ہے اور کونسی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے؟ صراحتاً نہ سہی، اشارتاً ہی صحیح، کسی حدیث سے اور کسی آیت سے معلوم ہوتا ہو تو اس کو سامنے لایا جائے۔ جو اللہ کی توہین کرے اور جو قرآن کی توہین کرے اور جو رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے اس سے عفو و درگذر سے کام لیا جائے، اس حوالے سے

کوئی ایک آیت، کوئی ایک حدیث پیش کی جائے۔

حضور ﷺ پر تنقید صرف آپ کی ذات تک محدود نہیں

تیسری بات اس اشکال کے حوالے سے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چونکہ معاف کیا تھا ہمیں بھی معاف کر دینا چاہیے۔ یہ اشکال اس مفروضے پر مبنی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی توہین اور آپ ﷺ پر تنقید یہ صرف آپ تک محدود تھی حالانکہ ایسا نہیں۔

حضور اکرم ﷺ پر تنقید اور آپ کو طعنہ دینا یہ حقیقت میں اس اللہ کو طعنہ دینا ہے جس اللہ نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا، اس دین پر طعنہ دینا ہے جو دین آپ لے کر آئے جو قرآن آپ کے واسطے سے ہم تک پہنچا، تمام انبیاء پر طعن ہے ۔ جنھوں نے حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کیا ڈیڑھ ارب مسلمانوں پر طعن ہے، اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سب کا قریبی رشتہ ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ پر تنقید سے میرے جذبات مجروح ہوئے ہیں، لہٰذا میں توہین کرنے والے کو معاف نہیں کرتا یہ میرا حق ہے، میں کہہ سکتا ہوں: میری شخصیت مجروح ہوئی لہذا میں معاف نہیں کرسکتا، زید یہ کہہ سکتا ہے، ابوبکر کہہ سکتا ہے، خالد کہہ سکتا ہے، عمر کہہ سکتا ہے میں معاف نہیں کرتا، اس لئے کہ ہمارے جذبات مجروح ہوئے ہیں رسول اکرم ﷺ کی توہین ہے، لہٰذا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ چونکہ حضور معاف کرتے تھے ہم بھی معاف

کر دیں، زرداری کون ہوتے ہیں اور گیلانی کون ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے کو معاف کرنے والے؟

ہو سکتا ہے کہ اس تنقید سے اس توہین سے ہمارے صدر، ہمارے وزیر اعظم، ہمارے وزیر داخلہ کے جذبات مجروح نہ ہوئے ہوں، لیکن ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں تو کسی ایک کو مجرم معاف کرنے کا حق حاصل نہیں۔

ایک بات یہ بھی اس حوالے سے ذہن میں آتی ہے جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے توہین کرنے والے کو معاف فرمایا، اس زمانے میں آپ نے بعض سودخوروں کو بھی معاف کیا۔ بعض قاتلوں اور ستم گروں کو بھی معاف کیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے والوں کو بھی معاف کیا، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کرنے والوں کو، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے والوں کو معاف کیا، لیکن کیا یہ قیامت تک دستور بن گیا کہ اب جو بھی ابوجہل کا بیٹا، ابولہب کی ذریت ہو وہ کسی بلال پر اور کسی خبیب پر اور کسی خباب پر ظلم وستم ڈھائے گی تو اس کو معاف کر دیا جائے گا؟ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس وقت معاف فرما دیا تھا تو یہ قانون ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، حضور ﷺ جب تک زندہ تھے ، آپ کو حالات اور واقعات کے اعتبار سے اور افراد کے جرم کے اعتبار سے یہ حق حاصل تھا کہ آپ جسے چاہیں معاف فرمائیں اور جسے چاہیں سزا دیں۔ لیکن مجھے اور آپ کو اس کا حق حاصل نہیں۔

توہین رسالت پر معافی کا حق کس کو حاصل ہے؟

پانچواں سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ کیا کسی کو توہین رسالت کی معافی کا حق حاصل ہے؟ یاد رکھیں کسی کو بھی معاف کرنے کا حق حاصل نہیں یہ جو واقعہ پیش آیا، تقریباً ڈیڑھ سال تک عدالت میں یہ مقدمہ چلتا رہا، ملزمہ کو صفائی کا پورا پورا موقع دیا گیا، دونوں طرف سے گواہ پیش ہوئے اور حالت یہ کہ ملزمہ کے اپنے مقدمے کی کمزوری کا حال یہ ہے کہ اس کا شوہر بھی اس کے حق میں گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوا۔

پاک و ہند میں توہین رسالت کی تاریخ

اور چھٹا سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ ہے توہینِ رسالت کی تاریخ اور برصغیر پاک و ہند میں اس کی تنفیذ۔ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ توہین رسالت کے قانون کی تشکیل کے لیے آئینی تحریک سب سے پہلے اس برصغیر میں حضرت مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے چلائی ۱۹۲۷ء میں جب لاہور ہائی کورٹ نے رنگیلا رسول کے ناشر راج پال کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ قانون کی نظر میں توہین پر مشتمل کسی کتاب کا چھاپنا کوئی جرم نہیں ہے۔

لیکن صرف دو سال بعد ۱۹۲۹ء میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے مصنف راج پال کو جہنم رسید کیا تو مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریک اس لئے اٹھائی تا کہ کسی شخص کو، کسی مسلمان کو قانون ہاتھ میں لینے کی جرأت نہ ہو، بلکہ توہین کے مرتکب شخص کا معاملہ عدالت میں پیش ہو

اور عدالت اس کے بارے میں فیصلہ کرے کہ اس کو کیا سزا دینی چاہیے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ قانون ناحق اور بے گناہ لوگوں کو بچانے کے لیے ہے، ان کو پھنسانے کے لیے نہیں ہے۔

چنانچہ آپ اگر اس قانون کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو جب سے یہ قانون نافذ ہوا اس وقت سے لیکر آج تک ملزموں کو بچایا تو گیا ہے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی موت کی سزا نہیں دی گئی ہے یہ قانون تو حقیقت میں تحفظ کا ذریعہ ہے تا کہ کسی بے گناہ کو قتل نہ کیا جا سکے۔

قانون توہین رسالت میں ترمیم انتہائی خطرناک ہے

اگر بالفرض (اللہ نہ کرے) سامراجی اور امریکی کوشش کامیاب ہوگئی اور قانون توہین رسالت میں کچھ ترمیم کی گئی یا اسے منسوخ کیا گیا تو پھر ایسے مجرموں اور ایسے ملزموں کو محبت کرنے والے مسلمانوں کی تلوار اور خنجر سے کوئی عدالت نہیں بچا سکے گی جو رسول اکرم ﷺ کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔

میں نے پہلے بھی عرض کیا آپ ہمیں اس حوالے سے جذباتی کہہ لیں آپ ہمیں شدت پسند کہہ لیں، آپ ہمیں دقیانوس کہہ لیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلمان چاہے کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو اس کے دِل میں رسول اکرم ﷺ کی جو محبت ہے وہ کسی دوسرے رشتے کی نہیں ہے اور وہ اس بارے میں جتنا حساس ہے کسی دوسرے رشتے کے بارے میں نہیں، اور کسی دوسرے کی ناموس کے بارے میں اتنا حساس نہیں ہے، اگر بالفرض یہ قانون منسوخ کیا گیا تو قتل

کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جائے گا، جیسے کہ اس قانون کی تنفیذ سے پہلے تھا۔

دیگر شرائع میں توہین رسالت کی سزا

ساتواں سوال جو کیا گیا وہ یہ کہ توہین رسالت کے بارے میں دیگر لوگوں کی شریعت کیا کہتی ہے؟ مختصر طور پر جو حوالے ہمارے سامنے آئے ہیں وہ یہ کہ یہودیوں کا جو قانون ہے اس کی بنا پر بنی اسرائیل کے انبیاء اور توہین تورات کی سزا بھی قتل تھی۔

اور عہد نامہ عتیق میں نائبین رسول کی سزا بھی قتل ہے، اور یورپ میں چرچ نے توہین مسیح پر موت کا قانون جاری کروایا تھا۔ صرف مسلمانوں کے ہاں ہی توہین رسالت کی سزا یہ قتل نہیں، بلکہ دوسری کتابوں میں بھی توہین رسالت کی سزا کا قتل ہونا درج ہے۔

توہین رسالت کا سدباب کیونکر ممکن ہے

ایک اور سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ ہے کہ اس مذموم حرکت کے سدباب کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ پہلے اس سوال کے جواب میں اختصار کے ساتھ تین باتیں کہنا چاہوں گا۔

پہلی بات تو یہ کہ میرے بھائیو اور میری بہنو! جو میری اپنی ناقص سوچ اور رائے ہے اس کے مطابق عرض کر رہا ہوں سب سے پہلی بات تو یہ کہ ہم اپنی زندگیاں، اپنے اخلاق مصطفی ﷺ کا عکس بنالیں، بسا اوقات ہماری اخلاقی کمزوریوں اور معاملات کے خراب ہونے کی وجہ سے بھی توہین اور بدکاری کے واقعات پیش آتے ہیں، تو ہمیں اپنے اخلاق اور معاملات کی درستگی پر توجہ دینی چاہیے اور دشمنان رسول ہمیں جتنا رسول اکرم ﷺ سے

دور کرنا چاہتے ہے، ہمیں اتنا ہی رسول اللہ ﷺ اور آپ کی شریعت کے قریب آنا چاہیے۔

دوسری بات جو اکثر عرض کرتا رہتا ہوں وہ یہ کہ اس طرح کی جتنی بھی مذموم حرکتیں ہیں اور بے گناہ مسلمانوں پر جو مظالم ہیں اور امت مسلمہ کی جو ذلت ہے اس سب کا اصل علاج نظام خلافت راشدہ کا قیام ہے، جب تک نظام خلافت قائم نہیں ہوگا اس قسم کے واقعات پیش آتے رہیں گے، اللہ کرے اگر مسلمانوں کے اندر نظام خلافت بحال ہوجائے تو خدا کی قسم! پاکستان کی کسی جماعت کو کیا امریکی پروفیسر کو بھی اور کسی ارب پتی کو بھی رسول اقدس ﷺ کی توہین اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

تیسری بات جو عملی طور پر ہمیں اختیار کرنی چاہیئے اس وقت میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ای میل کے ذریعے ''میسج'' کے ذریعے ہمیں مؤثر آواز اٹھانا چاہیے تاکہ ہماری آواز پاکستان سے باہر تک پہنچے، اور جہاں جہاں تک ممکن ہو یہ ہمیشہ کے لیے عزم کرلیں کہ غیر ملکی مصنوعات سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں گے۔

جہاں تک ممکن ہو اپنی مصنوعات پر اکتفا کریں اور سادہ زندگی گزاریں اور مغربیت کی نقالی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلیں، اگر ہم رسول اکرم ﷺ کی زندگی کی اتباع شروع کردیں تو اللہ پاک کی ذات سے امید ہے کہ پھر کسی ملزم کو رسول اکرم ﷺ کی توہین کی جرأت نہیں ہوگی۔

بار بار توہین رسالت کا ارتکاب کیوں کیا جاتا ہے؟

آخری سوال یہ ہے کہ توہین رسالت کے واقعات یہ بار بار کیوں پیش آتے ہیں؟ تو ہمارا خیال یہ ہے کہ ایک تو اس لئے کہ ہم بار بار توہین کے واقعات دیکھ اور سن کر توہین کے عادی ہو جائیں اور اس کو ایک معمول کا کام سمجھ لیں، اور جیسے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں نے اپنے پیشواؤں کی زندگی اور ان کی سیرت کو بازیچہ اطفال بنا دیا اسی طرح ہم بھی بنالیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ خود مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے بارے میں اور ان کی حرمت کے بارے میں حساس ہونا چھوڑ دیں، یہ رشتہ اور تعلق ان میں باقی نہ رہے، اور جب رسول اللہ ﷺ سے رشتہ نہ رہا اور آپ کی ناموس کی عظمت اور حرمت ان کے دل میں باقی نہ رہی، کچھ بھی باقی نہ رہا، جو کچھ ہے وہ سنت رسول سے ہے اور نسبت قرآن سے ہے، اور ایک بات کہ وہ حقیقت میں ہم سے ہمارا آخری سہارا چھین لینا چاہتے ہیں۔

اللہ پاک مجھے اور آپ سب کو زندگی کی آخری سانس تک رسول اکرم ﷺ کی ناموس اور قرآن کریم کی عظمت پر مر مٹنے کا جذبہ عطا فرمائے۔

آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ

پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث بنایا اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو جن کو ہم نے چُن لیا

دردِ دل اور سالہا سال کے تجربات کا نچوڑ

درسِ قرآن

کیوں اور کیسے؟

ازافادات

داعیِ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

پوری دنیا میں انٹرنیٹ پر سنے جانے والے دروسِ قرآن کا مجموعہ

آسان درسِ قرآن

ازافادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ العالی

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

آیاتِ احادیث پر مکمل اعراب اور تخریج و تحقیق کے ساتھ پہلی بار

خطباتِ حکیم الاسلامؒ

۵ جلد مکمل سیٹ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے ایمان افروز خطبات کا مجموعہ، جس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلام کی تعلیمات کو حکیمانہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے جس کا مطالعہ قلب و نظر کو بالیدگی اور فکر و روح کو بصیرت و تازگی بخشتا ہے

افادات

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

مرتب

مولانا محمد ادریس ہوشیارپوری صاحب

تخریج و تحقیق

مولانا محمد اصغر صاحب
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا ساجد محمود صاحب
متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

مولانا راشد محمود راجہ صاحب
متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

تقدیم و نگرانی

محمد ابن الحسن عباسی

مکتبہ عمر فاروقؓ

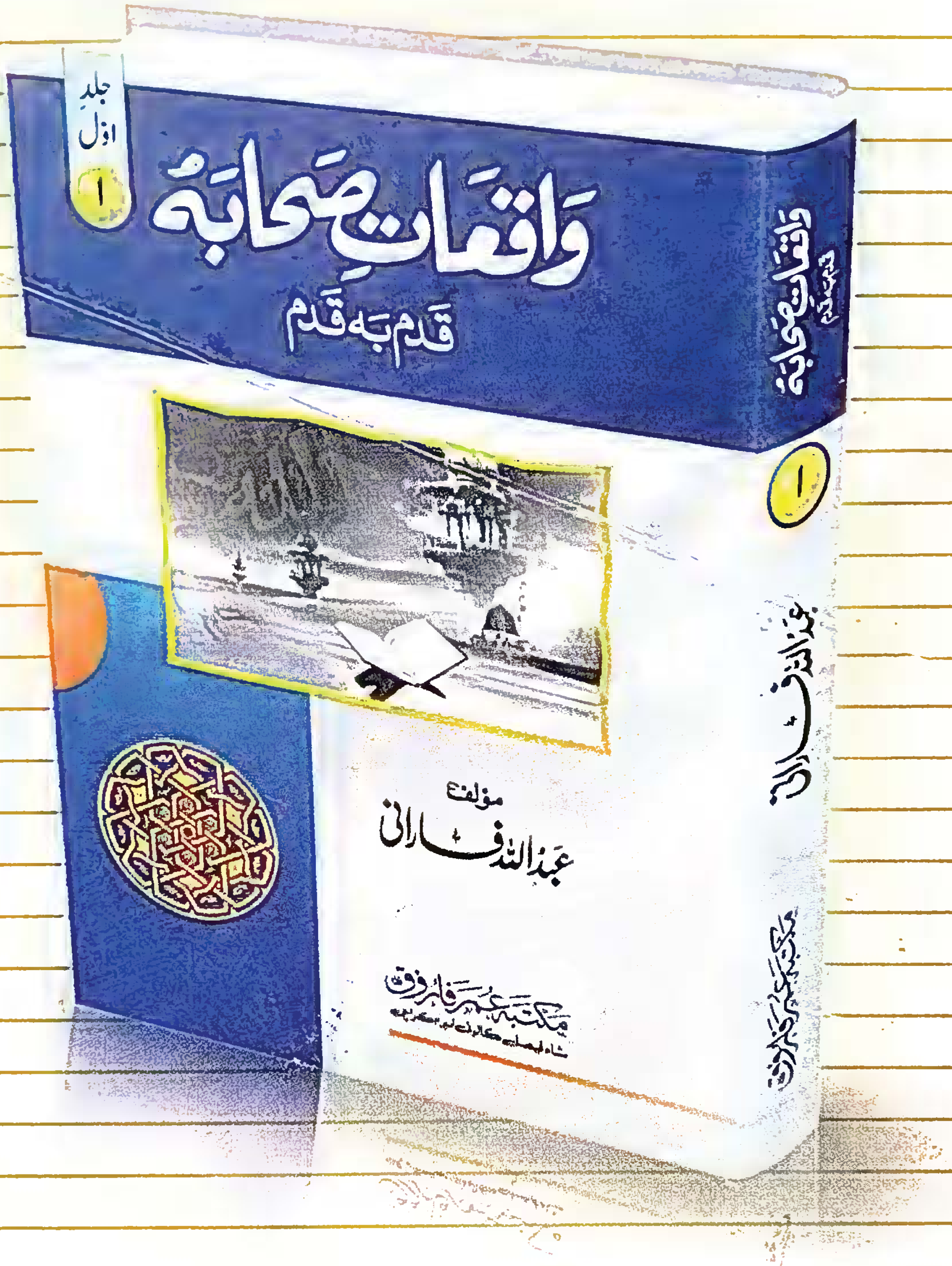

مکتبہ عمر فاروق
4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34604566 Cell: 0334-3432345
Designed & Printed by: Luminar Graphics Ph: 021 32727728